عنوان

1060

10x6 1/4

حصۂ اوّل

کچھ پرانے خط

مرتبہ

جواہر لعل نہرو

مترجمہ

عبد المجید الحریری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

صدر دفتر
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
جامعہ نگر، نئی دہلی

شاخ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اردو بازار
دہلی ۶

شاخ
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ
بمبئی ۳

نومبر ۱۹۶۰ء

بار اوّل ۱۰۰۰

قیمت: ۸ روپے

یونین پرنٹنگ پریس، دہلی

پیش لفظ

یہ کچھ خطوط کا ایک ملا جلا سا مجموعہ ہے۔ ان خطوط کا ایک جا کرنا اور پھر اُن میں سے اشاعت کے لئے کچھ خطوط کا انتخاب کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ کس حد تک یہ کام کرنے کے لائق تھا، اس کا فیصلہ کرنا میرے لئے دشوار ہے۔ تقریباً یہ تمام خطوط ایک ایسے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں جو اب ایک مدّت کا گزرا ہوا اور ماضی بعید سا معلوم ہوتا ہے۔ گنتی کے چند خطوط کو چھوڑ کر باقی تمام خطوط ہندوستان کے آزاد ہونے سے پہلے کے ہیں اور یہ سب زیادہ تر ہمارے داخلی مسائل سے بحث کرتے اور یہ دکھاتے ہیں کہ یہ مسائل ہم پر کیوں اثر انداز تھے۔ ان خطوط کو اب دوبارہ پڑھئے تو پرانی بحثوں کی یاد تازہ ہو جاتی اور بھولی بسری باتیں پھر یاد آجاتی ہیں۔ ان خطوط میں بیشتر ایسے ہیں جو ۱۹۲۰ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک اور پھر ۱۹۴۰ء کے اوائل میں لکھے گئے، یعنی ہماری جنگِ آزادی کے دوران میں اور بیچ کے اُن وقفوں میں جب میں جیل سے باہر ہوا کرتا۔

اُس وقت نہ تو مجھے فرصت تھی اور نہ اس کا موقع ملا کرتا کہ میں اپنے کاغذات ترتیب کے ساتھ رکھا کرتا، اُس وقت تو یہ کاغذات بس یونہی تلے اوپر رکھ دیئے جاتے تھے۔ پولیس وقتاً فوقتاً ہم پر چھاپے مارا کرتی اور جو کاغذات بھی اس کے ہاتھ تلے پڑ جایا کرتے تھے اُٹھالے جاتی تھی۔ ایک مدّت کے بعد جب میں جیل سے رہا ہو کر واپس آتا تو اکثر دیکھتا کہ میرے بہت سے کاغذات دیمک اور دوسرے کیڑے مکوڑے چاٹ چکے ہیں۔ اس غارت گری کے باوجود بہت سے کاغذات محفوظ رہ گئے۔ برسوں کے بعد میرے کچھ دوستوں نے ان کاغذات کو مرتّب کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا۔ حال میں جب میں ہمالیہ کی وادی کُلّو میں اپنی ایک مختصر سی چھٹّی کے دن گزار رہا تھا تب میں نے کاغذات کے اِسی ڈھیر میں سے کچھ خطوط کا انتخاب کیا۔

پہلے تو میرا ارادہ صرف مہاتما گاندھی کے خطوط شایع کرنے کا ہوا مگر جب کام آگے بڑھا تو کچھ اور خطوط بھی انتخاب میں آ گئے، یہاں تک کہ مجھے کچھ اپنے نوشتہ خطوط کا بھی اضافہ کرنا پڑا کہ ان کے بغیر بہت سے حوالوں کا سمجھنا دشوار تھا۔ اس جلد میں جو ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے وہ عموماً تاریخ وار ہے، اگرچہ کہیں کہیں مطالب کی توضیح کے خیال سے یہ ترتیب بدل بھی دی گئی ہے۔ میں نے جا بجا کچھ ذیلی حاشئے اور توضیحی نوٹ بڑھا ضرور دیئے ہیں مگر پھر بھی مجھے اندیشہ ہے کہ جو لوگ اس جنگِ آزادی کے زمانے کے واقعات کی تاریخ وار ترتیب سے آشنا نہیں ہیں وہ اِن خطوط کے حوالے نہ سمجھ پائیں گے۔

ان خطوط میں کچھ ایسے دوستوں اور ساتھ کام کرنے والوں کے خطوط ہیں جو خوش قسمتی سے اس وقت بھی ہمارے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے ازراہِ عنایت مجھے اپنے ان خطوط کی اشاعت کی اجازت دے دی ہے۔ گنتی کے دو چار خط ایسے بھی چھپ گئے ہیں جن کے چھاپنے کی اجازت میں اُن کے لکھنے والوں سے قبل از اشاعت حاصل نہیں کر سکا۔ مجھے امید ہے میرے یہ دوست اور ساتھی مجھے معاف فرما دیں گے۔

میں اپنے اُن ساتھیوں کا منّت شناس اور سپاس گزار ہوں جنھوں نے اِس کتاب کی اشاعت کے مختلف مراحل میں میری مدد فرمائی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس اعانت اور مدد کے بغیر میں اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کا سرے سے ارادہ ہی نہیں کر سکتا تھا اور اگر کر بھی لیتا تو میں تنہا اس کام کو انجام نہ دے پاتا۔

جواہر لعل
نئی دہلی
۵ر اکتوبر ۱۹۵۸ء

اِس مجموعے میں مطبوعہ خطوط کی فہرست

۱۔ از سروجینی نائیڈو

مدراس

۱۷ر دسمبر ۱۹۱۷ء

(یہ خط میری بچی اندرا کی پیدائش کے موقع پر لکھا گیا تھا جو اب اندرا گاندھی کے نام سے پکاری جاتی ہے)

عزیزی جواہر،

جب سے تم نے اپنی بچی کی پیدائش کی مبارک خبر بھیجی ہے تب سے مجھے ایک لمحے کی بھی فرصت نہیں ملی کہ بیٹھ کر تم کو اور کملا کو ایک حرف مبارک باد کا یا اپنی اس نئی بھتیجی کے لئے ایک حرف دُعا کا لکھ بھیجتی۔ اب یہ دونوں فرض میں اُس نصف دقیقے میں ادا کر رہی ہوں جو اپنے حسبِ معمول مصروفیتوں سے بھرے ہوئے ایک دن سے چھین پائی ہوں۔ مدراس پاگل، ہاں بالکل پاگل، ہو رہا ہے اور مجھے بھی پاگل بنا دینے پر اصرار کر رہا ہے۔

اگر تم کلکتہ جا رہے ہو تو مجھے تم ہنگر فورڈ اسٹریٹ نمبر، میں پاؤ گے۔ دیکھو مجھ سے ضرور مل لینا۔ میں اپنی "تالیف" "روحِ ہند" کا ایک نسخہ تمھیں بھیج رہی ہوں۔ اس کو تم مانٹیگ بمباری میں میرا حصہ سمجھو۔

سب کو پیار اور ایک بوسہ نئی روحِ ہند کے لئے۔

تمھاری پُراز محبت

سروجینی نائیڈو

۲۔ از بی۔ جی۔ ہارنیمان،

بمبئی کرانیکل

صیغۂ ادارت،

یکم جولائی ۱۹۱۷ء

میرے عزیز جواہر لعل

تمھارے خط مورخہ ۲۹ر کا شکریہ۔ گاندھی یہاں سے کچھ غلط سا اثر لے گئے۔

ہم اپنا احتجاجی جلسہ آئندہ سنیچر کو کر رہے ہیں۔ یہ ارادہ ہمارا کبھی نہیں تھا کہ ہم یہ جلسہ نہ کریں۔ مگر گاندھی یہاں یہ تجویز لے کر آئے کہ جلسے کے لئے تاریخ ایسی مقرر کی جائے کہ اُس کے بعد ہی ترکِ موالات کا آغاز کر دیا جائے۔ ہم لوگوں نے یعنی وہ لوگ جو اس مسئلے پر غور و فکر کے وقت موجود تھے، اُن میں سے بہت سے لوگوں نے اس سے اتفاق کیا۔ مگر گاندھی اس بات پر مصر رہے کہ جب تک وہ مالویہ سے نہ مل لیں ہم خاموش رہیں اور کچھ نہ کریں۔ اس کے بعد انھوں نے الہ آباد سے تار دیا کہ مالویہ اب تک شملہ سے واپس نہیں آئے۔ تب ہم نے اپنے انتظامات شروع کر دیئے۔ مگر میں غیر متشدّد ترکِ موالات کا دل سے مؤید ہوں۔ اب کوئی عملی اقدام ضروری ہے اس غرض سے ہم غیر متشدّد ترکِ موالات سے متعلق ایک منشور گشت کرا رہے ہیں کہ اُس پر لوگوں کے تائیدی دستخط حاصل کیے جائیں۔ پہلا دستخط اس منشور پر میرا ہے۔ آپ یقیناً یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ پُرانے کانگریسیوں سے نپٹنے میں ہمیں دشواریاں پیش آئیں گی مگر ہم نے اُنھیں خاصا جھنجھوڑ دیا ہے اور انھیں اپنی توقع سے زیادہ آگے بڑھالے گئے ہیں۔

مدراس کا سفر بہت کامیاب رہا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، ہم نے دو ہی چار دنوں میں ’نیو انڈیا‘ دوبارہ جاری کرا دیا۔ یہ ہماری ایک نمایاں فتح اور دشمنوں پر ایک کاری ضرب تھی۔ مسز بیسنٹ اس کے دوبارہ جاری ہونے سے بالکل ناامید ہو چکی تھیں۔ مدراس کا جلسہ بھی خوب رہا۔

جے۔ ڈی۔ آر کی نسبت مجھے افسوس ہے کہ ہمارے یہاں کے ساتھی، یا اُن میں سے بیشتر، آپ کے اقدام کو پسند نہیں کرتے، اگرچہ میرا اپنا خیال اب بھی یہی ہے کہ آپ کا یہ اقدام مستحسن اور درست تھا۔ جناح جو ابتدا میں بڑی مشکلوں سے رنگروٹوں کی بھرتی کی تحریک کے حامی بنائے گئے تھے وہ اب اس تحریک کو بطور احتجاج ترک کر دینے کے سخت خلاف ہیں۔ میں اپنے آپ کو اب تنہا پا رہا ہوں۔

میں نے آج سنا کہ مالویہ نے جناح کو ایک تار دیا ہے کہ اس مہینے کی آٹھویں تاریخ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور مسلم لیگ کاؤنسل کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کی جائے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہم اس طریقے سے اُن پُرانے اداکاروں میں کچھ

زندگی پیدا کر سکیں تو یہ ایک اچھی تجویز ہے۔ اگر یہ کانفرنس طے پا گئی تو مجھے امید ہے کہ آپ لوگ الہ آباد سے ضرور آئیں گے۔ مجھے خود مالویہ سے ملنے اور اُن سے ایک سنجیدہ گفتگو کرنے کا اتنا فکر ہے کہ اگر وہ خود یہاں آنے والے نہ ہوتے تو اُن سے ملنے کو میں خود ہی الہ آباد آتا۔ جہاں تک سُر سیندر ناتھ کا تعلق ہے سو وہ اگر مجھے کہیں مل گئے تو یقین ہے کہ میں اُن کو کسی نہ کسی حد تک ضرور ہموار کر لوں گا۔ آج سے گیارہ سال پہلے جب میں ہندوستان آیا اور اُن سے ملا تو میں اُسی وقت سے اُن کو جانتا پہچانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اُن سے کام کیوں کر لیا جا سکتا ہے۔ مگر آج کل وہ کچھ بُرے اثرات سے متاثر ہیں۔

اگر کوئی گہرا اثر پیدا کرنا منظور ہے تو دو باتیں ضروری ہیں:

(۱) ممبرانِ کاؤنسل کا کاؤنسلوں سے مستعفی ہو جانا (الہ آباد پر خدا کی رحمتیں ہوں جہاں اس خیال نے جنم پایا)

(۲) اگر گورنمنٹ اپنی پالیسی نہ بدلے اور نظر بندوں کو ایک مقررہ تاریخ تک آزاد نہ کر دے تو غیر متشدد ترکِ موالات کی تحریک کا آغاز کر دینا۔

جہاں تک بمبئی کا تعلق ہے، میں اپنے مقدور بھر ان دونوں باتوں کے لئے یہاں کام کرتا رہوں گا۔ تاہم ایک کُل ہند کانفرنس ناگزیر ہے۔

میں نے ہدایت کر دی ہے کہ پرچہ آپ کو برابر بھیجا جاتا رہے میرا خیال تھا کہ یہ ہدایت میں پہلے ہی دے چکا ہوں۔

سب کے لئے پیامِ محبت و احترام

آپ کا مخلص

بی۔ جی۔ ہارنیمان

(بی۔ جی۔ ہارنیمان روزنامہ "بمبئی کرانیکل" کے ایک ہر دل عزیز اور با اثر ایڈیٹر تھے۔ پہلی عالمگیر جنگ کے اخیر سالوں میں اور اُس کے بعد بھی انھوں نے ہندوستان کی قومی تحریک میں ایک اہم رول ادا کیا)

(میرے والد نے پنجاب میں مارشل لا کے نفاذ کے عواقب و نتائج ... سے

شخصی طور پر گہری دلچسپی لی تھی۔ انہی کے ایما سے فوجی عدالتوں کے کچھ فیصلوں کے خلاف انگلستان کی پریوی کاؤنسل میں کچھ اپیلیں دائر کی گئی تھیں۔ ان اپیلوں میں سے ایک اپیل جس پر ملک نے بڑی توجہ مبذول کی، امرتسر کے بگّا اور رتن چند کی اپیل تھی۔ یہ خط اور بعد کے کئی خط میرے والد نے آرہ (بہار) سے لکھے جہاں وہ زمینداری کے ایک بڑے مقدمے میں وکیل تھے)

۲۔ از موتی لعل نہرو،

آرہ

۲۵ فروری ۱۹۲۰ء

عزیزی جواہر،

جیساکہ تم نے میرے پچھلے خط سے معلوم کر لیا ہوگا، بگّا کی اپیل میں پریوی کاؤنسل سے جو فیصلہ صادر ہوا ہے اُس پر مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ یہ فیصلہ میری توقع کے سرتاسر خلاف نہیں ہے۔ مگر اس اپیل کے ڈسمس کر دئے جانے سے مجھے صدمہ ضرور ہوا۔ دوسرے اپیل کنندوں نے فسادات میں جو حصّہ بھی لیا ہو مگر اس میں قطعاً کوئی شبہہ نہیں ہے کہ بگّا اور رتن چند یہ دونوں اُتنے ہی بے قصور ہیں جتنی کہ اندو۔ پنجاب کا ہر شخص، خواہ وہ سرکاری ملازم ہو خواہ پبلک کا کوئی عام آدمی، اس بات کو جانتا ہے۔ پھر بھی یہ دونوں بیچارے پھانسی پائیں گے بہرحال یہ اُن لاکھوں مثالوں میں سے ایک مثال ہے جن میں اس ملک کے لوگوں کے ساتھ ہر روز ظلم اور بے انصافی کی جاتی رہی ہے۔ ہم صرف اپنا فرض ادا کر سکتے ہیں اور اُن تمام تدبیروں سے کام لے کر قسمت آزمائی کر سکتے ہیں جو ہماری دسترس میں ہیں۔ میں تم کو تار کے ذریعے بتا چکا ہوں کہ اس معاملے میں میں نے اب تک کیا کیا ہے مگر جو کچھ میں نے کیا ہے وہ کافی نہیں ہے۔ اب آگے جو قدم اُٹھانے کی میں تجویز کرتا ہوں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) جگ موہن ناتھ اُن تمام اپیل کنندگان کی ایک مکمل فہرست تیار کر ڈالیں جن کے مقدمات میں اپیلیں دائر کی گئی ہیں۔ یہ فہرست ٹیک چند کو بھیج دی جائے اور وہ یہ دریافت کریں کہ ان اپیل کنندگان میں سے کون کون سے

اپیل کنندگان رِہا ہوئے اور کون کون سے اب تک جیل میں ہیں۔ ٹیک چند مسٹر نول کو فوراً تار کے ذریعے اُن لوگوں کے نام بتائیں جو اب بھی جیلوں میں ہیں، اور اُن سے کہیں کہ وہ اِن سب کے لئے رحم کی درخواستیں دے دیں۔

(۲) ہندوستان کی تمام بڑی بڑی جگہوں میں، پنجاب کے ہر شہر میں اور امرتسر کے ہر محلّے میں بڑے بڑے عام جلسے کئے جائیں اور یہ مطالبہ کیا جائے کہ حکومت اعلانِ شاہی کا اطلاق ان مقدّمات پر بھی کرے۔ امرتسر کے جلسوں میں بگّا اور رتن چند کی بے گناہی کی قرار دادیں بھی منظور کی جائیں۔

اِن باتوں کا کہنا آسان ہے مگر اُن پر عمل کرنا یا کرانا مشکل ہے۔ مگر ایک کوشش ضرور کرنی چاہیئے۔ گاندھی جی سے مشورہ کرلیا جائے۔ مگر وقت بہت کم ہے، رائگاں نہ جائے۔ آخری بن قانونی چارہ جوئی کے بعد پھانسیاں بڑی تیزی کے ساتھ دے دی جاتی ہیں جیسا کہ کٹارپور کی پھانسیوں میں دیکھا جا چکا ہے۔

(۳) اگر مذکورۂ بالا دونوں باتوں سے بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ اِس بارے میں بھی میرے ذہن میں کچھ صاف اور واضح تجویزیں ہیں مگر میں اُنکا اظہار اُس وقت تک پسند نہیں کرتا جب تک کہ مذکورۂ بالا دونوں باتوں کے نتائج سامنے نہ آجائیں۔

میرا خیال ہے کہ مجھے تمھاری ضلع کانفرنس میں ضرور شریک ہونا چاہیئے خواہ مجھے ہری جی کو خیر بادہی کیوں نہ کہہ دینی پڑے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ مجھے نہیں چاہتے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں اُن کا روپیہ نہیں چاہتا۔ اِس لحاظ سے صورتِ حال خاصی واضح اور صاف ہے۔ میں دو دن اور اِس معاملے پر غور کروں گا اور پھر کوئی فیصلہ کرلوں گا۔

تمھارا محبت کرنے والا

باپ

۴۔ از موتی لعل نہرو

(پنڈت جی کے ایک خط کا اقتباس جو انھوں نے آرہ سے ۲۷ فروری ۱۹۲۰ء کو

جواہر لعل کے نام لکھا تھا،

"اگرچہ میں گاندھی جی کا بڑا احترام کرتا ہوں مگر میں اُن کے سیاسی افکار و ضوابط کو محض اس لئے مان لینے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ گاندھی جی کے نتائجِ فکر ہیں۔ میں نے داس کو متنبہ کر دیا ہے کہ ہمیں ایک سخت کشمکش کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

گاندھی جی کا شاستری سے گفتگو کے لئے دہلی جانا اور اُن کا مالویہ سے برابر ملتے رہنا اور اکثر معاملات میں اُن کا ہم خیال و ہم نوا ہونا ہماری پارٹی کے لئے کوئی اچھا شگون نہیں ہے اور نہ یہ باتیں خود گاندھی جی کے لئے فالِ نیک ہیں۔ کسی شخص کا اپنی ہر دل عزیزی اور مقبولیت پر حد سے زیادہ اعتماد کرنا کوئی اچھی ادا یا عادت نہیں ہے۔ مسز بیسنٹ اپنی لغزش کی قیمت اب ادا کر رہی ہیں۔ دوسرے لوگوں کو بھی اس غلطی کا خمیازہ اُٹھانا پڑا ہے۔ گاندھی جی بھی اگر اس غلطی کے مرتکب ہوئے تو مجھے سخت صدمہ ہوگا۔ اس وقت میرا جو موقف ہے اُس کے پیشِ نظر مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں کسی سے بھی اُس کے سیاسی افکار و آراء کی بنا پر جھگڑ پڑوں چہ جائیکہ گاندھی جی اور مالویہ جیسی بلند پایہ شخصیتوں کے ساتھ کوئی جھگڑا مول لینے کی جُراُت کروں۔ پھر بھی ہمارا ملک اس وقت جو صورت اختیار کرتا جا رہا ہے میں اُس سے اپنی آنکھیں بند نہیں رکھ سکتا۔ اس وقت اربابِ حکومت یا اعتدال پسندوں کے ساتھ صلح و مفاہمت کی جو کوشش بھی کی جائے گی اُس کا انجام تباہ کُن ہوگا۔ خواہ کوئی بھی یہ کوشش کرے صورتِ حال مجھے کچھ ایسی ہی نظر آرہی ہے۔"

۵۔ از موتی لعل نہرو،

آرہ، ۲۹ فروری سنہ ۱۹۲۰ء

عزیزی جواہر،

ہرکشن لعل آج صبح یہاں پہنچے اور آج ہی شب کی ۸ بجے والی پسنجر سے الٰہ آباد جا رہے ہیں۔ تمھارا اس مضمون کا تار کہ اندرا اچھی ہے اور تم کل صبح بمبئی جا رہے ہو ابھی ابھی ملا۔ میں نے تم کو تار دیا ہے کہ ہرکشن لعل کل صبح تڑکے ہی الٰہ آباد پہنچ جائیں گے

اور چند گھنٹے ٹھہریں گے۔ وہ اکسپریس سے دہلی جا رہے ہیں۔ یہ خط میں اُنہی کے ہاتھ بھیج رہا ہوں۔

ہرکشن لعل، داس اور میں، ہم تینوں نے آج صبح کے ناشتے پر، جو کسی قدر دیر میں ملا تھا، پنجاب کے مختلف معاملات پر، نیز ملک کی عام سیاسی صورتِ حال پر باہم دیر تک باتیں کیں۔ ہم جن فیصلوں تک پہنچے ہیں وہ تمھیں ہرکشن لعل کی زبانی معلوم ہوں گے۔

ان کو اپنے ساتھ لے جا کر انڈیپینڈنٹ کا دفتر دکھا دو، تاکہ یہ اُس بدنظمی کو جو دفتر میں پھیلی ہوئی ہے اپنی آنکھوں دیکھ کر اُس کی نسبت کوئی رائے قائم کر سکیں۔ انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ لاہور پہنچتے ہی آدمی بھیجیں گے۔

میں نہیں جانتا کہ تم بمبئی کب تک کے لئے جا رہے ہو۔ مگر میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم جس قدر جلد ممکن ہو واپس آؤ۔ بمبئی والے مقدمے میں مستغیث کو جو کچھ تفصیلات فراہم کرنی تھیں تم اس بارے میں کچھ کر پائے یا نہیں؟ اگر کچھ نہ کر پائے ہو تو اب اس معاملے پر خود دھیان دو۔

سیاسیات میں اپنے موقف پر گاندھی جی ایک اہم بیان دینے والے ہیں۔ اس بارے میں میں تم کو پہلے ہی لکھ چکا ہوں۔ میں نے جو کچھ کہا ہے داس اس سے متفق ہیں۔ آج صبح ہم نے دوسرے مسائل کے ساتھ اس مسئلے پر بھی گفتگو کی۔ یہ امر کہ گاندھی جی کوئی ایسی راہ یا روش اختیار کرنے والے ہیں جو کانگریس کی تجویزوں کے ساتھ پوری پوری مطابقت نہیں رکھتی خاصا صاف اور ظاہر ہے۔ ہمیں اُن سے ایک ہی شکایت ہے اور وہ یہ ہے کہ جہاں انھوں نے شاستری اور مالویہ کو کھُلے بندوں اپنے اعتماد میں لیا وہاں انھوں نے ہم لوگوں سے سخت بے اعتنائی برتی اور ہم لوگوں کو قطعاً تنہا چھوڑ دیا۔ بہ ہر حال اب ہم لوگوں کو صبر کے ساتھ انتظار کرنا ہے اور نئی روشنی کی راہ دیکھنی ہے اور جب وہ نمودار ہو گی تب ہم لوگوں کو یہ سوچنا پڑے گا کہ اس نئی روشنی کو ہم اپنا راہبر بنائیں یا نہ بنائیں۔ آخری بار جب میں نے اس موضوع پر تم کو خط لکھا تھا تب اُس وقت جس فیصلے تک میں پہنچ چکا تھا وہ یہی تھا۔ میں نے اپنا یہ فیصلہ جب آج صبح داس کے سامنے رکھا تو انھوں نے مجھ سے اتفاق

کیا، مگر مجھ سے بہ تاکید کہا کہ شکایت والی بات کی نسبت میں تم کو بتا دوں کہ یہ ان کی طبع زاد بات نہیں ہے بلکہ انھوں نے یہیں آکر مجھی سے یہ بات سُنی اور سمجھی۔ ان کا خیال ہے کہ اُن کی پیٹھ پیچھے کچھ لوگ اُن کو گاندھی جی کے سامنے بدنام کر رہے ہیں۔ اور اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ اس کا ذکر میں تم سے خاص طور پر کر دوں۔

تمھارا محبت کرنے والا باپ

۶۔ بنام ایم۔ ایل۔ اوکس

(خطوط ۶ سے ۱۴ تک کا تعلق ایک حکم اخراج سے ہے جو مجھ پر مسوری میں تعمیل ہوا۔ اس قسم کا یہ پہلا حکم ہے جو مجھے دیا گیا)

سوائے ہوٹل

مسوری

۱۴ مئی ۱۹۲۰ء

پیارے مسٹر اوکس

میں نے آج صبح کی گفتگو پر نیز اپنی طرف سے ایک "قطعی ضمانت" اس بات کی دینے کے مسئلے پر کہ میں نہ تو اُن افغان مندوبین سے جو آج مسوری میں ٹھیرے ہوئے ہیں، ملوں گا اور نہ اُن سے کوئی نامہ و پیام کروں گا، جیسا کہ گورنمنٹ مجھ سے چاہتی ہے، پوری احتیاط کے ساتھ غور کیا۔ مجھے افسوس ہے کہ اس معاملے میں جو رائے میں نے قائم کر لی ہے اُسے میں بدل نہیں سکتا۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، میں صرف اپنی بیوی کی علالت کے سبب اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ مسوری آیا ہوا ہوں۔ میرا ارادہ اپنے گھر کے لوگوں کے ساتھ صرف اس وقت تک ٹھیرنے کا تھا جب تک کہ میرے والد یہاں آنے کی فرصت نہیں پاتے، افغان مندوبین سے میں کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ یہ محض ایک اتفاق ہے کہ ہم سب ایک ہی ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔ سچ پوچھئے تو ان لوگوں کے اس ہوٹل میں قیام پذیر ہونے کے سبب مجھے کسی قدر زحمت ہی اٹھانی پڑی ہے اس لئے کہ جن کمروں میں یہ لوگ ٹھیرے ہوئے ہیں وہ کمرے میں خود لینا چاہتا تھا۔ اس وفد سے مجھ کو بھی یقیناً دلچسپی ہے جیسی کہ ہر ذی فہم آدمی کو ہونی چاہیے۔

مگر میرا کوئی خفیف سا بھی ارادہ نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہے کہ میں اپنے عام طور وطریق سے ہٹ کر ان لوگوں سے ملنے کی کوئی سعی و کوشش کروں۔ ہم سب سترہ دنوں سے اس ہوٹل میں ٹھیرے ہوئے ہیں مگر اس پوری مدت میں میں نے اس وفد کے کسی ممبر کی صورت کبھی دور سے بھی نہیں دیکھی۔ اور جیسا کہ آج صبح آپ نے مجھ سے فرمایا، آپ خود بھی اس بات کو جانتے ہیں۔

اگرچہ میں ان افغانیوں سے ملنے یا اُن سے نامہ وپیام کرنے کا مطلق کوئی ارادہ نہیں رکھتا مگر بایں ہمہ اپنے آپ کو گورنمنٹ کے ایما پر کسی خاص طرزِ عمل کا پابند بنالینا مجھے کسی طرح گوارا نہیں ہے خواہ اس طرزِ عمل کی پابندی مجھ پر گراں نہ بھی ثابت ہو۔ در اصل یہ سوال ضمیر یا اصول کا ایک سوال ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے اس زاویۂ نگاہ کو بہ نظرِ استحسان دیکھیں گے۔ اس بنا پر مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کا یہ شائستہ مشورہ قبول کرنے سے قاصر ہوں اور گورنمنٹ کو اپنے طرزِ عمل کے بارے میں میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا۔

اگر گورنمنٹ مجھے ضابطے کی رو سے کوئی حکم دینا گوارا کرے گی تو اس وقت میں اُس کی تعمیل کو حاضر ہوں۔ یوں اپنے گھر والوں کو تنہا چھوڑ کر یک بیک یہاں سے چلا جانا میرے لئے سخت تکلیف کا باعث ہوگا۔ میری بیوی کی صحت کا اس وقت جو حال ہے وہ بڑی احتیاط اور دیکھ بھال کا محتاج ہے، اور میری والدہ خود دائم المرض ہیں۔ ان لوگوں کو یونہی بے سہارا چھوڑ کر میرا یہاں سے چلا جانا سخت دشوار ہے۔ میرا یک بیک یہاں سے چلا جانا میرے اور میرے والد کے تمام منصوبوں کو درہم و برہم کر کے رکھ دے گا اور ہم لوگوں کو بے اندازہ تکلیف اور فکر و تردد کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مگر میں اس سے بھی بے خبر نہیں ہوں کہ حکومت کے اہم معاملات میں کسی ایک شخص کی ذاتی راحت و آسائش کا خیال نہیں رکھا جا سکتا۔

شری ایم۔ ایل۔ اوکس
سپرنٹنڈنٹ پولیس
ہرمی ٹیج لاج، مسوری

آپ کا مخلص
جواہر لعل نہرو

۷۔ بنام جی۔ ایف۔ آڈمس

سوائے ہوٹل، مسوری
۱۵ رمئی ۱۹۲۰ء

پیارے مسٹر آڈمس،

میں نے اس معاملے پر دوبارہ پوری طرح غور کیا۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں گورنمنٹ کی مطلوبہ ضمانت دینے پر اپنے آپ کو آمادہ نہیں پاتا۔ ان حالات میں اگر گورنمنٹ مجھے حکم دے گی تو میں مسوری چھوڑ دوں گا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ ابتداء میں تو میں اس بات پر مائل تھا کہ آپ کی تجویز مان لوں اور گورنمنٹ کے کسی حکم کا انتظار کئے بغیر خود ہی مسوری سے چلا جاؤں مگر جب میں نے مزید غور کیا تو میں نے کوئی ایسا اقدام اپنے لئے درست نہیں پایا۔ بنابریں اب میں ضابطے کے نوٹس کا انتظار کروں گا۔

آپ کا مخلص
جواہر لعل نہرو

جی۔ ایف۔ آڈمس اسکوایر، آئی۔ سی۔ ایس
ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ، موناسٹری، مسوری

۸۔ حکم اخراج

ازبسکہ حکومتِ صوبہ کے خیال میں اس امر کا یقین کر لینے کے معقول اسباب موجود ہیں کہ الہ آباد کے جواہر لعل نہرو ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کر چکے ہیں یا کرنے والے ہیں جو تحفظ امنِ عام کے حق میں مضر ہے، اس لئے لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ اپنے اُن اختیارات سے کام لے کر جو اُن کو قاعدہ ۳، قواعدِ تحفظ ہند ۱۹۱۵ء (کنسولیڈیشن) کی رو سے ملے ہیں ہدایت فرماتے ہیں کہ مذکور الصدر الہ آباد والے جواہر لعل نہرو، ضلع ڈیہرادون (صوبجاتِ متحدہ) کی حدود میں نہ تو داخل ہوں اور نہ ان حدود کے اندر کسی جگہ مستقل سکونت اختیار کریں اور نہ عارضی طور پر قیام کریں۔ اور مذکور الصدر جواہر لعل نہرو کو اِس حکم کے ذریعے آگاہ کیا جاتا ہے کہ اگر انھوں نے اس آرڈر میں دی ہوئی ہدایت کی دانستہ خلاف ورزی کی تو وہ اُس سزا کے مستوجب ہو جائیں گے جو قاعدہ ۵ کی ضمنی دفعہ (۷)، تحفظِ ہند (کنسولیڈیشن) ۱۹۱۵ء کے قواعد میں

تجویز کی گئی ہے۔ اس قاعدے کی ایک نقل اس حکم کے ساتھ منسلک ہے۔

ایم۔ کین

چیف سکریٹری گورنمنٹ صوبجات متحدہ

مورخہ: نینی تال

مئی..... ۱۹۲۰ء

مسٹر جے۔ ایل۔ نہرو آج ہی ضلع دہرادون چھوڑ دیں

بہ حکم سپرنٹنڈنٹ، دون

ایم۔ ایل۔ اوکس

ایس۔ پی۔ دہرادون

۱۶ - ۵ - ۱۹۲۰ء

۹۔ از موتی لعل نہرو بنام سر ہارکرٹ بٹلر

بنارس، ۱۹ رمئی ۱۹۲۰ء

پیارے سر ہارکرٹ،

میں کل اپنے بیٹے سے ملا۔ اور اُس سے مجھے وہ حالات معلوم ہوئے جن میں صوبے کی گورنمنٹ کے حکم کے بہ موجب ضلع دہرادون سے اُس کا اخراج عمل میں آیا ہے۔ اُس نے اپنا زاویۂ نظر یا اپنی پوزیشن اپنے اُس خط میں پورے طور پر واضح کردی تھی جو اُس نے مطلوبہ ضمانت نہ دے سکنے کے بارے میں مسٹر ایم۔ ایل۔ اوکس کو لکھا تھا۔ (نقل خط منسلک ہے)، میرے بیٹے نے اِس سے زیادہ کوئی بات مجھے نہیں بتائی۔

اس حکمِ اخراج کی فوری تعمیل میں اُس کو گھر کی بی بیوں کے لئے کوئی معقول انتظام کئے بغیر دفعتہً مسوری چھوڑ دینا پڑا۔ ان بی بیوں میں سے دو بی بیاں یعنی میری بیوی اور میری بہو بیمار ہیں۔ چوں کہ ان دونوں بیمار بی بیوں کو تبدیلِ آب وہوا کی غرض سے فوراً پہاڑوں پر لے جانا ضروری قرار پاگیا تھا 'شارِول' اور 'سوائے' کو مناسب کمروں کے لئے تار دے دیئے گئے تھے۔ شارِول میں تو کوئی مناسب جگہ حسبِ دل خواہ مل نہ سکی، سوائے نے البتہ ہماری طلب کے

مطابق تو نہیں مگر ہماری طلب سے قریب ترین جگہ کا اس وعدے کے ساتھ بندوبست کر دیا کہ جو کمرے اس وقت حکومتِ ہند نے لے رکھے ہیں جب وہ خالی ہو جائیں گے تب وہ لوگ ہمارے لئے اس سے بہتر جگہ کا انتظام کر دیں گے۔ جو کمرے ہوٹل والے نے ہمیں دیئے ہیں اُن کے لئے ہمیں خاصی بڑی رقم دینی پڑی اور یہ خرچ ہم نے اس لئے برداشت کیا کہ پچھلے تجربوں نے یہ بات ہم لوگوں پر واضح کر دی تھی کہ ان بی بیوں کو اگر خانہ داری کے جھگڑوں سے آزادی اور چھٹکارا میسر آ جائے تو ان کی صحت کچھ بہتر ہو جائے گی۔

میں آغاز سال سے بہ سلسلۂ مقدمۂ ڈمراؤں آرہ میں پھنسا ہوا ہوں۔ ہائی کورٹ میں جواہر لعل اپنے کام کے ساتھ میرے مقدموں کو بھی دیکھ رہے تھے۔ اس سارے کاروبار کو چھوڑ چھاڑ کر ان بی بیوں کے ساتھ پہاڑ کو چلے جانا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔ بڑی خاصی قربانی دینی پڑی۔ جواہر لعل گھر کے مختلف انتظامات میں منہمک تھے کہ پورے کنبے کے سکونِ خاطر کو "حکومت کی مصلحتوں" نے یک بیک خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ جس دن پولیس سپرنٹنڈنٹ پہلی بار جواہر لعل سے ملے ہیں اُسی دن صبح کو جواہر لعل نے اپنی چھوٹی بہن کو اسکول میں داخل کیا تھا اور جب وہ حکمِ اخراج کی تعمیل کے بعد مسوری سے اُتر رہے تھے تب وہ ٹٹو جو اُن کی سواری کے لئے الہ آباد سے بھیجے گئے تھے اُن کو مسوری جاتے ہوئے راہ میں ملے۔

یہ وہ حالات تھے جن میں صوبے کی حکومت کے خیالِ شریف میں یہ آ گیا کہ "اس بات کے یقین کر لینے کے معقول اسباب موجود ہیں کہ جواہر لعل نہرو الہ آبادی ایک ایسا طرزِ عمل اختیار کر چکے ہیں یا کرنے والے ہیں جو تحفظ امن عام کے حق میں مضر ہو گا۔" پولیس سپرنٹنڈنٹ اور جواہر لعل کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ "یہ معقول اسباب و وجوہ" یک قلم نابود ہو جاتے اگر جواہر لعل نے اپنے آپ کو اس حد تک ذلیل کر لیا ہوتا کہ اُنھوں نے "ایک قطعی ضمانت" اس بات کی دے دی ہوتی کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کریں گے جس کے کرنے کا کوئی ارادہ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ مجھے یہ عرض کرنے کی کوئی ضرورت

نہیں ہے کہ ان حالات میں جواہر لعل نے جو کچھ کیا یا جو روش اختیار کی اُس سے مجھے پورا اتفاق ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ کیا اُس کے سوا وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے۔ اُن کے اور میرے سیاسی افکار کسی سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ ہم نے اُن کو صیغۂ راز میں کبھی نہیں رکھا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے یہ سیاسی افکار اُس ٹائپ کے نہیں ہیں جن کو گورنمنٹ پسند کرتی ہے اور ہم ہر اُس زحمت و تکلیف کے برداشت کرنے کو تیار ہیں جو ہمارے ان سیاسی افکار کے سبب بہ طور اُن کے نتائج کے لازمی طور پر ہمیں پہنچے۔ مگر جو اتہام جواہر لعل کے خلاف تراشا گیا ہے وہ ہمارے اُن اصولوں کے قطعاً خلاف ہے جن کو ہم نے اپنایا ہے اور جن کی خاطر ہم تمام مصیبتیں جھیلنے کو تیار ہیں۔ جواہر لعل اگرچہ ابھی کم عمر ہیں مگر پورا ہندوستان اُن کو جانتا ہے اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کوئی شخص بھی، بجز خفیہ پولیس کے لوگوں کے، اِس بات کو باور نہ کرے گا کہ وہ (جواہر لعل)، اُس قسم کی کسی خفیہ سازش کرنے کی صلاحیت بھی اپنے اندر رکھتے ہیں جس کا اُن سے اندیشہ کیا گیا ہے۔ آپ اُن سے خود بھی ایک طویل گفتگو کر چکے ہیں اور انسانی فطرت کا جو وسیع، عمیق اور زنگارنگ علم و تجربہ میری دانست میں آپ کو حاصل ہے اُس کے پیشِ نظر میں آسانی کے ساتھ اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ جواہر لعل جس مٹی سے بنے ہوئے ہیں اس کی نسبت آپ کو کبھی ایک لمحے کے لئے بھی کوئی شک یا شبہہ ہوا ہو۔ اِس بنا پر میرا خیال ہے کہ دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہوئی ہے: یا تو یہ حکم (حکمِ اخراج) کسی غلطی یا غفلت و تسامح کا نتیجہ ہے یا اوپر سے کوئی دباؤ پڑا ہے۔ اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی ہے تو پھر مجھے بڑے دُکھ کے ساتھ بادلِ ناخواستہ یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ آپ کی حکومت کی جو پالیسی اب تک برابر رہی ہے یعنی یہ کہ لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان مت کرو، انھیں اپنے حال پر تنہا چھوڑ دو، یہ پالیسی اب بدل رہی ہے۔

ہم ایک دوسرے کو تیس سال سے زیادہ سے جانتے پہچانتے ہیں۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ میں اپنے قلبی احساسات آپ کے سامنے صفائی کے ساتھ اور بغیر کسی تحفظ کے رکھ دوں۔ میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ کیا

صوبے کی حکومت نے یہ حکم پورے غور و فکر کے بعد جاری کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہی ہوا ہے تو کن بنیادوں پر؟ میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ دفتر کو ہدایت فرمادیں گے کہ وہ یہ اطلاع مجھے فراہم کر دے۔

میں دو ایک روز اور بنارس میں ہوں۔ پھر میرا پتہ یہ ہوگا:

آرہ (صوبۂ بہار)

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

ہز آنر سر ہارکرٹ بٹلر،

لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ

نینی تال

۱۰۔ از سر ہارکرٹ بٹلر بنام موتی لعل نہرو

کیمپ لفٹننٹ گورنر صوبجات متحدہ

الہ آباد، ۲۶ رمئی ۱۹۲۰ء

پیارے مسٹر موتی لعل نہرو،

آپ کا ۱۹ رمئی کا خط الہ آباد میں مجھے ابھی ابھی ملا ہے۔ بغیر کسی تاخیر و توقف کے میں اس کا جواب آپ کو اسی صفائی کے ساتھ لکھ رہا ہوں، جس صفائی کے ساتھ آپ نے مجھے لکھا ہے۔

میرے علم میں حکومت کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ آپ کے صاحبزادے سے جو ضمانت طلب کی گئی تھی اس کے دے دینے میں ان کو تذلیل و اہانت کا پہلو کیوں کر نظر آیا میری سمجھ سے قطعاً باہر ہے۔ اس معاملے میں ظاہر ہے کہ ہم باہم متفق نہیں ہیں۔ مگر آپ یقین کریں کہ مجھ کو اس امر کا سخت افسوس ہے کہ ایک ضابطے کی کارروائی سے آپ کو، آپ کے صاحبزادے کو اور خصوصاً آپ کے گھر کی بی بیوں کو تکلیف پہنچ گئی۔ اس ضابطے کی کارروائی کے قبول کر لینے سے انکار کر دینے کو انھوں نے کانشنس یا ضمیر کا ایک معاملہ بنا لیا۔ مگر میرے خیال میں تو اس کارروائی کو ایک دوسرے زاویۂ نگاہ سے بھی بخوبی دیکھا جا سکتا

تھا اور اس کو تذلیل و اہانت کے بجائے اُن پر اظہارِ اعتماد کا ایک طریقہ سمجھا جا سکتا تھا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط سے آپ کو واقعی کوئی تشفی نہ ہوگی۔ مگر مجھے امید ہے کہ پبلک معاملات میں ہم باہم کوئی رائے بھی رکھیں، ہمارے نجی اور ذاتی دوستانہ تعلقات جو تیس سال سے میرے آپ کے درمیان چلے آرہے ہیں ایسے کسی اختلافِ رائے سے متاثر نہ ہوں گے۔ آپ میری اس بات کو باور کریں۔

آپ کا مخلص

ہارکرٹ بٹلر

آنریبل پنڈت موتی لعل نہرو

آرہ (بہار)

۱۱۔ از موتی لعل نہرو،

(ایک اقتباس پنڈت جی کے اُس خط سے جو انھوں نے تیسری جون ۱۹۲۰ء کو آرہ سے جواہر لعل کو لکھا تھا)

تمھارے حکمِ اخراج کی خلاف ورزی کرنے کے خیال سے مجھے سخت اور قطعی اختلاف ہے۔ اگر ایسا کرنا بالکل ناگزیر ہوتا تو میں یقیناً اس کے نتائج و عواقب کو ہرگز خاطر میں نہ لاتا۔ مگر جیسا کہ کل کے خط میں میں تم کو لکھ چکا ہوں، تمھارا طرزِ عمل اب تک بالکل دُرست رہا ہے اور اتنا دُرست رہا ہے کہ اب اس سے آگے جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لاجپت رائے مجھ سے بالکل متفق ہیں۔ گزشتہ چھ مہینوں میں ہم صرف اپنے ضمیر کی خاطر کافی تکلیفیں اُٹھا چکے ہیں۔ اور اب ہم کسی اشتعال انگیز اقدام سے مزید تکلیف کو دعوت نہ دیں گے۔ نتائج و عواقب، کیا پبلک زاویۂ نگاہ سے اور کیا ذاتی و شخصی نقطۂ نظر سے، اتنے روشن اور واضح ہیں کہ اُن پر بحث کرنے کی بہ مشکل ہی کوئی ضرورت ہے۔ اِس حکمِ اخراج کی خلاف ورزی کے معنی یہ ہوں گے کہ کنبہ پورا منتشر ہو جائے گا اور پبلک، نجی اور پیشہ کا سارا کاروبار درہم و برہم ہو جائے گا۔ ایک قدم دوسرا قدم اُٹھانے پر اور دوسرا قدم تیسرا قدم اٹھانے پر مجبور کرتا چلا جائے گا، اور کوئی ایسی بات پیش آجائے گی جو تمھارے پیچھے پیچھے مجھ کو بھی جیل خانے یا کسی اور ایسی ہی حالت تک پہنچا دے گی۔

میں اس وقت معاملات کو اسی حد تک لاکر چھوڑ دینا پسند کروں گا۔ اب تک تو ہم برابر فتحیاب ہی ہوتے رہے ہیں مگر اب ہمیں زرا ٹھیر کر دیکھنا چاہیے کہ آگے کیا صورتِ حال پیش آتی ہے۔

۱۲۔ از موتی لعل نہرو بنام سر ہار کرٹ بٹلر

کلکتہ، ۸ر جون ۱۹۲۰ء

پیارے سر ہار کرٹ

اُس تاخیر کے لئے مجھے معاف فرمایئے جو آپ کے خط مورخہ ۲۶ر مئی کی رسید بھیجنے میں مجھ سے ہوئی۔ میں بنارس اور الہ آباد میں منعقد ہونے والی میٹنگوں میں شرکت کے ارادے سے آرہ سے روانہ ہو رہا تھا کہ مجھے آپ کا یہ خط ملا۔ مگر آرہ واپس پہنچتے ہی مجھے کلکتے کا سفر پیش آگیا۔

آپ نے جو ہمدردی میرے ساتھ اور میرے گھر کے لوگوں کے ساتھ ظاہر فرمائی ہے اُس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ آپ کی اس یقین دہانی کے لئے بھی میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ پبلک معاملات میں خواہ ہم کتنے ہی مختلف الرائے ہوں ہمارے اس اختلاف کا کوئی اثر ہمارے نجی تعلقات پر نہ پڑے گا۔ مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں آپ سے اس معاملے میں اتفاق نہیں کر سکتا کہ ایک شریف آدمی سے اِس بات کی ضمانت طلب کی جائے کہ وہ ایک اجنبی ملک کے نمائندوں کے ساتھ کوئی خفیہ سازش نہ کرے گا اور پھر اُس سے کہا جائے کہ تم اس ضمانت طلبی کو اپنی حکومت کی طرف سے اپنے اوپر اظہارِ اعتماد کا ایک انداز سمجھو۔

میں نے آپ کو جو خط لکھا تھا اُس سے میرا منشا صرف اتنی بات کا جاننا تھا کہ میرے لڑکے کے خلاف جو کارروائی کی گئی ہے اُس کے لئے کوئی بنیاد بھی ہے؟ اور اگر ہے تو وہ کیا ہے؟ میں نے اپنے اس سوال کے اندر اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنے کی جرأت کی تھی کہ آپ کی حکومت اب تک جس پالیسی پر عمل پیرا رہی ہے یہ کارروائی اُس پالیسی میں کسی تبدیلی کی مظہر یا مستلزم ہے یا نہیں۔

آپ کے خط نے وہ اطلاع بہم نہیں پہنچائی جو مجھے مطلوب تھی۔ پالیسی کے سوال کی نسبت آپ نے فرمایا کہ آپ کو اُس پالیسی میں کسی تغیر و تبدیلی کا کوئی

علم نہیں ہے۔ اس صورت میں اس حکم کے جواز یا عدمِ جواز کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر میرا خیال ہے کہ اب ہماری طرف سے اتنا عرض کر دیا جانا بالکل بجا اور درست ہوگا کہ اس حکم کے بعد ہم اپنے آپ کو کس پوزیشن میں پا رہے ہیں۔

بی بیاں مسوری میں تنہا رہ گئی ہیں۔ خاندان کا کوئی مرد اُن کے ساتھ نہیں ہے۔ اِن بی بیوں میں سے دو کی حالت نہایت نازک ہے۔ اور اس بلا کی گرمی میں جو اس وقت یہاں پڑ رہی ہے اِن بی بیوں کو پہاڑ سے نیچے اُتار لانا قطعاً خارج از بحث ہے۔ اس وقت ان بی بیوں کی دیکھ بھال سول سرجن کر رہے ہیں اور اگر موسم برسات کے آغاز تک حالات درست رہے اور کوئی ناشدنی پیش نہ آئی تو بی بیاں الہ آباد واپس آجائیں گی۔ لیکن اگر اس اثناء میں اِن بیمار بی بیوں میں سے کسی کی حالت میں خدانخواستہ کوئی ایسا تغیّر رونما ہوا کہ جواہر لعل کی موجودگی مسوری میں ضروری قرار پا گئی تو اس صورت میں یہ حکم جواہر لعل کو اپنے فرض کی بجا آوری اور اپنی بیمار والدہ یا بیمار بیوی کے پاس موجود ہونے کی انتہائی سعی و کوشش سے باز نہ رکھ سکے گا۔ وہ حکومت کی مطلوبہ ضمانت دے کر اپنی عزّتِ نفس کو خیر باد نہیں کہہ سکتا۔ بنا بریں اگر کوئی ایسی صورت پیش آگئی جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے تو اِس حالت میں اُس کے لیئے اس کے سوا کوئی دوسری راہ نہ ہوگی کہ وہ حکومت کے اس حکم کو اس طرح نظر انداز کر دے گویا وہ سرے سے موجود ہی نہیں اور اپنا فرض ادا کرے۔ گمانِ غالب تو یہی ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کر کے بھی وہ اسی جگہ رہے گا جہاں وہ پہلے تھا اور اپنی بیمار ماں یا اپنی بیمار بیوی کے پاس پہنچ نہ پائے گا۔ مگر اُس کے قلب و ضمیر کو اس بات سے ضرور تسکین ہوگی کہ اُس نے اپنا فرض بجا لانے کی ہر ممکن کوشش کی اور اپنے فرض کی بجا آوری کی سعی و کوشش ہی اُس کے لیئے سب کچھ ہے۔ اگر اس خلاف ورزیِ حکمِ اخراج کی نوبت آئی تو وہ آپ کو اور دیہرادون کے سپرنٹنڈنٹ کو اپنے ارادے سے اتنا پہلے مطلع کر دے گا کہ حکامِ ضلع اپنے اُس اقدام کا پہلے سے انتظام کر رکھیں جس کا اُن کو مشورہ دیا جائے۔

یہی وہ راہِ عمل ہے جس کے اختیار کرنے پر جواہر لعل نے معاملے کے

ہر پہلو پر گفتگو کر لینے کے بعد مجھ سے اتفاق کیا ہے، اور میرا خیال ہے کہ بہ حالاتِ موجودہ اس راہ کے سوا کوئی اور راہ ممکن بھی نہیں ہے۔ وہ اپنے مقام سے اس حد تک نیچے اس لئے اُتر آئے ہیں کہ سوال تکلیفوں اور مصارف کا تھا۔ ورنہ نہ تو میری یہ خواہش ہے اور نہ مجھے اُن سے اس کی توقع ہے کہ اصول کے سوال پر وہ اپنے مقام سے پیچھے ہٹیں گے۔ حکومت کے اس اقدام سے ہمارے گھر والوں کی مسوری پارٹی کا اس طرح منتشر ہو جانا اگر بیمار بی بیوں کی صحت کے حق میں کسی واقعی خطرے کا موجب نہ بھی ہوا تب بھی اس سے اُن کو سخت اذیت پہنچ جائے گی، اور ہم نے جو بڑی رقم اُن کے علاج معالجے پر اب تک صرف کی ہے وہ یکسر رائگاں جائے گی۔ یہ تمام تکلیفیں ہم جھیل لیں گے مگر ادب و احترام کے ساتھ ہمیں اتنا عرض کرنے دیجئے کہ ہم اُس حکم کا احترام نہ کر سکیں گے جس کو ہم ظالمانہ اور غیر منصفانہ سمجھتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوگا جب ہم یہ دیکھ لیں گے کہ اب اس کے سوا ہمارے لئے کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں رہ گیا ہے۔

الہ آباد میں مجھے آپ کو خط لکھنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اوپر جو کچھ میں نے عرض کیا ہے جس طرح وہ میرے اپنے زاویۂ نگاہ کی صحیح طور پر ترجمانی کرتا ہے ٹھیک اُسی طرح وہ جواہر لعل کے نقطۂ نظر کی بھی کم و کاست آئینہ داری کرتا ہے۔ پھر بھی مزید احتیاط کے طور پر میں یہ خط جواہر لعل کو الہ آباد بھیج رہا ہوں کہ وہ بھی اس کو پڑھ لیں اور اگر وہ بھی مجھ سے متفق ہوں تو وہیں سے یہ خط ڈاک میں چھوڑ دیں۔

میرا اندازہ ہے کہ میں یہاں کچھ گواہوں کے ساتھ کم و بیش ایک ہفتہ اور مصروف رہوں گا۔ اِن گواہوں کی شہادت مقدمۂ آرہ میں کمیشن کے سامنے ہو رہی ہے۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

ہز آنر سر ہارکرٹ بٹلر،

لفٹننٹ گورنر صوبجاتِ متحدہ

۱۳۔ از سر ہارکرٹ بٹلر بنام موتی لعل نہرو
نینی تال، ۱۵ر جون ۱۹۲۰ء

پیارے مسٹر موتی لعل،
آپ کا خط مورخہ ۸ر جون ملا۔ بی بیوں کی صحت سے متعلق آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس کے پیشِ نظر میں نے دیہرادون کے سپرنٹنڈنٹ کو احکامات بھیج دیئے ہیں کہ وہ بی بیوں کی دیکھ بھال کی غرض سے جواہر لعل کے مسوری واپس آنے پر اعتراض نہ کریں۔

آپ کا مخلص
ہارکرٹ بٹلر

آنریبل پنڈت موتی لعل نہرو
الہ آباد

۱۴۔ از موتی لعل نہرو بنام سر ہارکرٹ بٹلر
جون ۱۹۲۰ء

پیارے سر ہارکرٹ
آپ کے پندرھویں جون کے اُس خط کا بہت بہت شکریہ جس کے ذریعے آپ نے مجھے مطلع فرمایا ہے کہ ازراہِ کرم آپ نے وہ حکم واپس لے لیا ہے جو جواہر لعل کو مسوری میں داخل ہونے سے مانع تھا۔ جو واقعات پیش آئے اُن کے پیشِ نظر آپ کا یہ اقدام اپنے وقت کے لحاظ سے ایک لمحہ بھی پیش از وقت وقوع میں نہیں آیا۔ ۱۴ر جون کو میری بیوی سخت علیل ہوگئیں۔ ۱۸ر جون کو سول سرجن نے ڈاکٹر ڈاولر سے مشورے کے بعد میری موجودگی ضروری بتائی۔ خوش قسمتی سے جواہر لعل میرے پاس آرہ ہی میں تھے کہ کرنل بیارڈ کا تار ملا اور ہم دونوں ۱۹ر جون کی صبح کو آرہ سے چل پڑے اور کل یہاں پہنچ گئے۔ ایک پارسی شریف آدمی کی شرافت اور ہمدردی مستحق شکر و سپاس ہے۔ اس بھلے آدمی نے جو اسی ہوٹل میں مقیم ہے اپنے دو کمرے جن کی جائے وقوع ہمارے کمروں کی جائے وقوع سے بہتر ہے ہمارے لئے خالی کر دئے اور مریضہ کے لئے

دو تربیت یافتہ نرسیں بھی فراہم کر دیں۔ اس بھلے آدمی کی شرافت اور ہمدردی کے طفیل مریضہ کی دیکھ بھال بہت معقول ہوئی اگرچہ وہ کمزور بہت ہو گئی ہیں۔ آج ڈاکٹروں میں باہم مشورہ ہو گا جس میں میجر سٹروتھی سمتھ بھی شریک رہیں گے جو ہمارے ساتھ ہی مسوری پہنچے ہیں۔ میں نے اپنے مقدمۂ آرہ کو ایک بڑی نازک منزل میں مجبوراً چھوڑا ہے اور اس لئے جس قدر جلد ممکن ہو گا مجھے واپس جانا پڑے گا۔ مجھے امید ہے کہ جواہر لعل کو یہاں نگرانی کے لئے چھوڑ کر میں کل ہی آرہ واپس جاؤں گا۔

آپ کا مخلص

موتی لعل

۱۵۔ از پنڈت موتی لعل

(ہنٹر کمیٹی وہ کمیٹی تھی جو حکومتِ ہند کی طرف سے پنجاب میں مارشل لا کے نفاذ کے زمانے کے واقعات کی جانچ پڑتال کے لئے مقرر ہوئی تھی)

آرہ، ۲۷ مئی ۱۹۲۰ء

میرے عزیز جواہر

میں نے ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کا اے۔ پی خلاصہ نیز حکومت کی تجویزوں یا قراردادوں کا اے پی خلاصہ بغور پڑھا۔ یہ نہایت حیرت انگیز کاغذات ہیں۔ ہمیں اب دیر ہرگز نہ کرنی چاہیئے۔ تمہاری بار لائبریری پر یک بہ یک جو دورہ راست بازی اور دیانت کا پڑا ہے تم اپنے آپ کو اس سے پریشان یا فکرمند نہ رکھو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے، جب کہ دیر اتنی ہو چکی ہے کہ بار لائبریری کے ممبر اب اس شخص کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے جو اس کے ایسوسی ایشن یا انجمن کا، کم از کم اس وقت ممبر بھی نہیں رہ گیا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کی تازہ خوش قسمتی نے لوگوں کے اندر ایسے جذبات برانگیختہ کر دیئے ہیں جو راست بازی و دیانت داری سے بالکل مختلف ہیں۔ خیر، جو کچھ بھی ہو، گاندھی جی ۲۹ر کی صبح کو پہنچیں گے۔ مالویہ جی بنارس میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ میں نے بی۔ چکربتی اور حسن امام کو تار دے دیا ہے کہ وہ پنجاب میل سے چلیں جو ۲۹ر کی صبح کو آرہ سے گزرے گا اور میں ان کے ساتھ

ہو جاؤں گا۔ اگر تم اپنی دو نشستی کار میں ذرا سویرے ہی چل پڑو تو تم ہمارے استقبال کو بنارس کے اسٹیشن پر موجود ہو گے۔ اہم اور ضروری کام ۲۹ر کو اور ۳۰ کی صبح کو انجام پائے گا۔ میں نے اپنا "حکمِ حاضری" ایک پریس ٹیلیگرام کی شکل میں، ہندوستان کے تمام خاص خاص روزناموں کو بھیجدیا ہے اور تمام ممبروں سے شرکت کی درخواست کی ہے، داس میرے ساتھ ہی چلنے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر وہ میٹنگ میں بہ ہر صورت شرکت کریں گے اگرچہ وقت اُن کے لئے نہایت نامناسب ہے۔ ہم اپنی بحث (case) کل ختم کر رہے ہیں اور وہ اپنی بحث (case) شروع کرنے سے پہلے ایک مختصر سی مہلت مانگ رہے ہیں۔ ہم دونوں نے مخفی طور پر باہم اس پر اتفاق کر لیا ہے۔ یعنی ہم نے باہم سازش کر رکھی ہے کہ وہ مہلت کی درخواست دیں اور میں اُسے قبول کر لوں۔

مناسب یہ ہوگا کہ تم بھی چکرورتی کے بنگلے میں میرے ہی ساتھ ٹھیرو اس لئے کہ وقت کا بیشتر حصہ ہمیں یک جا ہی گزارنا پڑے گا۔ داس، چکر بتّی اور حسن امام یہ سب ہمارے ہی ساتھ نہیں ٹھیر سکتے۔ میں نے مسز گیا نندرا کو لکھ دیا ہے کہ ہم دونوں انھیں کے یہاں ٹھیریں گے اور اگر ہمارے کچھ دوستوں نے ٹھیرنے کی اور کوئی جگہ نہ پائی تو وہ بھی ہمارے ہی کمروں میں آ جائیں گے۔ اتنا ہم نے یہ طور پیش بندی بڑھا دیا ہے۔

مناسب یہ ہوگا کہ تم مقدمۂ سازشِ امرتسر کی پوری فائل ساتھ لاؤ۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ ۱۳ر اپریل کی جلیان والا باغ کی میٹنگ میں جو قرارداد منظور ہوئی وہ اس میں نہیں ہے۔ یہ قرارداد سب کی نظر میں آ چکی ہوگی۔ جو مسل پریوی کاؤنسل کے لئے تیار کی گئی تھی اور جو مجھے مشیر قانونی سے لاہور میں ملی تھی اُسے ڈھونڈھنا۔ اس فائل میں گمانِ غالب یہ ہے کہ ایک پوری فہرست کم از کم اُن تمام کاغذات کی ضرور ہوگی جو اس مسل میں ہیں۔ میں سنتانم کو بھی لکھ رہا ہوں، یہ مسل اُن کے پاس ہو تو وہی لیتے آئیں۔ اگر ہمیں قراردادیں نہ ملیں تو ہمیں جگت نارائن سے مل کر اُن سے کہنا چاہئے کہ وہ ایک پبلک بیان دے دیں۔ یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جسے ایک پرائیویٹ معاملہ کی حیثیت دے دی جائے۔ جب سے

ہیں نے وہ خلاصے پڑھے ہیں جو تم نے مجھے بھیجے ہیں میرا خون کھول رہا ہے۔ ہمیں کانگریس کا اِک خصوصی اجلاس طلب کرنا چاہیئے اور ان بدمعاشوں کے لئے سچ مچ کی ایک جہنم اٹھا کھڑی کر دینی چاہیئے۔

اپنے ساتھ پوری رپورٹ اور جو مراسلات اور روبکاریں تمھارے پاس ہیں سب لے آنا۔ بھول نہ جانا۔

تمھارا محبّت آگیں

باپ

۱۶۔ (پنڈت موتی لعل نہرو کے ایک خط بنام جواہر لعل نہرو، مورخہ ۱۶ر جون ۱۹۲۰ء کا اقتباس)

مجھے امید ہے تم مالو یہ جی سے عام صورتِ حالات پر گفتگو کر چکے ہو۔ مجھے تمھارے خیال سے پورا اتفاق ہے کہ تمھارا اس وقت پنجاب جانا بالکل غیر ضروری ہے۔ وہ لوگ کچھ مقدمے چُن لیں اور اُن شہادتوں کے ساتھ جو دستیاب ہوں قانونی رائے کے لئے ایک بیان ضابطے سے مرتب کریں۔ اسی بیان پر استغاثے بھی تیار کیئے جائیں گے۔ اور تب داس، میں اور سرکار تینوں سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور رائے دیں گے۔

میرا خیال ہے کہ اب مجھے اور مالو یہ جی کو کاؤنسل کے انتخابات کی نسبت کوئی فیصلہ کر لینا چاہیئے۔ میرے نزدیک بہتر یہ ہوگا کہ وہ اسمبلی میں جائیں اور میں خود لوکل کاؤنسل میں۔ ہمیں اب متعلقہ دوائرِ انتخاب کو اس بات کی اطلاع دیدینی چاہیئے۔ مجھ کو اپنے لئے کسی مخصوص دائرۂ انتخاب کی تعیین کا مطلق کوئی خیال نہیں ہے۔ مناسب یہ ہوگا کہ تم مالو یہ جی سے مل کر مجموعی صورتِ حال پر غور کر لو۔ سب سے زیادہ اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ خود تمھارے لئے کوئی دائرۂ انتخاب متعین ہو جائے اس لئے کہ بانکے اور جانباز میجر کی خود اپنے قلعے میں کمزوری کی نسبت تم جو کچھ بھی کہا کرتے ہو اُس کے باوجود میں باور نہیں کرتا کہ وہ واقعی اتنا کمزور ہے۔ اگر ہم کانگریس کے اجلاسِ خصوصی تک یونہی اپنی جگہ پر جمے بیٹھے رہے تو کچھ کرنے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ جہاں تک میں دیکھ پا رہا ہوں کانگریس بہ حیثیت کانگریس

کے اپنے آپ کو ترکِ موالات کا غالباً پابند نہ بنائے گی۔ کانگریس اتنا بڑا ادارہ ہے کہ اُس کو اس تحریک ترکِ موالات کا پابند بنا لینا مشکل ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو وقوع میں آسکتا ہے وہ یہ ہے کہ کانگریس ترکِ موالات کا نفس اصول مان لے گی اور ممبروں کو اپنے اپنے ذاتی رجحانات پر عمل پیرا ہونے کے لئے آزاد کردے گی۔ لیکن اگر ہم کاؤنسل میں ترکِ تعاون کا فیصلہ کرلیں تو ہم جب چاہیں گے کاؤنسل سے باہر آجائیں گے۔"

۱۷۔ از پنڈت موتی لعل نہرو

(پنڈت جی کے ایک خط کا اقتباس جو انھوں نے ۵ جولائی ۱۹۲۰ء کو الہ آباد سے جواہر لعل کو لکھا)

میں کچھ خطوط وغیرہ تمھیں بھیج رہا ہوں جو مجھے یہاں دو دن کے قیام کے اثنا میں ملے۔ میں نے ان تمام خطوط کو پڑھ لیا ہے۔ ان میں فتحپور والا خط سنجیدہ غور و فکر چاہتا ہے۔ کل رات میں نے پرشوتم اور کپیل دیو سے ایک طویل گفتگو کی اوّل الذکر نے موضوعِ سخن پر تمھارے ایک خط کا اِک ٹکڑا پڑھ کر سُنایا۔ جہاں تک تمھارا گاندھی جی کی درخواست پر ان کی پیروی کرنے کا تعلق ہے سو اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ کم و بیش اس قسم کا ایک جذباتی معاملہ ہے جو میری دماغی ساخت سے میل نہیں کھاتا۔ جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ گاندھی جی اپنے پروگرام کے تلخ و ناگوار انجام تک اس پر برابر قائم رہیں گے۔ ہاں اگر ان کو تنہا اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ یقیناً ایسا کر دکھائیں گے۔ مگر معاملہ زیرِ بحث تو اِک ایسا معاملہ ہے جس میں اُن کو دوسروں پر تکیہ و اعتماد کرنا پڑے گا اور یہ دوسرے لوگ کبھی نہ کبھی ضرور گاندھی جی کو میدان میں تنہا چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں کیا جا سکتا۔ مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے اور مجھ کو اس بات کا اعتراف کرلینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ میں خود بھی اب تک کسی واضح نتیجے تک نہیں پہنچ پایا ہوں۔ میری تمام ہمدردیاں اصولِ ترکِ موالات کے لئے ہیں۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ عمل میں اس اصول کو کون سی شکل اختیار کرنی چاہیے۔ بہر حال جیسا کہ اس وقت مشورہ

دیا گیا ہے، جہاں تک پنجاب کا خاص طور پر تعلق ہے مجھے لاجپت رائے سے اتفاق ہے، مگر مجھے گاندھی جی کی اس رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ ہندوستان بھر میں عموماً کاؤنسلوں کا مقاطعہ کیا جائے۔ میرا رجحانِ قلب تو یہ ہے کہ ہم اپنی قوم کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہمارے سوا کسی دوسرے کو منتخب نہ کرے اور ہم کاؤنسلوں میں پہنچ کر یا تو کاؤنسلوں کے اجلاسوں اور میٹنگوں میں سرے سے شریک ہی نہ ہوں یا شریک ہوں تو کاؤنسلوں میں کوئی کام نہ ہونے دیں۔ ہمارے اس طریقِ کار سے اصولِ ترکِ موالات کو قربان کئے بغیر ہماری تحریک اور ہمارے مقاصد کو بے اندازہ تقویت پہنچے گی۔ بہر حال اس وقت تو میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جب تک ہم یہ نہ دیکھ لیں کہ آگے کیا کچھ پیش آتا ہے ہمیں، ہم میں سے کسی کو بھی، کوئی آخری اور قطعی فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔

۱۸۔ از پنڈت موتی لعل نہرو

چسٹ نٹ لاج، الموڑہ

۳ر جون ۱۹۲۱ء

عزیزی جواہر

جو خط تم نے نگینہ سے لکھا تھا وہ آج صبح ملا۔ مجھے امید ہے کہ تمھارا دورہ کامیاب رہا ہوگا۔

میری صحت بہتر ہو رہی ہے مگر بہت آہستہ آہستہ۔ یہاں کا موسم بڑا ناہموار ہے، کبھی کبھی چند دن اور چند راتیں پے بہ پے نہایت گرم گزرتی ہیں۔ اور پھر خاصی سردی پڑنے لگتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ صحت میں کسی نمایاں ترقی کے لئے مجھے پانچ دن اور چاہئیں۔ دمہ میں خاصہ افاقہ ہے مگر ابھی میں چہل قدمی کو نہیں جا سکتا۔ میرے کمرے سے سڑک تک کی مختصر سی چڑھائی بھی میرے لئے بہت ہوتی ہے۔

علی بھائیوں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ مجھے قطعاً پسند نہیں ہے۔ اس مسئلے پر جو خط میں نے گاندھی جی کو لکھا ہے اس کی نقل ملفوف ہے۔ یہ نقل راج نے ٹائپ کی ہے۔ جو کچھ میں محسوس کر رہا ہوں اُس کے نصف حصے کا بھی میں اظہار نہیں کر پایا ہوں اور میرا خط بے ربط سا ہو کر رہ گیا ہے مگر اس سے تم کو یہ اندازہ

ہو گا کہ میرا دماغ کس طرح کام کر رہا ہے۔

تمھارا محبت آگیں

باپ

۱۹۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام مہاتما گاندھی

چسٹ نٹ لاج الموڑہ،

۲ر جون ۱۹۲۱ء

محترم مہاتما جی

میں نے پرسوں آپ کو ایک خط علی بھائیوں کے اُس بیان کی نسبت لکھا ہے جو انھوں نے پریس کو دیا ہے، میں نے یہ خط آپ کو اس بیان کا ایک نہایت ہی مختصر سا خلاصہ یا اختصار پڑھ کر لکھا تھا۔ جو روزنامۂ انڈپنڈنٹ کی ۳۱ر مئی کی اشاعت میں چھپا تھا۔ پورا بیان اور اُس پر مبنی حکومتِ ہند کا اعلانیہ میری نظر سے اب گزرا ہے۔ میں نے وائسرائے کی وہ تقریر بھی پڑھی جو انھوں نے چمسفورڈ کلب میں کی۔ مجھے افسوس ہے کہ ان تحریروں یا دستاویزوں کے مطالعے سے مجھے کوئی سکون و اطمینان میسّر نہیں آیا۔

علی بھائیوں کا یہ بیان بجائے خود اک بڑا خاصا مردانہ بیان ہے اگر اُس کو اُن واقعات سے جو اُس سے پہلے پیش آئے اور جو بعد کو پیش آئے الگ رکھ کر پڑھا جائے۔ اگر وقتی و ہنگامی اشتعال میں اُن کی زبان سے کچھ باتیں ایسی نکل گئی ہیں جو اب اُن کے خیال میں بھی اپنے اندر ترغیبِ تشدّد کا رجحان رکھنے والی بجا طور پر قرار دی جا سکتی ہیں تو ایسی ذومعنی باتوں پر ان بھائیوں نے اظہارِ رنج و افسوس کی جو باعزّت راہ اختیار کی ہے اُس راہ کے سوا اُن کی سی بلند حیثیت کے قومی کارکنوں کے لئے کوئی دوسری راہ تھی بھی نہیں مستقبل کے لئے ان بھائیوں نے جو ضمانت دی ہے میں تو اس ضمانت کو بھی بجا اور درست مان لینے کو تیار ہوتا اگر یہ ضمانت ان صاحبوں نے اپنے اُن ساتھ کام کرنے والوں کو مخاطب کر کے دی ہوتی جو اُن کے برخلاف کسی حال اور کسی صورت میں بھی مسلکِ تشدّد پر اعتقاد نہیں

رکھتے۔ مگر یہ عام الفاظ "عام یقین دہانی اور ضمانت اُن لوگوں کے لئے جو ایسی یقین دہانی اور ضمانت چاہتے ہیں" صاف اور بالکل واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ وہ کون سی جماعت ہے جو ایسی "عام یقین دہانی اور ضمانت" چاہتی ہے اور وہ کون لوگ ہیں جن کے اشاروں پر یہ یقین دہانی اور ضمانت دی گئی ہے۔ یہ بات اتنی روشن اور واضح ہے کہ کسی کے دل میں بھی کسی شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رکھتی۔ وائسرائے کی تقریر نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے اور یہ ناقابلِ تردید واقعہ اب ہمارے سامنے ہے کہ تحریک ترکِ موالات کا رہنما حکومتِ ہند سے ساز باز رکھتا ہے اور اُسی نے علی بھائیوں سے اِک عام درخواستِ معافی اور ضمانت دلوا کر ان پر جو مقدمہ چلنے والا تھا اُسے ملتوی کرا یا ہے۔

اِس معاملے پر اگر اِس نقطۂ نگاہ سے نظر ڈالی جائے (اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ دوسرا کون سا نقطۂ نظر ممکن ہے) تو بحث کے لئے بڑے سنگین سوالات سامنے آجائیں گے جو پوری تحریک پر اثر انداز ہوں گے اور آپ سچ پوچھیں تو مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ پورے اصولِ ترکِ موالات ہی سے ہاتھ اٹھا لیا گیا ہے۔

میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو حکومت کے نام ہی سے ڈرتے یا کتراتے ہیں۔ اور نہ اُن لوگوں میں ہوں جو اپنی شکایتوں کی دادرسی اور اپنے ملک میں اپنی حکومت قائم کرنے کا تنہا اور واحد ذریعہ بالآخر حکومتِ حاضرہ کے ساتھ صلح و مفاہمت ہی کو سمجھتے ہیں۔ میرا عقیدہ اُس اصول پر ہے جو ہمیں برابر بتایا اور سکھایا گیا ہے یعنی اس اصول پر کہ حصولِ سوراج کا انحصار تمام تر خود ہم پر ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ معقول اور واجبی شرطوں کے ماتحت حکومتِ حاضرہ سے کسی صلح و مفاہمت کے امکان کو میں سرے سے خارج از بحث بھی نہیں سمجھتا۔ اور جہاں تک میں نے سمجھا ہے خود آپ بھی یہی خیال رکھتے ہیں۔ اس قسم کی جو صلح و مفاہمت بھی کی جائے گی وہ کسی اصول کے ماتحت کی جائے گی۔ اشخاص و افراد کی سلامتی یا راحت و آسائش کا اس میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ ساتھ کام کرنے والوں کی ایک جماعت میں افرادِ جماعت کے درمیان

کوئی تفریق روا نہیں رکھی جا سکتی۔ کمترین رُتبے کے افرادِ جماعت بھی اپنے رہنماؤں سے اُسی تحفظ کے حق دار ہیں جس تحفظ کا حق جماعت کے بلند ترین رُتبے کے افراد رکھتے ہیں۔ اگر سیکڑوں نہیں تو بیسیوں ساتھی ہمارے ضرور ایسے ہوں گے جو علی بھائیوں کے لہجے سے کہیں زیادہ نرم تر لہجہ اختیار کرنے پر بھی برضا و خوشی جیل گئے ہیں۔ ان بیسیوں افراد میں کم از کم کچھ ضرور ایسے تھے جن سے علی بھائیوں جیسا اک معذرت خواہانہ بیان اور اک ضمانت دلوا کر اُن کو جیل سے بچالیا جا سکتا تھا مگر پھر بھی کسی کو اس بات کا دھیان نہیں آیا اور نہ کسی نے ہمارے اِن جیل جانے والوں کو کوئی ایسا مشورہ دیا۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس اِن غریبوں کے طرزِ عمل کو تمام رہنماؤں اور پورے ترکِ موالاتی پریس نے خراجِ تحسین ادا کیا۔ جو واقعہ اس وقت تمام دوسرے واقعات کی نسبت زیادہ قوت و شدّت کے ساتھ ہمارے ذہن میں آرہا ہے وہ غریب حمید احمد کا واقعہ ہے۔ اس بے چارے کو الٰہ آباد کی اِک عدالت سے عبورِ دریائے شور کی سزا ملی ہے اور اس کی کُل جائداد ضبط کر لی گئی ہے۔ میں اس شخص کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ یہ بڑا بے ضرر سا آدمی ہے اور سمجھ بوجھ بھی بس کچھ یونہی سی رکھتا ہے، اور کوئی اچھا مقرر بھی نہیں ہے۔ اس نے دوسروں کی تقریریں پڑھی اور سُنی تھیں۔ اس نے اپنی اِک تقریر میں انہی تقریروں کی اپنے طور پر نقل اُتاری۔ اس نقل میں اس سے کچھ مبالغہ ضرور ہو گیا۔ مگر میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ارادہ لوگوں کو تشدد کی دعوت دینا نہیں تھا۔ تو اب کیا وجہ ہے کہ اس شخص کو نہ بچالیا جائے؟ مسٹر محمد علی نے اپنے بمبئی کی ۲۱ مئی والی تقریر میں اس غریب کو بڑا شاندار خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ غریب حمید احمد کو اِک ایسے شخص کے خراجِ تحسین سے کیا تسکین ہو گی جس نے خود بھی اُسی کی سی ایک غلطی یا جُرم کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو اک بیان اور اک ضمانت دے کر جیل سے بچالیا؟ اور ایک حمید احمد ہی پر کیا موقوف ہے؟ بہتیرے اور بھی ہیں جو بے گناہ جیل میں پڑے سڑ رہے ہیں۔ اور اِک بہت بڑی تعداد ایسوں کی بھی ہے جو اسی انجام تک پہنچا دیئے جانے کے لئے چُن لئے جا چکے ہیں۔ کیا ہمارے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اپنے

گوشہ ہائے عافیت میں بیٹھے ہوئے اِن لوگوں کو دُعاؤں کی سوغاتیں بھیجتے رہیں؟

وائسرائے نے اپنی تقریر میں یہ بات صاف کر دی ہے کہ اُن سے آپ کی متعدد ملاقاتوں کا اگر کوئی واضح اور متعین نتیجہ سامنے آیا ہے تو وہ علی بھائیوں کی یہ معذرت خواہی اور ضمانت ہے۔ آپ نے بھی اپنی بعد کی تقریروں میں یہ بات واضح فرما دی ہے کہ ہماری یہ مہم یونہی اور اسی قوت کے ساتھ برابر جاری رہے گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اِن ملاقاتوں میں کوئی اصولِ کار باہم طے نہیں پایا اور جو بات واقعی طے پائی اُس پر کسی گفت وشنید کی کسی فریق کو کوئی ضرورت نہیں تھی یعنی یہ کہ لوگوں کو تشدد برتنے کی ترغیب نہ دی جائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بہ حالاتِ موجودہ حکومت کے ساتھ کوئی گفت وشنید ہونی ہی نہیں چاہیے تھی۔ اگرچہ اِس نقطۂ نگاہ کی تائید میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ جب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی تھی کہ ہمیں اس کھیل کو اخیر تک جاری ہی رکھنا پڑے گا تب آپ اور لارڈ ریڈنگ جیسے دو شریف حریفوں کے لئے یہ بات ضروری اور دُرست تھی کہ باہم کچھ ضوابط اِس کھیل سے متعلق طے پا جاتے تاکہ کوئی فریق کھیل میں بے ایمانی نہ کر سکے۔ ان ضوابط کا احترام ہر اُس شخص پر واجب ہوتا جو اس کھیل میں حصّہ لیتا، نہ یہ کہ صرف چند منظورِ نظر کھلاڑیوں ہی پر اُن کی پابندی واجب ہو اور وہی اُن سے مستفید ہو سکیں۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ اُن ذرائع کے بارے میں بھی باہم اتفاق ہو جاتا جو استعمال کئے جائیں گے۔ بعض صوبائی حکومتیں زبان سے تو یہ کہہ رہی ہیں کہ وہ پروپگنڈے کا جواب پروپگنڈے سے دیں گی مگر عملاً وہ بدترین قسم کا جبر و تشدّد کام میں لا رہی ہیں۔ میرے خیال میں ایسے ہی اور بہت سے مسائل ہیں جن پر غور کیا جا سکتا ہے اگرچہ اصل امر تنقیح طلب پر باہم کوئی اتفاق نہ بھی ہو پائے۔

مجھے امید ہے کہ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں گے۔ علی بھائیوں کی قدرشناسی و احترام میں میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں۔ اور اُن کی ذاتی دوستی سے بہرہ اندوز ہونے کو میں ایک بڑی وجۂ امتیاز سمجھتا ہوں۔ مگر اِدھر کچھ دنوں سے جو بات میرے دل میں بُری طرح کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے بہت سے

ساتھیوں کو جیل بھجوانے اور دوسری مصیبتوں میں مبتلا کر دینے کے براہِ راست ذمے دار ہیں، مگر اس کے باوجود عملاً ہم خود اب تک ہر مصیبت اور تکلیف سے محفوظ ہیں مثال کے طور پر اسی ایک واقعہ کو لیجیے: میرا پمفلٹ تقسیم کرنے پر حکومت نے بے گناہ بچّوں کو تو جیل بھیجدیا مگر مجھ کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ مجھ کو اس سے زیادہ تکلیف دینے اور اِک دماغی کرب و بے چینی میں مبتلا کر دینے والی کوئی دوسری سزا حکومت میرے لئے تجویز ہی نہیں کر سکتی تھی۔ میرے خیال میں اب وقت اس کا آگیا ہے کہ تحریک کے رہنما مصیبت و تکلیف کی ہر فرصت کو خوش آمدید کہیں اور اپنے بچاؤ کی ہر تجویز کو پوری قوت کے ساتھ ٹھکرا دیں۔ میں نے اسی زاویۂ خیال سے علی بھائیوں کے طرزِ عمل پر اعتراض کیا ہے ورنہ یوں مجھے ان سے محبت ہے۔

اب میں بالکل تھک گیا ہوں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جلد ہی آپ سے ملاقات ہو سکتی، بہت سی باتیں آپ سے کرنی ہیں۔ آج مجھے یہاں چوتھا دن ہے ان چار دنوں میں میری حالت کچھ بہتر ضرور ہوئی ہے مگر دمے نے ابھی بالکل میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے اور میرا ضعف اتنا بڑھ گیا ہے کہ زندگی میں میں نے اپنے آپ کو اتنا کمزور کبھی محسوس نہیں کیا۔ مجھے اس میں بہت شک ہے کہ ۲۴ ارکی میٹنگ میں شریک ہونے کے لئے بمبئی جا بھی سکوں گا یا نہیں۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

۲۰۔ از مہاتما گاندھی

دسمبر ۱۹۲۱ء میں لوگوں نے پہلے پہل ترکِ موالات میں شریک ہو کر کثرت سے جیل جانا شروع کیا۔ ہزاروں آدمی معمولی قانون شکنی کے جرم میں جیل بھیج دیے گئے۔ ہم میں سے اکثر مع میرے والد کے جیل میں تھے۔ وہیں ہم نے یہ خبر سُنی کہ مہاتما جی نے یک بہ یک اس تحریک کے واپس لے لئے جانے یا بند کر دئے جانے کا حکم دے دیا ہے۔ جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ یہ تھی کہ یو۔ پی کے ضلع گورکھپور کے ایک گاؤں، چورا چوری میں کسانوں کے ایک برافروختہ

مجمع نے ایک پولیس چوکی پر حملہ کر کے اُسے جلا دیا اور جو چند پولیس کانسٹبل وہاں موجود تھے اُن کو قتل کر دیا۔ ہم سب کو جو اس وقت جیلوں میں تھے یہ سُن کر سخت تکلیف ہوئی کہ ایک گاؤں کے کچھ لوگوں کی ایک ناشائستہ حرکت کے سبب اک عظیم الشان تحریک بند کر دی گئی۔ مہاتما جی اُس وقت آزاد تھے یعنی جیل میں نہیں تھے۔ ہم نے ایک سبیل نکال لی اور جیلوں ہی سے ہم نے اپنی اُس گہری اذیت کی اطلاع اُن کو بھجوا دی جو اُن کے اِس اقدام سے ہمیں پہنچی تھی ذیل کا خط گاندھی جی نے اسی موقع پر لکھا تھا۔ یہ خط میری بہن کو جواب وجے لکشمی پنڈت کے نام سے پکاری جاتی ہیں، دے دیا گیا تھا کہ وہ کسی ملاقات کے دوران میں ہمیں پڑھ کر سُنا دیں)

باردولی ۱۹ر فروری ۱۹۲۲ء

عزیزی جواہر لعل،

میں دیکھ رہا ہوں کہ مجلسِ عاملہ کی قرار دادوں سے تم لوگوں کو بڑی شدید اذیت پہنچی ہے۔ مجھے تم لوگوں سے ہمدردی ہے۔ مجھے تو رہ رہ کر والد کا خیال آرہا ہے۔ جو روحانی تکلیف اُن کو ہوئی ہوگی اُس کی تصویر میری آنکھوں میں پھر رہی ہے مگر اب میں یہ بھی محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ خط غیر ضروری ہے اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ پہلے صدمے کے بعد انھوں نے صورتِ حال صحیح طور پر ضرور سمجھ لی ہوگی۔ دیوی داس کی نو عمری کی ناعاقبت اندیشی ہم لوگوں پر مسلّط نہ ہونی چاہیئے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اس بے چارے لڑکے کے پیر قائم نہ رہ سکے اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھا، مگر اس حقیقت سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایک برافروختہ و مشتعل مجمع نے، جو ترکِ موالات سے ہمدردی رکھتا تھا، بڑی بے دردی کے ساتھ کانسٹبلوں کو قتل کر دیا، اور نہ اس بات ہی سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ یہ مجمع ملک کی سیاست سے دلچسپی رکھنے والا یا سیاسی ذہن رکھنے والا ایک مجمع تھا۔ یہ ایک ایسا صریح اور کھُلا ہوا انتباہ تھا کہ اُس سے بے پروا ہو کر گزر جانا ایک مجرمانہ فعل ہوتا

یہ بات مجھے تمھارے کانوں میں ضرور ڈال دینی چاہیئے کہ میں اپنے بوجھ میں

اس اضافے کا متحمل ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ میرے بوجھ کا آخری تنکا تھا۔ جیسا کہ میرے خط کی زبان ہی ہر شخص کو صاف طور پر بتادے گی، وائسرائے کو میں نے یہ خط شک وشبہہ اور بے اعتمادی کے شائبے سے پاک ہو کر نہیں بھیجا۔ مدراس میں جو کچھ کیا گیا اُس سے میں نہایت پریشان ہوا مگر میں نے سُنی اَن سُنی کر دی اور متنبہ کر دینے والی آواز کو دبا دیا۔ پھر مجھے کلکتہ، الہ آباد اور پنجاب سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے خطوط ملے اور گورکھپور والے حادثے کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے ملے۔ ان خطوط میں مجھ کو بتایا گیا کہ غلطیاں یا زیادتیاں تنہا حکومت ہی کی طرف سے نہیں ہوئیں۔ بلکہ ہمارے آدمی بھی جارحانہ، سرکشانہ اور جنگجویانہ روش اختیار کرتے جا رہے ہیں اور بے قابو ہوتے جا رہے ہیں اور اب وہ اپنے طرزِ عمل میں غیر متشدد نہیں رہ گئے ہیں۔ اگر فیروزپور جرکہ کا واقعہ حکومت کے لئے شرمناک ہے تو ہم بھی بالکل بے گناہ نہیں ہیں۔ حکیم جی نے بریلی کے بارے میں شکایت کی اور ججر کی نسبت خود مجھے نہایت تلخ شکایتیں ہیں۔ شاہجہاں پور میں بھی ٹاؤن ہال پر زبردستی قبضہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ قنوج سے بھی خود کانگریس کمیٹی کے سکریٹری نے لکھا ہے کہ رضا کار لڑکے سرکشی پر آمادہ ہیں اور ایک ہائی اسکول پر پیکٹنگ کر رہے ہیں اور سولہ سال سے کم عمر کے بچوں کو بھی اسکول جانے سے روک رہے ہیں۔ گورکھپور میں ۳۶۰۰۰ رضا کار بھرتی کئے گئے تھے مگر ان میں سے ایک سو نے بھی کانگریس کے عہد نامے کی پابندی نہیں کی۔ جمنا لعل جی کہہ رہے ہیں کہ کلکتے میں بدترین قسم کی بدنظمی پھیلی ہوئی ہے۔ رضا کار بدیسی کپڑے استعمال کر رہے ہیں اور عدم تشدد کے عہد کا مطلق پاس نہیں کرتے، گویا انھوں نے اس قسم کا کوئی عہد کیا ہی نہیں ہے۔ ان خبروں پر جنوبی ہند سے آئی ہوئی خبروں کا اضافہ کر لو جو تعداد میں اوّل الذکر سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ تمام خبریں میرے پاس اکٹھا تھیں ہی کہ چوری چورا کے حادثے کی اطلاع آئی۔ یہ اطلاع کیا تھی، ایک پُرقوت دیا سلائی تھی جو بارود کے اِک خزانے پر پڑی اور شعلے بھڑک اُٹھے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر تحریک ملتوی نہ کر دی گئی ہوتی تو ہم کسی غیر متشدد معرکے کی رہنمائی نہ کرتے ہوتے بلکہ اک سرتا سر تشدد آمیز جنگ کی رہبری کرتے ہوئے پائے جاتے۔ یہ قطعاً صحیح ہے کہ عدم تشدد کی اسپرٹ

ملک کے طول و عرض میں روحِ گلاب کی خوشبو کی طرح پھیل رہی ہے مگر تشدد کی بدبو بھی ابھی باقی ہے۔ اس بدبو کو نظر انداز کر دینا یا اُس کو کمزور سمجھنا بے عقلی کی بات ہوگی۔ اِس پسپائی سے ہمارا معاملہ کمزور نہ ہوگا بلکہ قوت پائے گا۔ تحریک غیر شعوری طور پر سیدھی راہ سے ہٹ گئی تھی۔ ہم اپنی لنگر گاہ کو واپس آگئے ہیں اور اب ہم پھر سیدھے آگے کو بڑھ سکتے ہیں۔ اِس وقت میں جس حالت میں ہوں وہ معاملات پر، اُن کے صحیح اور واجبی تناسب کو پیش نظر رکھ کر، رائے دینے اور فیصلہ کرنے کے لئے جتنی سازگار و مساعد ہے اتنی ہی وہ حالت جس میں اس وقت تم ہو اس کام کے لئے ناسازگار و نامساعد ہے۔

میں اپنا ایک تجربہ جنوبی افریقہ کا تمھیں سناؤں۔ جنوبی افریقہ کے جیلوں میں مجھے ہر قسم کی خبریں پہنچا کرتیں۔ پہلی بار جب میں جیل گیا تو دو تین دنوں تک تو یہ چٹپٹی اور مزے دار خبریں پاکر میں بہت خوش ہوا مگر پھر میں نے فوراً ہی سوچا کہ میرا اس غیر قانونی تسکینِ قلب سے دلچسپی لینا بالکل بے سود ہے۔ نہ میں کچھ کر سکتا ہوں اور نہ کوئی پیغام ہی یہاں سے ایسا بھیج سکتا ہوں جو تحریک کے حق میں کچھ سود مند ہو۔ میں تو خواہ مخواہ اپنے قلب و دماغ کو ایذا پہنچایا کرتا اور پریشان رکھا کرتا ہوں۔ میں نے دیکھ لیا کہ جیل میں رہ کر تحریک کی رہنمائی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اب میں اُس وقت کا انتظار کرنے لگا جب میں جیل سے رِہا ہو کر اُن لوگوں سے آزادانہ بات چیت کر سکوں گا جو جیل سے باہر تھے۔ اور جب جیل سے باہر آتا تب بھی، تم یقین کرو، کہ باہر کے معاملات میں میں صرف طالبِ علمانہ دلچسپی لیا کرتا اس لئے کہ میں محسوس کرتا تھا کہ ان معاملات پر رائے زنی کرنا میرے دائرۂ عمل سے باہر ہے۔ اور میں نے دیکھ لیا کہ میرا یہ طرزِ عمل بالکل درست، حق بجانب اور غلطیوں سے پاک تھا۔ مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ جیل میں جو خیالات میرے ہوتے وہ جیل سے باہر آنے اور براہِ راست معلومات حاصل کرنے کے بعد ہر موقع پر فوراً ہی اصلاح پذیر ہو جاتے۔ وجہ اس کی خواہ کچھ ہو مگر یہ اک حقیقت ہے کہ جیل کی فضا کسی معاملے کے تمام پہلو اور تمام گوشے تمھارے ذہن میں نہ رہنے دے گی۔ اس لئے میں تمھارے

لئے یہ پسند کروں گا کہ تم بیرونی دُنیا کو اپنی نظر سے بالکل ہی دور کر دو اور اُس کے وجود ہی کو بھول جاؤ۔

میں جانتا ہوں کہ اپنے آپ کو بیرونی دنیا سے اتنا بے تعلق و بے گانہ رکھنا نہایت دشوار ہے۔ مگر تم چاہو تو اس دشوار کام کو اپنے لئے آسان بھی بنا سکتے ہو اور وہ یوں کہ تم کسی سنجیدہ موضوع کے درس و مطالعہ میں لگ جاؤ اور کوئی محنت طلب سا ہاتھ کا کام بھی اپنے ذمے لے لو۔ اور ہر کام پر مقدم چرخے کو رکھو۔ تم خواہ کوئی کام بھی کرو چرخے سے بیزار مت ہو جانا۔ میں ہوں خواہ تم ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ ہم اپنے کیئے ہوئے بہت سے کاموں کے انجام دینے اور اپنی باور کی ہوئی بہت سی چیزوں پر ایمان و اعتقاد رکھنے پر اس درجہ متاسف اور پشیمان ہوں کہ اپنے آپ سے متنفّر و بیزار ہو جائیں، اور بجا طور پر متنفّر اور بیزار ہو جائیں، مگر مطمئن رہو کہ ہم کوئی خفیف سا خفیف سبب بھی رنج و افسوس کا اس بنیاد پر کبھی نہ پائیں گے کہ ہم نے چرخے پر غیر متزلزل ایمان و اعتقاد رکھا یا اس بنیاد پر کہ ہم نے مادرِ وطن کے لئے اچھا سوت اتنی مقدار میں روزانہ کاتا۔ دا ایڈوِن آرنلڈ کی کتاب، "آسمانی گیت" تمھارے پاس ہوگی میں تم کو مصنّف کا ناقابلِ نقل و تقلید ترجمہ تو حرف بہ حرف نہیں لکھ سکتا مگر اصل سنسکرت عبارت کا ترجمہ یوں ہے: "قوت یا توانائی کبھی رائگاں نہیں جاتی، اس کے لئے فنا نہیں ہے۔ اِس دھرم کا تھوڑا سا حصّہ بھی، اگر اس پر عمل ہو، بہت سی لغزشوں سے بچا سکتا ہے"۔ لفظ "اس دھرم" سے اصل کتاب میں اشارہ "کرم یوگ" کی طرف ہے۔ ہمارے زمانے کا کرم یوگ یہی چرخہ ہے۔ پیارے لعل کی معرفت قلب کو سرد و منجمد کر دینے والی ایک خوراک بھیجنے کے بعد اب زرا ایک ہمّت افزا اور دل خوش کن خط تو مجھے لکھو۔

تمھارا مخلص

ایم۔ کے۔ گاندھی،

میری عزیز سروپ

اگر تم سمجھو کہ مکتوبِ بالا اُن قیدیوں کو جو لکھنؤ میں ہیں کوئی تسلّی دے سکتا ہے

تو اب جب تم جواہر لعل سے ملو تو اسے پڑھ کر انھیں سُنا دینا۔ ورنہ مجھے یہ ضرور بتاؤ کہ معاملات وہاں کیا صورت اختیار کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کوئی دہلی آ رہا ہے۔ رنجیت نے والد کا ایک خط جو تمھارے لئے تھا مجھے بھیجا تھا کہ تم اُسے پڑھ لو۔

تمھارا

باپو

باردولی، ۲۰ر فروری ۱۹۲۲ء

پیارے لعل کی زبانی معلوم ہوا کہ تمھارے نام کے خط غالباً تم کو بہ دیر ملا کرتے ہیں۔ اِس خیال سے میں یہ خط درگا کے ہاتھوں بھیج رہا ہوں۔

۲۱۔ از سروجنی نائیڈو

تاج محل ہوٹل، بمبئی

۱۳ر جون ۱۹۲۳ء

عزیزی جواہر

خوش ہو جاؤ۔ ہم اس طوفان کا مقابلہ بہادرانہ کریں گے اور اس مشورے کو پورا کر دکھائیں گے کہ ہمارا عمل یا کام ایک جنگ ہو اور ہماری صلح ایک فتح۔ میرا خیال ہے کہ بقرعید سے متعلق ایک جامع بڑی مؤتمر یا کانفرنس کی تجویز نہایت معقول ہے، مگر مختلف اسباب کی بنا پر میں اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے الہ آباد کو ناگ پور پر ترجیح دوں گی۔ خیال یہ ہے کہ اسی موقع پر خلافت کمیٹی اور کانگریس کی مجلسِ عاملہ کا ایک مشترکہ جلسہ بھی ہو جائے۔

---

[1] مسز سروجنی نائیڈو کے خطوط کا حل کرنا نہایت دشوار ہے جب ہماری کوششیں ناکام رہیں تو ہمیں ان کی صاحبزادیوں مس پدم جا نائیڈو اور مس لیلامنی نائیڈو سے بعض خطوط کے حل کرنے میں مدد لینی پڑی، اس مقام پر لفظِ "فُل" کے کوئی معنے نہیں بنتے۔ مگر ہم میں سے کوئی اس سے بہتر کوئی دوسرا لفظ تجویز بھی نہ کر سکا۔

ناگ پور کی ستیہ گرہ خوب منظم ہے، جو کمی ہے وہ یہ ہے کہ مقامی باشندے اس میں حصّہ نہیں لے رہے ہیں۔ اس پہلو سے جبل پور کی ستیہ گرہ زیادہ مبنی بر حقیقت ہے اور زیادہ مخلصانہ۔ اور جب میں نے قریب سے معاملات کی جانچ کی تو مجھ پر یہ راز کھُلا کہ جن لوگوں نے اس ستیہ گرہ پر لوگوں کو اُبھارا تھا خود انہی لوگوں نے بری طرح اُس کا ساتھ چھوڑ دیا مگر دوسری طرف ان لوگوں نے اس کی تائید رسمی طور پر یوں کی کہ اس کے لئے پندرہ ہزار کی رقم منظور کرادی!! بہر حال میں نے ان کو صلاح دی ہے کہ ۲۰ تک ٹاؤن ہال سے متعلق ستیہ گرہ کو ختم کردیں۔

اُن پابندیوں کے پیشِ نظر جو ان ستیہ گرہیوں نے اس گمان کے ماتحت اوڑھ لی تھیں کہ وہ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں پرُانی مجلسِ عاملہ کی دعاؤں کے ساتھ کر رہے ہیں اُن کو اس بات کا حکم دینا کہ وہ اپنی تحریک از اوّل تا آخر یک بہ یک فوراً ختم کردیں صریح بے انصافی ہوتی۔ بوڑھے راج گوپال آچاریہ کا طرزِ عمل بڑا ہی حیرت انگیز ہوا کرتا ہے۔ کبھی کبھی تو وہ "اپنے سینے پر صلیب کا نشان بناؤ" قسم کی سچائی، اور راست بازی سے منحرف ہوجایا کرتے ہیں!!

سوراج پارٹی یہاں تقریباً ختم ہوچکی ہے اور میں سُنتی ہوں کہ پاٹل سوراج پارٹی کے امیدواروں کے خلاف کچھ دوسرے اُمیدوار کھڑے کر رہے ہیں! سی۔ آر داس جنوبی ہند میں اپنی تقریروں سے معاملات کو خاصا نازک بنارہے ہیں۔

بہ ہر حال، آؤ ہم سمندر کو اُس وقت تک بلوتے رہیں جب تک کہ ہم اتفاق و اتحاد کا ساکوئی عطیۂ الٰہی سطح تک نہ لاسکیں مگر آؤ پہلے ہم بقرعید سے سلامتی کے ساتھ گزر جائیں اور انشاء اللہ ہم ایسا ہی کریں گے!

محبّت اور پیار
تمھاری محبّت آگیں
بہن سروجنی

۲۲ - از مہادیو ڈیسائی

دیہن براہ سورت
۵ جولائی ۱۹۲۳ء

میرے عزیز ترین جواہر لعل،

میں اُس وقت کا انتظار کر رہا تھا جب تم سے ملاقات میسر آئے گی اور میں تمھارے طویل محبت آگیں خط کا جواب زبانی تم سے جی کھول کر باتیں کر کے دوں گا۔ مگر یہ مقدر نہیں تھا۔ میں آشرم ہی میں تھا کہ میرے والد حرکتِ قلب کے بند ہو جانے سے دوسری جولائی کو یک بیک انتقال فرما گئے۔ بدقسمتی نے ان کی زندگی کی آخری گھڑیوں میں اُن کے پاس رہنے کی تسکین وسعادت سے بھی مجھ کو محروم رکھا۔ تم جس کی قسمت میں ایک بڑا ہی پیارا، تصویرِ صداقت، باپ آیا ہے، میرے رنج وغم کا تصور کر سکتے ہو۔ پچھلے چھے یا سات برسوں میں اُنھی کی عنایت سے جو کچھ میں نے چاہا کیا۔ اُنھی نے مجھ کو گھر کے تمام فکر و تردد سے آزاد رکھا اور ازراہِ کمالِ مہر و محبت جو کچھ بھی کرنے کو میرا جی چاہا مجھے اُس کی اجازت دے دی۔ اگرچہ میں نکمّا اور حقیر ہوں مگر وہ مجھ پر جان دیا کرتے جیسے پنڈت جی تم پر جان دیا کرتے ہیں۔ مجھ کو آج سب سے بڑا قلق اس بات کا ہے کہ میں نے اُن کے لئے کوئی کام ایسا کر کے نہیں دیا جس کو کسی طرح بھی خدمت یا سیوا کہا جا سکے۔ وہ میرے لئے محنت و مشقت کرتے رہے اور میں اُن کی محنت و مشقت کے پھلوں سے لطف اٹھاتا رہا اور کبھی اس کا بدل مجھ سے نہ ہو سکا۔ خدا مجھے کیوں کر معاف کرے گا؟ ان خیالات سے جب مجھے اذیت ہو رہی تھی اور میں بے قرار تھا تب پنڈت جی مجھے یاد آئے اور میں نے قلم اٹھایا اور چند سطریں اُن کی خدمت میں لکھیں۔ یہ خط میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ یہ سمجھیں کہ اُن کی بیماری میں اس خط سے اُن کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی تو جہاں بھی وہ تشریف رکھتے ہوں یہ خط اُن کی خدمت میں بھیج دیں۔

ابھی تو مشکل ہی سے میں سیاست پر دھیان دینے کے قابل ہوں مگر میرا خیال ہے کہ اگر آپ کوئی ایسی قرارداد منظور کرا لیں جس سے ہر صوبے کو

جُدا جُدا عمل کی آزادی مل جائے تو بہت سے جھگڑے ختم ہو جائیں۔ میں نہیں جانتا کہ ناگ پور کے بارے میں آپ کیا کریں گے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے فیصلے پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے۔

بہت سی محبّت اور پیار
آپ کا محبّت آگیں
مہادیو

۲۳۔ بنام مہادیو ڈیسائی[۱]

اگست ۱۹۲۳ء

میرے عزیز مہادیو

یہ عجیب بات ہے کہ جن خطوط کے لکھنے کو جی بہت زیادہ چاہا کرتا ہے اُنھی کے لکھنے میں اکثر تاخیر ہو جاتی ہے۔ وقتی اور اتفاقی رقعے اور ضابطے کے خطوط تو چلے جایا کرتے ہیں مگر جس خط کے لکھنے کا ہمیں بہت زیادہ خیال رہا کرتا ہے وہی بن لکھا رہ جاتا ہے۔ جب سے ناگ پور میں چھٹی یا ساتویں اگست کو مجھے تمھارا غم ناک اور دل سوز نوٹ ملا ہے تب سے تمھارا یہ نوٹ اور تم مجھ کو ہر روز یاد آتے رہو۔ یہ خبر مجھے اُس وقت ملی جب میں ناگ پور پہنچا۔ میں گاڑی سے اُترا ہی تھا کہ رام داس نے مجھے یہ خبر سُنائی۔ تمھارے اس رنج و غم میں حصّہ لینے کے لیے میرا دل گویا تمھارے پاس پہنچ گیا، اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اس جگر دوز حادثے کا کس قدر گہرا اثر تم پر پڑا ہوگا۔ ہم میں سے کچھ لوگ جو بہت سی غلطیاں اور بہت سے گناہ کر چکے ہیں ان کے دل دنیا کی مصائب کے لیے سخت اور کٹھور ہو گئے ہیں۔ مگر تم اپنی پاکی اور معصومیت کے ساتھ ان مصائب کو زیادہ دشوار اور سخت پاؤ گے۔ میں اس حادثۂ جانکاہ پر تمھاری قلبی بے چینی اور تمھاری خود ملامتی کیفیتِ مزاج کو اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ مجھ کو بھی باپ کی محبّت کی گہرائی کا تجربہ کرنے کا پورا پورا موقع ملا ہے۔ اور بارہا میں نے بھی سوچا ہے کہ جس محبّت اور الفت کی بارش یومِ پیدائش سے لے کر اب تک مجھ پر کی جاتی رہی ہے، کسی طریقے پر میں اُس کی کوئی قیمت بھی ادا کر رہا

ہوں یا نہیں؟ یہ سوال بارہا میرے ذہن میں آیا ہے اور اپنی فردِ اعمال دیکھ کر ہر بار مجھ کو شرم سے گردن جھکا لینی پڑی ہے۔ بعض اوقات اس سے زیادہ وسیع سوالات سامنے آ گئے ہیں۔ اور شدتِ کرب والم سے میرا قلب و جگر پارہ پارہ ہو گیا ہے اور میں کچھ سمجھ نہیں پایا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔ میں اُس مشورے کو کبھی نہ بھولوں گا جو باپو نے بہت دن ہوئے ستیہ گرہ سبھا کے موقع پر دیا تھا۔ جب یہ ذہنی و دماغی کشمکش میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو گئی تھی۔ اُن کے شفا بخش کلمات نے میری مشکلیں کم کر دیں اور مجھ کو سکون میسر آیا۔ تم کو وہ دن یاد ہیں جب ہم مارچ ۱۹۱۹ء میں پہلی بار دہلی میں پرنسپل رُدرا کے گھر ملے تھے؟ ہم نے، یعنی باپو نے، تم نے، میں نے اور ننھی ڈاکٹر نے ساتھ ہی الہ آباد کا سفر کیا تھا، اور پھر ایک یا دو دنوں کے بعد تم لکھنؤ یا شاید بنارس چلے گئے۔ بہرصورت ب کے اشارے پر پرتاب گڑھ کے سفر میں میں تمھارے ساتھ ہو لیا اور تب راستے میں ہماری اُن کی باتیں ہوئیں۔ یہ اُن کے ساتھ میری پہلی سنجیدہ قسم کی اور خاصی طویل گفتگو تھی اس کو ابھی چار ہی سال ہوئے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے جیسے اس پر ایک نہایت ہی طویل مدت گزر گئی!

مجھ کو تمھارے والد سے ملنے کا فخر حاصل نہیں ہوا۔ مگر تم نے ہمارے سِوِل وارڈ والے چھوٹے سے باغ میں مجھ سے ان کا ذِکر کیا تھا۔ میں بخوبی تصور کر سکتا ہوں کہ ان کو اپنے بیٹے پر کس قدر فخر و ناز رہا ہوگا اور یہ سوچ کر کہ ان کی محنت و مشقت رائگاں نہیں گئی بلکہ اتنا قیمتی اور عمدہ پھل لائی، کس قدر تسلی و دلجمعی میسر آتی ہوگی۔ تم بے فائدہ و بے ضرورت پریشان و مضطرب ہو۔ خدمتِ خلق کا جو سبق تم نے اپنے والد بزرگوار سے سیکھا اُسے تم نے اپنے عمل سے دُنیا والوں تک پہنچا دیا اور بلا شبہ تم نے اپنی ذاتی و شخصی مثال سے بہتوں کو متاثر کیا۔ تمھارے اس طرزِ عمل سے تمھارے والد کبھی ناخوش نہیں رہ سکتے تھے اور اپنے ملک کی وسیع تر خدمت کے مقابلے میں تمھارے لئے ایک گھریلو اور محدود دائرہ عمل کو ترجیح نہیں دے سکتے تھے۔

میں اِن دنوں کچھ افسردہ اور آزردہ دل سا ہوں۔ ناگ پور میرے لئے

ایک نہایت ہی تلخ تجربہ ثابت ہوا۔ میں تو یہاں اس ارادے سے آیا تھا کہ شہر کے اندرونی حصّوں میں، انسانی بستیوں سے دُور، کچھ دنوں گھومتا پھروں گا۔ مگر والد کی علالت کے لوٹ آنے کے سبب میں اپنا یہ ارادہ پورا نہ کر سکا۔ اپنی عادت کے خلاف میں نے ادھر خود ہی اپنے آپ کو بخار میں مبتلا کر لیا تھا، مگر اب اچھا ہوں۔

جواہر لعل

۲۴۔ از پنڈت موتی لعل

(سنہ ۱۹۲۳ء میں ریاست نابھا کے حکّام نے مجھے یک بہ یک گرفتار کر لیا اور پھر مجھ پر مختلف الزامات لگائے۔ ان الزامات میں ایک الزام سازش کا بھی تھا۔ میرے والد نے جب یہ خبر سنی تو وہ بہت گھبرائے، خصوصاً اس لئے کہ اس زمانے کی بہت سی ہندوستانی ریاستیں ایسی تھیں جو کسی معروف و معلوم یا مسلّم قاعدے قانون کی پابندی نہیں کیا کرتی تھیں۔ والد مجھ سے جیل میں ملنے آئے مگر وہ اس فکر میں تھے کہ مجھ کو جیل سے رہا کرا لے جائیں۔ مجھ کو والد کے اس فکر و تردّد سے تکلیف پہنچی اس لئے کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ حکومت سے کسی رعایت کے طالب ہوں)

۲۸ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ء

عزیزی جے،

مجھے یہ معلوم کر کے تکلیف ہوئی کہ میرا کل تم سے جیل میں ملنا بجائے اس کے کہ تم کو کوئی آرام پہنچاتا تمھاری جیل کی خوشگوار زندگی کی ہموار و پُرسکون فضا کو زیر و زبر کر گیا۔ میں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میرا تم سے جیل میں بار بار ملنا نہ تمھارے حق میں کچھ مفید ہوگا اور نہ میرے حق میں۔ میں تمھاری گرفتاری کے بعد سے اب تک جو کچھ کر چکا ہوں اُس سے میرا ضمیر مطمئن ہے، نہ خدا ئے برحق سے شرمندہ ہوں اور نہ انسان سے، مگر چونکہ تمھارے سوچنے کا انداز مختلف ہے، اس لئے دو متناقص و متضاد چیزوں کو باہم ملانے کی کوشش بے سود ہے۔

میں کپیل کے ہاتھوں کچھ یادداشتیں جن کو میں نے عجلت میں بہ اختصار

لکھ لیا تھا بھیج رہا ہوں۔ ان یادداشتوں میں کوئی نئی بات تو نہیں ہے مگر تھوڑا بہت جو اس وقت میں کرسکتا ہوں اسے کرگزرنے کو میں اپنا فرض جانتا ہوں اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میری موجودہ دماغی کیفیت کے پیشِ نظر وہ کوئی بڑی چیز نہ ہوگا۔ میں اب اُن خبروں پر قناعت کروں گا جو کپیل وہاں سے لاسکیں گے۔ اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کیا کروں، میں یہاں دو چار روز اور ٹھیر کر انتظار کروں گا۔ تم میرے لئے مطلق فکرمند نہ ہو۔ میں جیل سے باہر اُتنا ہی خوش ہوں جتنا تم جیل میں خوش ہو۔

تمہارا محبت آگیں

باپ

ازراہِ کرم تم یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ خط میں نے تم کو غصّے میں یا رنجیدہ ہوکر لکھا ہے۔ میں نے رات بھر کے غور و فکر کے بعد حتیّ المقدور صورتِ حال کا ایک پُرسکون اور علمی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ میری یہ دِلی خواہش ہے کہ تم یہ ہرگز ہرگز نہ سوچو کہ تم نے مجھ کو آزردہ کردیا ہے اس لئے کہ پوری دیانت داری کے ساتھ مجھ کو اس امر کا یقین ہے کہ کچھ ایسے حالات نے یہ صورتِ حال ہم دونوں پر زبردستی لاڈالی ہے جن پر نہ تمھیں کوئی اختیار حاصل ہے اور نہ مجھے۔

ایم۔ این

۲۵۔ از لالہ لاجپت رائے

تلک مدرسۂ سیاسیات، لاہور

۱۹ر نومبر ۱۹۲۳ء

میرے عزیز جواہر لال،

تمہارا خط ملا۔ میں نے تارک ناتھ داس کا خط پڑھ لیا ہے۔ اور تمھیں واپس بھیج رہا ہوں۔ اُن کی بعض تجویزیں اچھی ہیں اور اس لائق ہیں کہ رہنمایانِ کانگریس اُن پر غور کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ کوکاناڈا میں یا اُس سے پہلے ہی اُن پر غور کرنے کا کوئی موقع نکل آئے گا۔ اکالی دفاعی کمیٹی سے متعلق تمھارے والد نے اکالی لیڈروں سے کیا طے کیا اس کے متعلق اکالی لیڈروں نے اب تک مجھ کو

کچھ نہیں لکھا ہے، اور میں نہیں چاہتا کہ اُن کی باتیں سُنے بغیر اس معاملے میں میں کوئی قدم اُٹھاؤں۔ میں اس وقت اپنے اندر کافی توانائی نہیں پا رہا ہوں اور اس لیے میں چند دنوں کے لیے یک بہ یک روپوش ہو جانا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارا مجوزہ پروگرام نوٹ کر لیا ہے اور مجھے اُس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم اپنی صحت کا خیال رکھو گے مگر یہ پند و نصیحت اس شخص کی زبان سے کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتی جو خود اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتا۔

تمہارا مخلص

لاجپت رائے

۲۶۔ از ایم۔ محمد علی،

(مولانا محمد علی اُن دو مشہور علی بھائیوں میں سے ایک تھے جو ہندوستان کی تحریکِ خلافت کے راہنما تھے اور جنہوں نے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک قومی تحریک اور تحریک ترکِ موالات میں بڑا نمایاں حصّہ لیا۔ بڑے بھائی مولانا شوکت علی تھے جن کا ایک خط آگے آئے گا۔ مولانا شوکت علی بڑے لحیم و شحیم آدمی تھے، قد کے لانبے، جسیم اور بھاری، وہ عام طور پر بڑے بھائی کے نام سے مشہور تھے۔)

فیری وِلا، بھوالی، یو۔پی

(تاریخ ندارد؟ ۱۹۲۳ء)

عزیزی جواہر

میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے اپنے صوبے کی پہلی سیاسی کانفرنس میں جو میری رہائی کے بعد پہلی بار منعقد ہو رہی ہے شریک نہ ہو سکنے کا کس قدر افسوس ہے مگر میرے غیر رسمی سے تار کے بعد مجھے اعتماد ہے کہ تم مطمئن ہو گئے ہو گے کہ اگر یہ کسی طرح بھی میرے لیے ممکن ہوتا تو میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوتا۔ دہلی سے واپسی کے بعد میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی، اور بخار نے جس کی گرفت میں مجھے کئی دن گزارنے پڑے مجھے مجبور کر دیا کہ میں الموڑہ جانے کا ارادہ جہاں مجھے پہلی اکتوبر کو جانا تھا، ترک کر دوں۔ میں بسترِ مرگ سے اُٹھا ہی تھا کہ الموڑہ

کی ایک مضبوط فوجی کمک نے مجھے ترکِ موالات کے اس قلعے میں لاکر ڈال دیا اور مجھے اپنے پرانے دوست سر ولیم "مالیس" (مارس) کے پیچھے بالکل دیوی نیمیسس کی طرح چلنا پڑا۔

جب میں دہلی میں تھا اور یہاں کا موسم خشک اور تابناک تھا، تب میری لڑکی کا ٹمپریچر خاصا نمایاں اور محسوس طور پر گھٹ گیا تھا، یعنی سہ پہر میں اوسطاً °۱۰۰ اور شام کے وقت اوسطاً °۱۰۱ رہنے لگا تھا مگر میری واپسی سے کچھ ہی دنوں پہلے کی بات ہے کہ موسم پھر مرطوب ہونا شروع ہوا اور نتیجہ یہ ہوا کہ دس یا بارہ دنوں میں ٹمپریچر پھر بہ تدریج °۱۰۲ تک پہنچ گیا۔ مگر پانچویں تاریخ سے آمنہ کی صحت پھر بہتر ہونے لگی اور اب سہ پہر میں اس کا ٹمپریچر °۱۰۰ اور شام کے وقت °۱۰۱٫۴ رہا کرتا ہے۔ واقعتہً مجھ کو توقع ہے کہ وہ ماہ اکتوبر میں بہت بہتر ہو گی۔ میں یہ پورا مہینہ اُسی کے پاس گزارنا چاہتا ہوں تاکہ محتاط تیمارداری کے ساتھ اس موسم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ بہ قول انگریزی مثل کے؛ جب سورج چمک رہا ہو گھاس کو الٹ پلٹ کر سکھا لینا چاہیے۔ مگر شوکت کی رہائی، جواب کسی دن بھی ہو سکتی ہے، مجھے برابر متحرک رکھے گی اور اب میں بمبئی پریسیڈنسی کے لئے پابہ رکاب ہوں۔ اگر شوکت اپنی میعاد پوری ہی کر کے رہا ہوئے یعنی ۳۱ر اکتوبر کو، تو ۷ر نومبر سے پہلے میں بھوالی واپس آنے کی امید نہیں رکھ سکتا۔ اس خیال سے فطری طور پر آمنہ مجھے سفر کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ بڑی مشکلوں سے وہ سترھویں اور اٹھارھویں کے لئے مجھے جالندھر جانے دینے پر راضی ہوئی ہے۔ اس غرض سے میں بھوالی سے ۱۵ر کو چلنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر چونکہ مولانا عبدالباری (جنھوں نے ازراہِ شفقت و محبت میرے لکھنؤ نہ حاضر ہو سکنے کو معاف کر دیا تھا اور خود ہی بھوالی تشریف لانے کا ارادہ رکھتے تھے) دوبار آمادۂ سفر ہوئے اور دونوں بار وہ روک لئے گئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں لکھنؤ ہوتا ہوا جالندھر جاؤں۔ اس خیال سے میں نے یہ انتظام کیا ہے کہ ۱۴ر کو میں بھوالی سے لکھنؤ جاؤں اور ۱۶ر کو وہاں سے جالندھر کو چل پڑوں۔ تم پنجاب میل سے چل کر ۱۶ر کو ضرور میرے ہمراہ ہو جاؤ۔ ہمیں بہت سی باتیں کرنا ہیں اور بہت سے

فیصلے کرتے ہیں۔

از راہِ کرم اپنی کانفرنس کو میری ناگزیر غیر حاضری پر میرا شدید رنج و تاسف پہنچادو۔ یقین کرو کہ اگر میں آسکتا تو ہرگز ہرگز پیچھے نہ رہ جاتا۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ تمھاری یہ کانفرنس "صوبجات متحدہ" کے نام سے "صوبجات غیر متحدہ" ہونے کا داغ مٹادے گی۔ اب خود کاشی کے مقدس سرزمین سے پراونشیل کانگریس اسمبلی کو ایک وسیع تر اور محکم و استوار تر سنگھٹن کا پیغام ملک کو دینا چاہیئے۔ یعنی نیشنل کانگریس کے سنگھٹن کا پیغام جس کا مطمحِ نظر اُس مظلوم، مقہور اور مصیبت کی ماری ہوئی انسانیت کا اتحاد ہو جو مغرب کے ظلم و جور کے ہاتھوں ناقابلِ بیان اذیتیں اور ذلتیں جھیل رہی ہے۔ اس کانفرنس سے ہم سب کو شدھ اور صحیح معنوں میں پاک ہو کر نکلنا چاہیئے، اس طرح شدھ اور پاک ہو کر کہ ہمارے اندر ناروا داری، تعصب اور تنگ نظری نام کو بھی باقی نہ رہ جائے تاکہ ہم مادرِ وطن کو شدید ترین قسم کی کچل کر اور توڑ مروڑ کر رکھ دینے والی غلامی سے آزاد کرا سکیں۔ اُس غلامی سے جس نے تنہا ہمارے جسموں ہی کو غلام نہیں بنا رکھا ہے بلکہ ہماری روحوں کو بھی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔ خدائے برحق تمہاری کوششوں کو کامیابی کا تاج عطا کرے اور اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو تازہ جرأت اور فتحیاب ہونے کا عزم و ارادہ مرحمت فرمائے۔ اگر عہدِ قدیم کی روحانیت کا کوئی جزو بھی کاشی میں باقی رہ گیا ہے تو آؤ ہم اپنے عظیم قائد و راہنما گاندھی جی کا کام از سرِ نو شروع کریں اور پورے مذہبی جوش کے ساتھ تمام دنیوی اغراض سے بلند و بے تعلق ہو کر شروع کریں۔ ہندوستان کی نجات، شرق کی نجات اور سچ پوچھو تو پوری انسانیت کی نجات کا راز اسی راہ پر چلنے میں مضمر ہے۔

سب کے لئے پیار اور محبت اور تمھارے لئے بوسہ ہائے اخلاص

تمھارا محبت آگیں

محمد علی

۲۷- از مولانا محمد علی

بھوالی - یو - پی،
۷ر نومبر ۱۹۲۳ء

عزیزی جواہر،

تمھارے پہلی تاریخ کے خط کا بہت بہت شکریہ - ہم نے جالندھر، امرتسر اور خصوصاً لاہور میں جہاں کے "لیڈر حضرات" مایوس کُن حد تک تنگ نظر واقع ہوئے ہیں، تمھاری غیر موجودگی سچ مچ بہت محسوس کی - غور کرو، وہ تارکینِ موالات جو وکیلوں اور بیرسٹروں سے اصرار کر رہے تھے کہ وہ اپنا پیشۂ وکالت چھوڑ دیں آج وہ ایک موالاتی وزیر سے جو ایک مسلمان ہے اس بات پر جھگڑ رہے ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں فی صد کتنی ملازمتیں مسلمانوں کو ملنی چاہئیں اور کتنی ہندوؤں کو! اِن لاہوری لیڈروں پر مجھے گاندھی ازم کا کہیں اثر نہیں ملا، سنتانم اور گنتی کے کچھ اور لوگ ایسے ضرور ملے جن پر گاندھی اِزم کا تھوڑا بہت اثر ہے مگر اِن لیڈروں کی اکثریت پر اِس فلسفے کا کوئی اثر نہیں ہے - یہ وہی پنجاب ہے جس کی رسوائی نے پورے ہندوستان کو بیدار کر دیا! سچ پوچھو تو یہ پنجاب میرے لئے ہمیشہ ایک معمّا رہا ہے. کس قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ وہ لوگ جو بعض موقعوں پر اتنے بہادر ہوتے ہیں، جو برطانوی ہندوستانی فوجوں کا جزوِ غالب ہیں اور جو بہت جلد برافروختہ ہو جایا کرتے ہیں، وہی لوگ اپنی وہ کھُلی کھُلی ذلتیں اور رسوائیاں جو انھیں برطانوی راج کے ہاتھوں اٹھانی پڑیں اتنی جلدی بھول جائیں اور اپنے بدیسی، غاصب و جابر فرماں رواؤں کا جبر و ظلم برداشت کرتے رہنے پر تو راضی و قانع رہیں مگر چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں کے لئے باہم دست و گریباں رہنے سے باز نہ آئیں، یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آتی - ہم لوگوں نے وینکٹاپیا پر زور ڈال کر اُن سے یہ بات منوالی ہے کہ آئندہ مجلسِ عاملہ کا اجلاس امرتسر میں سکھوں کے مسئلے پر غور کرنے کی غرض سے منعقد کیا جائے - اس اجلاس میں ہم پنجاب اور یو - پی کے فرقہ وارانہ اختلافات پر بھی غور کریں گے - اِس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ اِس موقعے پر تمھاری موجودگی نہایت ضروری ہے - اگر تم پھر بیمار پڑ گئے

تو میں تم کو کبھی معاف نہ کروں گا، اپنی صحت بحال رکھو اور امرتسر میں ایک مناسب فیصلے تک پہنچنے میں ہمارا ہاتھ بٹاؤ۔ میں لکھنؤ میل سے ۱۲ر کو امرتسر پہنچ جاؤں گا۔

الٰہ آباد میں ریڈنگ کے استقبال کی حقیقت سے اگر تم نے مجھ کو مطلع نہ کیا ہوتا تو میں تو "لیڈر" کے پُر جوش و تابناک بیانات پڑھ کر اس شبہے میں پڑ جاتا کہ الٰہ آباد تمہارا، تمہارے والد کا اور اُن نصب العینوں کا وفادار نہیں ثابت ہوا جو تم نے اس کے سامنے رکھے تھے۔ مگر ہم "لیڈر" کو بھی خوب جانتے ہیں! اس کے بمبئی کے نامہ نگار نے کمالِ بے حیائی کے ساتھ یہ اعلان فرما دیا تھا کہ میرے بمبئی پہنچنے پر زیادہ سے زیادہ پچاس آدمیوں نے اسٹیشن پر میرا استقبال کیا۔ وہ تو کہئے کہ ہر جگہ موجود رہنے والے فوٹوگرافر اور سینما کے آدمی بھی اسٹیشن پر موجود تھے اور اُن کی لی ہوئی ایک تصویر بمبئی کرانیکل کے سنڈے ایڈیشن نے شائع کر دی۔ اس تصویر میں دو ہزار سے لے کر تین ہزار اشخاص تک شاید تم شمار کر لوگے۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جو گاڑی میرے لئے اور والدہ کے لئے آئی تھی اُس گاڑی تک میں بڑی مشکلوں سے پہنچ پایا، اتنی بھیڑ تھی۔ خیر، "لیڈر" اور اس "جھول" کے دوسرے پرچوں کو ہم جانتے ہیں۔

پیامِ محبت اندو کے لئے، مسز جے کے لئے، "سروپ آپا" اور والدہ کے لئے،

تمہارا محبت آگیں

محمد علی

۲۸۔ از مولانا شوکت علی

سلطان مینشن، ڈونگری، بمبئی

۲۹ر نومبر ۱۹۲۳ء

میرا ایک ہیرے کا بھائی،

یہ چند سطریں ہیں میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی۔ تمہارا "بڑا بھائی"، ایسے چوٹوں اور قصائیوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا تھا جو اُس کے "موٹے موٹے گوشت کے ٹکڑوں" کے بڑے شوقین دکھائی دے رہے تھے۔ میرے جسم پر ایک کھلا ہوا زخم ہے جس نے

مجھ کو بہت بے چین رکھا۔ آرام اور سکون کا تو ذکر ہی مت کرو، اس وقت ہم لوگوں کی قسمت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ ہمیں آرام یا سکون مل سکے۔ اول تو ہم اپنے یارانِ باصفا سے ملنے سے انکار نہیں کر سکتے، دوسرے مجھے بہت سا کام بطریق کار و بار انجام دینا تھا۔ علاوہ ازیں خود میرا دماغ بہت مصروف تھا۔ بہر حال اب میں کسی قدر اچھا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ چوتھی تک تمھارے پاس الہ آباد پہنچ جاؤں گا۔ مگر میرا الہ آباد آنا اس وقت سپاس ناموں کے اعزاز کے لئے نہ ہوگا اگرچہ میں ان اعزازی سپاس ناموں کی پوری طرح قدر کرتا ہوں، اور نہ اپنے کارکنوں سے ملنے اور دل کھول کر باتیں کرنے کی غرض سے ہوگا۔ بلکہ میری اس آمد کی اصل غرض تم سے ایک اور پُر سکون گفتگو ہے۔ میں پہلے سے زیادہ اب اس بات پر ایمان رکھتا ہوں کہ ملک کو ایک صاف، آگے لے جانے والی بہادرانہ پالیسی کی ضرورت ہے اور ہم انشاء اللہ سوراج حاصل کر کے رہیں گے اور ہمارا عزیز قائد و رہبر اس سوراج میں بھی ہمارا رہبر و راہ نما ہوگا، ورنہ ہم لاکھوں کی تعداد میں اُس سے جیل ہی میں جا ملیں گے اور جیل ہی میں اپنی کانفرنسیں کریں گے۔ میں ارزاں سی شہادت کا آرزو مند یا شوقین نہیں ہوں، میں جیل کی زندگی پر جیل سے باہر رہنے کو ترجیح دیتا ہوں، مگر میں جیل سے باہر کچھ کام کرنے کے لئے رہنا چاہتا ہوں، وقت گزاری یا اِدھر اُدھر بے مقصد و بے غایت سرگشتی کے لئے نہیں۔ باقی باتیں عند الملاقات۔ میرا سلام والدہ کی خدمت میں، کملا بہن کو، سروپ بہن کو، ننھی اندو کو اور پورے نہرو قبیلے کو بہ شمول اوما۔

محبت کے ساتھ

تمھارا محبت آگیں

شوکت علی

۲۹۔ از مولانا محمد علی،

(مولانا محمد علی اس زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر تھے اور میں اس کا ایک جنرل سکریٹری)

نیشنل مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
۱۵ جنوری ۱۹۲۴ء

نجی

عزیزی جواہر،

تمہارا خط مجھے ابھی ابھی ملا ہے۔ میں تمہارے اس بے محل انکسار پر ایک بار پھر "نہایت غصہ اور طیش کے ساتھ" احتجاج کروں گا اور ضرور کروں گا۔

پیارے جواہر، جانتے ہو مجلسِ عاملہ میں میں تمہاری موجودگی سکریٹری کی حیثیت سے کیوں پسند کرتا ہوں؟ صرف اس لئے پسند کرتا ہوں کہ مجلس کے بعض ارکان سکریٹری کی حیثیت سے تمہاری موجودگی کو بے اعتمادی اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ یہ حضرات خود مجھ پر اعتماد رکھتے اور مجلسِ عاملہ میں بہ حیثیت صدر خود میری موجودگی کو پسند کرتے ہیں؟ میرے یہ دوست مجھ سے کیا کرانا چاہتے ہیں اس بات کا علم تو مجھے دہلی میں ہوا اور مجھ کو سخت تکلیف ہوئی۔ یہ حضرات میری قیادت بڑے ہی خوشامدانہ اور دل خوش کن لفظوں میں تسلیم کیا کرتے ہیں مگر حقیقت میں چاہا یہ کرتے ہیں کہ میں اُن کی قیادت نہ کروں بلکہ وہ خود میری قیادت و رہبری فرمایا کریں۔ جب کبھی میں نے اُن کے سامنے کوئی تجویز رہبرانہ قسم کی رکھی ہے تب یہ لوگ کترا کر نکل گئے ہیں۔ صدر کی حیثیت سے میری جو ذمہ داریاں ہیں میں اُن کو اٹھا کر طاق پر تو نہیں رکھ سکتا، اور یہ جو میں اپنے آپ کو مجبور پا رہا ہوں کہ پارٹی بازی کی تنگ نظری سے بچنے کی غرض سے تمہاری، کچلو کی، دیشں پانڈے کی اور بعض دوسرے ارکانِ مجلسِ عاملہ کی پناہ ڈھونڈھوں سو میری یہ پناہ گزینی ٹھیک ٹھیک "حیوانات کو بے رحمی سے بچانے" کی قسم کی ایک چیز ہے۔

یقیناً ہماری مجلسِ عاملہ کوئی بڑی متحد الخیال مجلس نہیں ہے اور اس سے کوئی بات آسانی کے ساتھ نہیں منوائی جا سکتی۔ مگر یہ "کام کرے گی" اور یہ کام خصوصاً تم جیسے لوگوں کے بل بوتے پر ہوگا جن کی حق پژوہی اور غیر جانب داری پر اعتماد کرنا تجربے نے مجھے سکھا دیا ہے۔ ہمارا یہ آرکسٹرا اس فارسی مثل ہی کے مطابق کام کرے گا: من چہ سرایم و تنبورہ من چہ سراید" میں کون سا راگ الاپ رہا ہوں اور میرا تنبورہ کون سا سُر بجا رہا ہے"! مگر اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور میں تمہارے کہے بغیر اس بات کو جانتا ہوں کہ تم پچھلی حماقتوں پر آنسو بہانے کے قائل نہیں ہو۔ تو اب جی بُرا مت کرو، خوش رہو اور آؤ کام شروع کیا جائے" کیا ہم بدل ہو چکے ہیں؟"

ہرگز نہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا دفتر ابھی نہیں آسکا ہے۔ اُن کو تار دو کہ رختِ سفر باندھیں اور روانہ ہو جائیں۔ میرا خیال ہے کہ میری چھٹیاں بھی ختم ہو چکیں اور مجھے تمام صوبوں سے خط و کتابت شروع کر دینی چاہیئے، نیز اپنی کمیٹی کے ممبروں سے فرداً فرداً۔ میرے پاس کوئی اچھا مختصر نویس ٹائپسٹ نہیں ہے، جو میرے پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرے۔ اِس حالت میں تمھیں یہ کرنا پڑے گا کہ سکریٹریٹ کے کلرکوں میں سے ایک کلرک، جس کو تم سب سے بہتر سمجھو، میرے پاس بھیج دو۔ اس ترکیب سے مجھکو اس بات کا موقع مل جائے گا کہ اگر وہ کام کا آدمی نہ نکلا اور ہم اُس کی تنخواہ پر روپیہ صرف برباد ہی کرتے نظر آئے تو میں اسے نکال باہر کروں گا۔ میرے لئے ایک واقعی اچھے اسٹینوگرافر کی تلاش میں بھی رہو۔

درخواستوں سے متعلق مجھے موقع دو کہ سیکڑوں درخواستوں میں سے جو چند تم نے چُنی ہیں اُن میں سے کچھ درخواستوں پر ایک نظر میں بھی ڈال لوں۔ ضروری ہے کہ ہم اپنا معیار اونچا رکھیں۔ اس لئے کہ نالائقوں کی ایک پوری فوج کے مقابلے میں چند ہوشیار اور لائق آدمی بہتر ثابت ہوا کرتے ہیں۔ میں شیروانی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ انڈر سکریٹری شپ کی جگہوں میں سے کوئی ایک جگہ قبول کر لیں، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ جگہ نہ ہوگی جس کی تمھیں سخت ضرورت ہے یعنی اس شخص کی جگہ جو کانگریس کے روزمرّہ کے جملہ فرائض اپنے ذمّے لے لے۔ شیروانی کانگریس کے صیغۂ ممبر شپ کے چارج کے لئے اچھا آدمی ثابت ہوگا اس لئے کہ وہ تمام صوبوں کو اپنی اپنی ممبر شپ بڑھانے کے لئے برابر لکھتے رہنے اور تاکید کرتے رہنے کے سوا وقتاً فوقتاً تمام صوبائی مرکزوں میں پہنچ کر یہ بھی دیکھ سکتا ہے کہ صوبے اس کام سے غافل نہیں ہیں۔

میں جانتا ہوں تم ایسے آدمی چاہتے ہو جو بہت زیادہ حرکت میں نہ رہیں بلکہ ایک جگہ جم کر کام کریں۔ مگر ہمارے یہاں کچھ ایسے صیغے بھی ہیں جہاں انڈر سکریٹری کو مرکز کے انسپکٹر جنرل یا کمشنر کی صورت سے کام کرنا اور سُست رَو اور کاہل صوبوں کو کھڑکھڑاتے رہنا پڑے گا۔

تم نے اپنے صوبے کے دیوالیہ ہونے کی جو شکایت کی ہے سو تقریباً یہی حال تمام دوسرے صوبوں کا بھی ہو گا۔ ممبر شپ فیس خواہ کم ہی آئے مگر کچھ تو آنی چاہئیے اس لئے ضروری ہے کہ ہم تیزی کے ساتھ ممبروں کی تعداد بڑھائیں اور صوبوں کو اس کے لئے برابر لکھتے اور تاکید کرتے رہیں۔ مگر تلک سوراج فنڈ کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہیے۔ اور میں چاہتا ہوں کہ اس کام کو یو۔پی سے شروع کروں۔ میں یو۔پی کی خلافت کمیٹیوں کو، جن کا "مہربان" دوستوں نے مجھے صدر بنا رکھا ہے، لکھ رہا ہوں کہ وہ کانگریس کمیٹیوں سے مل کر اور اُن کے مشورے سے مجھے دعوت نامے بھجوائیں اور لکھیں کہ اگر میں اُن کے دعوت ناموں پر حاضر ہوں تو وہ مجھے کیا نذرانے دیں گی۔ کیا تم یو۔پی کے ایک مختصر سے دورے میں میرے ساتھ رہ سکتے ہو یا تم اپنے دفتر کی تنظیم کی غرض سے الہ آباد ہی میں جمے رہنا چاہتے ہو؟ ایک اچھے ہندو کا میرے ساتھ رہنا از بس ضروری ہے۔ اگر تم خود نہیں آسکتے ہو تو پھر کس کو تجویز کرتے ہو؟

مجلسِ عاملہ کی میٹنگ کے لئے جنوری کے اخیر ہفتے میں کوئی مناسب تاریخ مقرر کر دو۔ اس لئے کہ اس سے پہلے کوئی میٹنگ ممکن نہ ہو گی، ہاں اگر مہاتما جی کی علالت نے ہمیں اس سے پہلے ہی پونا جانے پر مجبور کر دیا تو ظاہر ہے کہ میٹنگ کچھ پہلے ہی کر لینی پڑے گی۔ اور کیوں نہ یہ میٹنگ ہم پونا ہی میں بلا لیں؟

مجھے تمھارا وہ تار ملا جس میں تم نے لاجپت رائے کا تار نقل کیا ہے۔ آخر انھوں نے ہمیں سمجھ کیا رکھا ہے جو ہم سے وہ مہاتما جی کی رہائی کا ایک قومی مطالبہ منظم کرانا چاہتے ہیں؟ میرا تو خیال ہے کہ میرے دوست اُس روحِ ترکِ موالات کا جسے انھوں نے کبھی قبول کر لیا تھا، ذرہ ذرہ اپنے قلب و دماغ سے نکال پھینکنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ جب حکومت نے علالت کی بنا پر خود ان کو رہا کیا وہ شاید مہاتما جی کو اُن سے کہیں زیادہ سنگین علالت کے بعد بھی قید و بند میں نہ رکھے۔ مگر جہاں تک مہاتما جی کی رہائی کے لئے مطالبے کا تعلق ہے سو اس کو ہمیں اپنے مالویاؤں اور گوڑوں کے لئے چھوڑ دینا چاہیے، اور جہاں تک لالہ جی کا تعلق ہے سو اُن کے لئے بہتر ہو گا کہ وہ کھُل کر اُسی جماعت کے ساتھ ہو جائیں جس سے اُن کا تعلق ایک ظاہر سی چیز ہے۔ کیا یہ ایک عجیب سی بات نہیں ہے کہ جو لوگ

روح و معنی کے لحاظ سے مہاتما جی کے شدید ترین مخالف رہے ہیں وہی آج حکومت سے مہاتما جی کی رہائی کے مطالبے میں سب سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ ہمارا تو مہاتما جی کی رہائی سے متعلق صرف ایک مطالبہ ہے مگر یہ مطالبہ حکومت سے نہیں ہے، قوم سے ہے!

اندو اور تمھاری ہمشیر کو پیار اور تمھاری والدہ اور بیوی کے لئے محبت آگیں ادب و احترام

تمھارا محبت آگیں

محمد علی

۳۰۔ از مولانا محمد علی

جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ

۲۱ر جنوری ۱۹۲۴ء

اس خیال سے کہ ممکن ہے کوئی براہِ راست مجھے تار سے مطلع نہ کرے میں مالویہ جی کے ساتھ تمھاری گرفتاری کی خبر کے لئے ہر روز صبح کو لیڈر بغور دیکھا کرتا تھا۔ مگر آج کے پرچے نے میری تشویش دور کر دی اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ پنڈت جی نے بالآخر گورنر کو "رام کر ہی لیا" اور وہ نہ صرف پریاگ آیا بلکہ تم کو اپنے ساتھ گورنمنٹ ہاؤس لے گیا کہ وہاں تم سے خوب گھل مل کر تمھاری میونسپلٹی کی اس قرار داد پر باتیں کرے جس کی رو سے میونسپلٹی گنگا، جمنا اور اس تیسری نظر نہ آنے والی مقدس ندی کا چارج خود لے لینا چاہتی ہے جو سنگم کے قریب ان دونوں دریاؤں کے نیچے ہی نیچے بہہ کر اس مقام کو تربینی بناتی ہے۔ اب تم بتاؤ کہ میں نے صورتِ حال ٹھیک سمجھی ہے یا نہیں؟ یا تم اب بھی، اگر اور کسی غرض سے نہیں تو اس "بدقسمتی یا مصیبت" میں پنڈت جی جیسے شخص کو اپنا ایک "اجنبی ہم بستر" بنا کر ایک نیا تجربہ کرنے کی غرض سے، اب بھی جیل جانے پر تلے ہوئے ہو؟ اگر کل کے لیڈر میں تم گرفتار نہ کر لئے گئے تو میں تمھارے تینوں خطوں کا جواب کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ مگر اس وقت میں تمھیں اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں ۲۴ر کی شب میں دہلی جا رہا ہوں اور وہاں سے ۲۵ر کی شب میں ایکسپریس سے

کلیان کو اور وہاں سے ۲۷ر کی شب میں ملنے والی ٹرین سے اپنے باپو سے ملنے کی غرض سے پونا جا رہا ہوں! اور ایسا میں اس لیے کر رہا ہوں کہ جب میں نے ۱۶ر کو دریافت کیا کہ کیا میں آسکتا ہوں تو مجھے جواب ملا کہ تم آسکتے ہو مگر باپو نہیں چاہتے کہ ہم میں سے کوئی اپنی جگہ چھوڑ کر ہٹے۔ بعد کو حکیم جی اور انصاری کو بھی بتایا گیا کہ یہ لوگ بھی میرے ساتھ آنا چاہیں تو آسکتے ہیں مگر کسی قسم کا کوئی مظاہرہ نہ ہونا چاہیئے۔ ہر قسم کے شور وغل سے بچنے کے خیال سے ہم نے کسی سے کچھ کہے بغیر جانے کا ارادہ کیا، مگر انصاری نے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے ہمیں فوراً چل پڑنے سے روک دیا کہ مبادا ہمارے جذبات جن کو دبایا نہیں جا سکتا باپو پر اثر انداز ہوں اور ان کو ابھی سے بہت زیادہ تھکا دیں۔ اس لیے ہم نے کچھ دنوں بعد جانے کا فیصلہ کیا اور ۲۷ر کو پونا پہنچنا طے پایا۔ اس طرح میں باپو کے حکم کے مطابق اپنی جگہ چھوڑ کر بھی نہ ہٹوں گا۔ اس لیے کہ ۲۹ر اور ۳۰ر کو بمبئی میں میری موجودگی ضروری ہے ـــــ اور باپو کی قوت بھی اُس وقت تک کسی قدر بحال ہو جائے گی۔ اب یہ خط میں تم سے یہ پوچھنے کی غرض سے لکھ رہا ہوں کہ تم بھی ان "تین بندوقچیوں" کا ساتھ دینا پسند کرو گے اور راہ میں کہیں سے یا کلیان اسٹیشن سے ہمارے ساتھ چل کر ۲۷ر کو باپو سے ملو گے؟ اگر آسکتے ہو تو فوراً تار دو اور بتاؤ کہ کہاں سے ہمارے ساتھ ہو گے۔ مگر دیکھنا یہ بات کسی اور سے نہ کہنا، یعنی بجز اُن دوستوں کے جو اس بات کو اپنے ہی تک رکھ سکتے ہوں۔

باقی کل۔

تمھارا محبت آگیں

محمد علی

تکملہ: آج کل میں "ساسٹرائی ٹیس" میں مبتلا ہوں۔ یہ ایک ایسی وبا ہے جس میں تمام "اعتدال پسند" مبتلا ہیں اگرچہ وہ مزدور پارٹی کو اُس کی فتح پر مبارک باد بھی دے رہے ہیں۔ شاستری کی حماقت نے میرا دو دن کا کام خاک میں ملا دیا۔ اور اب جب کہ میں نے اپنے اُس تار کا جواب نہ پا کر جو میں نے انھیں دیا تھا، چار دن کے انتظار کے بعد اُن کے بیان کے جواب میں اپنا ایک بیان بھیجا ہے تو آپ نے خط کے ذریعے معافی مانگی ہے!!! مجھے اس بیان کی اشاعت

روک لینی پڑی۔

۳۱۔ مولانا محمد علی

ماتھران، ۱۵ر جون ۱۹۲۴ء
نجی

عزیزی جواہر،

میں تمھیں اتنے دنوں تک کوئی خط نہیں لکھ سکا۔ تم میری اس کوتاہ قلمی کو معاف کر دو۔ تم جانتے ہو کہ مجھے اپنی بیٹی کے انتقال کے بعد کچھ آرام کی کس قدر ضرورت تھی۔ مگر تم شاید اس بات کو محسوس کرتے ہو گے کہ اوائل اپریل میں شوکت کی علالت کے عود کر آنے کے سبب میں اس آرام سے کس طرح محروم رہ گیا۔ ایک شوکت کی علالت ہی نے مجھے اس آرام سے محروم نہیں رکھا، جو ہو کی گفتگو اور میرا بالائی ہند کا سفر جو مجھے ۲۰ رمئی کو ماتھران سے لے گیا اور ۳ رجون کو یہاں واپس لے آیا، یہ حوادث بھی میرے آرام میں حائل ہوئے۔ مجھ کو اپنی چھٹی یا آرام کے دن "ٹکڑوں میں" لینے پڑے مگر میں ان چھٹی یا آرام کے دنوں کا اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا پسند نہیں کرتا۔ تمھارے خطوط نمبر ۳۰/۶۵۰ ، ۲۵/۷۵۰ ، ۲/۷۵۲ اور ۷۸۶ یہ سب اُس وقت پہنچے جب میں دہلی، لاہور، علی گڑھ، رام پور، (صرف ریلوے اسٹیشن۔ برٹش قلمرو!) نینی تال اور لکھنؤ کے دورے پر تھا۔ اور خط نمبر ۵۲/۸۲۴ اُس وقت ملا جب میں اس طویل سفر کی ماندگی دور کر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے یہ خطوط جس موضوع پر ہیں اُس سے متعلق میں نے کوئی بات تمھیں سمجھانے بجھانے کی نہیں پائی، اس کے معنی یہ ہوئے کہ کانگریس کے کام میں کوئی واقعی رکاوٹ نہیں پڑی (کانگریس کے کام میں اُس کے صدر حضرات کی سستی سے کبھی کوئی خرابی یا رکاوٹ واقع نہیں ہو سکتی اگر وہ اپنے عہد میں اتنے عقل مند ہوں کہ ایک محنتی "کام کرنے والے سکریٹری کا انتخاب کر سکیں) تمھارا آخری خط نمبر ۴۰/۸۶۲ جو مہاراشٹر میں انتخابات پر کونڈا وینکٹاپیا جی کے فیصلے سے متعلق ہے اُس سے اگرچہ یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس معاملے میں خود مجھے کچھ کرنا پڑے گا، پھر بھی وہ کوئی شگونِ نیک نہیں لایا، اور اب دیکھو قسمت کی سی قطعیت کے ساتھ مانڈلیک (۹) کا پوسٹ کارڈ آدھمکا ہے۔ جو بالآخر مجھ پر حرکت و عمل کے

دورے سے طاری کر دینے میں کامیاب نظر آرہا ہے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاسوں میں فیصلے دینے کو میں بہت بُرا سمجھتا ہوں لیکن ایسے فیصلے اگر پیشگی دینے پڑیں تو اس سے بدتر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ اس کے متعلق میں نے تم کو علیحدہ لکھا ہے اور جو خطوط میں نے پار انجپائی اور مانڈلیک کو لکھے ہیں اُن کی نقلیں بھی منسلک کر دی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اس باب میں تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ دفعہ ۱۹ کا آخری فقرہ کسی خاص صوبے کے نمایندوں کی ٹولی سے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ پوری آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے متعلق ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ مانڈلیک میرا فیصلہ پسند نہ کریں گے اور میں نے اگر اور کسی غرض سے نہیں تو "صلح و آشتی" ہی کی غرض سے اُن کے گروہ یا جتھے کو اجازت دے دی ہوتی کہ وہ آئیں اور احمد آباد میں ہمارے ساتھ ہو جائیں۔ مگر "صلح و آشتی" مجھے میسّر آنے والی نہیں ہے۔ اس لئے میں نے فیصلہ کر لیا کہ قانون کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالوں گا۔ جو صوبہ اپنے نمایندے وقت کے اندر یا قاعدے کے مطابق نہیں چن سکتا وہ دنیا کی شکایت نہیں کر سکتا اگر وہ بغیر کسی نمایندگی کے رہ جائے، اور اگر ہم اُس کے پُرانے نمایندوں کو بدستور دعوت نامے بھیجتے رہے تو وہ یوں ہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے گا اور نئے نمائندوں کے انتخاب میں عجلت و تندہی سے کام نہ لے گا۔ اس کو جو کچھ شکایت ہو سکتی ہے وہ صوبے کی تنفیذی جماعت سے ہو سکتی ہے۔ میری اپنی ہی پریشانیاں بہت ہیں، دوسروں کی پریشانیاں میں اپنے اپنے سر کیوں کر لے لوں۔ ان باتوں کے باوجود مجھے اندیشہ ہے کہ مسٹر مانڈلیک مجھے نہ بخشیں گے۔

گر زیادہ ناگزیر پریشانی تو وہ ہے جس کے ذمّے دار مہاتما جی ہیں۔ تم اس کے متعلق بہت خاموش رہے ہو، شوکت کے سوا میری اس پریشانی میں کسی نے حصّہ نہیں لیا۔ اچھا تو اب مجھے بتاؤ تمھارا کیا خیال ہے۔ میں نہیں جانتا کہ باپو سے میری جو گفتگو جُوہُو میں ہوئی اُس کا کوئی اثر بھی ہندو مسلم تناؤ پر پڑا یا نہیں۔ اگر میں نے اِس قضیہ کا مسلم پہلو جو میرے کانوں تک پہنچا تھا، اُن کی خدمت میں عرض نہ کر دیا ہوتا تو وہ اس کے متعلق تقریباً کچھ نہ جان پاتے اس لئے کہ میرا خیال ہے کہ کچھ زیادہ مسلمانوں نے اس کے متعلق اُن سے خط و کتابت نہیں کی۔ چونکہ میں بھی اپنے ذاتی علم

کی بنا پر اُن سے کچھ نہیں کہہ سکا اس لئے میری گفتگو کا صرف اتنا اثر ہوا کہ اُن کے علم میں یہ بات آگئی کہ اس قضیئے کا ایک مُسلم پہلو بھی ہے۔ ایک اعتبار سے، بہ ہر صورت، مجھے اس امر کا یقین ہے کہ میں اُن کو مطلق متاثر نہیں کر سکا اور ایسا ہی مزاج اُن کے "تقدس مآب بھائی" پنڈت مدن موہن مالویہ کا ہے۔ وہ ایسے قضیوں سے ہم سب سے بہتر طریق پر بچ کر نکل آیا کرتے ہیں! باوجود اس کے میرا اور شوکت کا خیال تھا کہ باپو اس شریف الطبع پنڈت کی نسبت کچھ اور ہی خیال رکھتے ہیں۔ باپو جو کچھ ان کی نسبت فرمایا کرتے ہیں اگر یہی اُن کا عقیدہ بھی ہے ـــــ اور اس پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ تو مجھے بہ ہر حال مستقبل قریب سے ناامید ہو جانا چاہیئے۔ میں نے اس معاملے پر تمھارے والد سے دل کھول کر اور صاف صاف گفتگو کی تھی اور انھوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ وہ بڑی حد تک مجھ سے متفق ہیں کہ مالویہ جی نے گاندھی ازم یا گاندھیائی مسلک کو شکست دینے کا تہیہ کر لیا ہے اور چوں کہ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے مشترک رہنما نہیں ہو سکتے، وہ تنہا ہندوؤں کے رہنما بننا چاہتے ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد اُن کا نصب العین نہیں ہے۔ میرے پیارے جواہر، خدا شاہد ہے کہ مسلمانوں میں بھی مالویہ جیسے لوگ موجود ہیں اور وہ مجھ سے اور میں اُن سے خوش نہیں ہوں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ ایسے لوگ اپنی نا اہلی کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ قومی خدمت، ایثار اور قربانی کی بنا پر ان لوگوں کو کوئی اچھی اور بجا طور پر حاصل کی ہوئی شہرت میسّر نہیں ہے، مسلمانوں پر وہ اثر نہیں رکھتے جو پنڈت جی اپنے فرقے کے بہت سے لوگوں پر رکھتے ہیں۔ اگر پنڈت جی بالکل ویسے ہی ہیں جیسا کہ باپو اُن کو بتایا کرتے ہیں تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم کو اور تمھارے والدِ محترم کو کس زمرے میں رکھوں۔ میں نے تو تم دونوں اور پنڈت جی کے درمیان قطبین کا بُعد پایا ہے۔ مگر ہندو مسلم تناؤ اس وقت میرے لئے کسی فوری فکر و تردّد کی چیز نہیں ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ کشاکش اتنی جلدی دُور نہ ہو گی جتنی جلدی اُس کے دُور ہو جانے کی میں نے ابتدا میں امید کی تھی۔ اس وقت جو چیز مجھے سب سے زیادہ پریشان رکھتی ہے وہ سوراجیوں سے متعلق باپو کا "بجلی کا کڑکا" ہے جس کو میں آتا ہوا دیکھ رہا تھا مگر پھر بھی امید لگائے ہوئے تھا کہ شاید نہ آئے گا۔

تمھارے والد اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے جیسے لوگوں نے سوراجیوں کے لئے حالات کو آسان تر بنا دینے میں کچھ نہ کچھ مدد ضرور دی ہے اگرچہ ہماری کوششوں کا جو اندازہ انھوں نے لگایا ہے وہ کسی قدر بے دلانہ اور کمزور ونا تمام ہے، اور یہ اس لئے کہ وہ ہماری ان کوششوں کا اندازہ نتائج کو سامنے رکھ کر لگاتے ہیں، خود ان کوششوں کی نوعیت کو سامنے رکھ کر نہیں لگاتے، اور اُن کی پوزیشن کے آدمی ایسا ہی کرنے پر طبعاً مائل بھی ہوا کرتے ہیں۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ ہم "تیر" کا رُخ پھیر دینے میں قطعاً ناکام رہے کہ یہ "تیر" کسی حد تک "ناگہانی" تھا۔ میں جو ہوکئی بار گیا، جب میں آخری بار گیا تب بالکل اخیر میں باپو نے مجھے اور شوکت کو اپنا ارادہ بتایا اور میں نے واپس آ کر باپو کے اس ارادے سے تم کو مطلع کر دیا۔ جب باپو نے مجھ سے اپنے اِس ارادے کا ذکر کیا تب میں ایک موہوم سی اُمید رکھتا تھا کہ باپو کے دل میں اِک خیال آگیا ہے جس کا وہ ذکر کر رہے ہیں، ممکن وہ اب بھی اپنے اس ارادے کو ترک کر دیں۔ ہم نے اُسی وقت باپو کو یہ بات سمجھائی تھی کہ برطانوی کابینہ کی تمثیل صحیح نہیں ہے بلکہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی برطانوی کابینہ کی نسبت برطانوی دارالعوام سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ یہ تمثیلات تمام غلط ہیں اس لئے کہ ہماری آل انڈیا کانگریس کمیٹی ایک وفاقی جماعت یا ادارہ ہے اور نو چینجرز (مخالفینِ تبدیلی) اگرچہ کانگریس اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں اکثریت رکھتے ہیں مگر یہ اکثریت ان کو تمام صوبائی کمیٹیوں میں حاصل نہیں ہے اور یہ ایک عجیب سی اور بالکل انوکھی سی بات معلوم ہوتی ہے کہ صوبوں کی اکثریتوں کو حکم دیا جائے کہ وہ اقلیتوں کے حق میں مستعفی ہو جائیں۔

کیا میرا یہ خیال درست نہیں ہے کہ اس معاملے میں تم بھی باپو سے اتفاق نہیں رکھتے؟ اگر بتا سکتے ہو تو مجھے بتاؤ۔

مگر باپو کی تجویز کے ذاتی حسن و قبح سے علیٰحدہ اُس کے "قانونی یا غیر قانونی" ہونے کا بھی ایک سوال ہے۔ کیا کوئی ایسا قانون ہے جو سوراجیوں کو باہر آجانے پر مجبور کر دے؟ کیا آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کوئی قرارداد اُس کے کسی رُکن کے سوت نہ کاتنے یا روئی نہ دھنکنے کو اُس کے مستعفی ہو جانے کے برابر قرار دے سکتی

ہے؟ مجھے ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ باپو کی تجویز کے ذاتی حسن و قبح کے بارے میں میری رائے کچھ بھی ہو، کانگریس کے صدر ہونے کی حیثیت سے میرا پہلا فرض اُس کے قانونی پہلو پر غور کرنا ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟ اور تمھارے خیال میں قانون کیا ہے؟

مجھ کو یقیناً باپو سے اتفاق ہے کہ بناوٹ اور تصنع کو اب ختم ہو جانا چاہیئے۔ ہم نے تعمیری پروگرام کا یہ محض "زبانی احترام" بہت دنوں تک برداشت کیا، اور میرا ضرور یہ خیال ہے کہ بہت سے کانگریسی ایسے ہیں جو اس پروگرام کا تقریباً کوئی احترام نہیں کرتے، مگر یہ لوگ اپنی اس گستاخی و بدعقیدگی کا اظہار صرف نجی صحبتوں اور دوستوں اور یاروں کے مجمعوں میں کیا کرتے ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تک ہم خود یہ تعمیری کام تقریباً مذہبی جوش و عقیدت کے ساتھ نہ کرنے لگیں گے تب تک ہم پورے ملک کو اپنے تعمیری پروگرام کے ماتحت کام کرنے پر کیوں کر آمادہ کر سکیں گے۔

(لفظ تقریباً تمھاری اُس جھنجھلاہٹ کی رعایت میں بڑھا دیا گیا ہے جو تمھیں میری مذہبیت کے خلاف رہا کرتی ہے)، تاہم میں سمجھتا ہوں کہ باپو کی منطق میں کہیں نہ کہیں کوئی جھول ضرور ہے۔ بہر نوع، مجھے کچھ مخالفینِ تبدیلی (نو چینجرز) کے چہروں پر، جو سوراجیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے، ایک نامبارک سی خوشی دکھائی دیتی معلوم ہو رہی ہے، باپو نے سوراجیوں کو جو سرزنش فرمائی تھی اُس کا لب و لہجہ نرم کرا دینے میں جو تھوڑی بہت خدمت ہم سے بن آئی تھی وہ باپو کے سب سے اخیر اعلان کی رو سے اُن کے گوذات قرار دیئے جانے میں غائب ہو کر رہ گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ سوراجیوں میں حکومت کے ساتھ یک گونہ تعاون کرنے کا جو رجحان پایا جاتا ہے اُس کو اِسی اعلان سے شہ ملی ہے۔ تمھارے والد نے اپنی خوش طبعی کو میری توقع سے زیادہ سنبھالے رکھا ہے۔ مگر شاید یہ زیادہ تر پبلک اور خصوصاً گورنمنٹ کے لئے ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تمھاری پیشین گوئی صحیح ثابت ہوگی اور یہ لوگ ہم سے اور بھی دُور ہو جائیں گے۔ اور اُن کا طرزِ عمل بڑی معاندانہ روش کا حامل ہوگا۔ جیسا کہ میں نے اپنی ایک حال کی (بادلِ ناخواستہ) ملاقات میں کہا ہے مجھ کو اس وقت زیادہ فکر اُس کام کا ہے جو ہمارے مخالفینِ تبدیلی (نو چینجرز) تعمیری پروگرام کے ماتحت کرتے ہیں، اُس کام کا فکر مجھے کم ہے جو سوراجی نہیں کر پاتے۔

میں جانتا ہوں کہ سوراجیوں نے اس قسم کے تعمیری کاموں کے لیئے فضا بہت ہی خراب کردی ہے، اِس لیئے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کے لوگ بہت زیادہ یہ دیکھتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ یہ سوراجی پارٹی کاؤنسلوں میں کیا کر رہی ہے اور جو کچھ وہ کر رہی ہے اُس کا ردِّ عمل انگلستان اور یہاں اور وہاں کی حکومتوں پر کیا ہو رہا ہے اور تعلیم یافتہ لوگوں کا یہی طبقہ آخر کار عوام کی رہبری کر سکتا ہے۔ مگر کیا اس سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے وہ لوگ بھی جو اس بات کو جانتے ہیں کہ سوراجیوں کے اعمال و افعال کو دیکھتے رہنا کس قدر نامعقول سی بات ہے، موجودہ صورتِ حالات سے پریشان پراگندہ خاطر رہیں اور وقت ضائع کرتے رہیں۔ کم از کم ہم لوگوں کو اپنے کام سے لگے رہنا چاہیئے اور سوراجیوں کو بُرا بھلا کہتے رہنا ترک کر دینا چاہیئے۔

یہ ہیں اس وقت کی میری پریشانیاں، میرا ایک مسلمان اور صاف دل مسلمان ہونا میری پوزیشن کو بہتر نہیں بناتا۔ میں کانگریس کے صدر کی حیثیت سے بڑے اور اہم مسائل پر خاموش ووٹ نہیں دے سکتا اور نہ ووٹ دینے سے یکسر انکار ہی کر سکتا ہوں ـــ اگرچہ دوسرے حالات میں میں اسی صورت کو ترجیح دیتا ـــ ہاں چھوٹے موٹے غیر اہم مسائل پر کانگریس کا صدر اکثر ووٹ نہیں دیا کرتا۔ اور مسلمان ہونے کی وجہ سے میں استعفا کی پناہ نہیں لے سکتا جیسا تم نے الٰہ آباد میں کیا، اس لیئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا ایسا کرنا ہندو مسلم اتحاد پر یقیناً نہایت گہرا اثر ڈالے گا۔ خواہ اُس ٹائپ کے لوگوں کے ہاتھوں جنھوں نے مجھ سے استعفا طلب کر لیئے جانے کی ایک تحریک بھیجی ہے، میری تحقیر و اہانت ہو جائے، خواہ کچھ لوگوں کی مُردہ و بے جان سی تعریفوں کا بارِ احسان اُٹھا کر ممدوح کی بجائے ملعون قرار پا جانا پڑے اور خواہ سرے سے کوئی تعریف ہی میری نہ ہو، میں کسی حال میں بھی اپنے وقار کی نگہداشت پر اصرار کرنے کی کوشش سے ایک انسان کی حیثیت سے بھی بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا! اب تک میں نے اپنے احساسات کسی پر ظاہر نہیں کیئے تھے، اور میں جو اپنے ان احساسات کا اظہار کسی دوسرے پر نہیں کرنا چاہتا تھا، سو میری اسی روش نے اس خط کو اتنے دنوں تک روکے رکھا، اور اب کہ میں نے اِن احساسات کا اِک بھونڈے طریقے پر بے سوچے سمجھے اظہار

کر دیا ہے، بہ قول جناح میں "تقریباً مائل ہوں" اِس بات پر کہ اِس خط کو چاک کر کے ردّی کی ٹوکری کے حوالے کر دوں، مگر میں اِس میلانِ طبع کو دبا رہا ہوں اور لو یہ رہا میرا یہ خط!

برسبیل تذکرہ، تم احمد آباد کیسے جا رہا ہو؟ کیوں نہ تم ۲۴ر کی شب کو یا ۲۵ر کی صبح کو براہِ دہلی میرے ساتھ چلو؟

اندو کو پیار اور مسز جواہر لعل اور تمھاری ہمشیرہ کے لئے سلام مہر و محبت۔

تمھارا محبت کیش

محمد علی

تکملہ: گویا میری پریشانیاں، وہ کانگریس سے متعلق ہوں یا خلافت سے۔ (جس کے سلسلے میں مولانا ابو الکلام آزاد نے میرا نام لئے بغیر مجھ پر پریس میں حملے کئے ہیں)، ابھی کافی نہیں تھیں کہ بیچاری بوڑھی اماں پھر بیمار پڑ گئیں!

۳۲۔ از مہاتما گاندھی

(میں نے مہاتما جی کو لکھا تھا کہ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں معلوم ہوتی کہ میں اپنے والد پر ایک مالی واقتصادی بار بنا رہوں۔ میں اب اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ مگر دشواری یہ تھی کہ میرا تمام وقت کانگریس کے لئے وقف تھا۔ میرے والد نے جب یہ بات سُنی تو وہ بہت خفا ہوئے۔ "حسرت" سے مراد اس خط میں "حسرت موہانی" ہیں جو اردو کے ایک معروف شاعر تھے اور جنھوں نے انقلابی اور قومی سیاسیات میں ایک بڑا بہادرانہ پارٹ ادا کیا تھا۔)

۱۵ر ستمبر ۱۹۲۴ء

عزیزی جواہر،

مجھے تمھارا نہایت ہی دل گداز سانحی خط ملا۔ میں جانتا ہوں تم ان باتوں کو بہادرانہ انگیز کر جاؤ گے۔ والد اس وقت غصّے میں ہیں۔ اور مجھے اس بات کا بڑا فکر ہے کہ تمھاری طرف سے یا میری طرف سے اِس غصّے میں ایک ذرّہ کا بھی اضافہ نہ ہونے پائے۔ اگر کسی طرح یہ ممکن ہو تو تم والد سے دل کھول کر باتیں کر لو مگر کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے وہ ناراض ہوں۔ اُن کو ناخوش دیکھ کر میں بھی خوش

نہیں رہ سکتا۔ اُن کا چڑچڑاپن ایک قطعی علامت ہے اُن کی ناخوشی کی۔ حسرت آج آئے تھے، اُن کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ میری اس تجویز سے بھی برہم ہو جاتے ہیں کہ ہر کانگریسی کو چرخہ کاتنا چاہیئے۔ میرا بھی اب جی چاہا کرتا ہے کہ کانگریس سے علیحدہ ہو کر اپنی تینوں چیزوں میں خموشی کے ساتھ لگ جاؤں۔ یہ چیزیں اُن تمام سچے مردوں اور عورتوں کو مصروف رکھنے کے لئے کافی ہیں جو ہیں مل سکتے ہیں، بلکہ اُن میں اس سے بھی زیادہ کی وسعت ہے۔ مگر لوگ ہیں کہ اس سے بھی برہم ہو جایا کرتے ہیں۔ میں نے پونا کے سوراجیوں سے ایک طویل گفتگو کی۔ یہ لوگ نہ تو سوت کاتنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور نہ میرے کانگریس سے علیحدہ ہو جانے پر۔ یہ لوگ اِس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ میں اگر اپنے قلبی رجحانات پر عمل کرنے میں آزاد نہ رہا، یعنی اگر میں اپنی شخصیت ہی سے محروم کر دیا گیا تو پھر میں مفید و سودمند بھی نہ رہوں گا۔ یہ ایک ناخوشگوار سی صورتِ حال ہے مگر میں مایوس نہیں ہوں۔ میرا ایمان خدا پر ہے۔ میں بس وقت کا فرض پیشِ نظر رکھتا ہوں یعنی کس لمحہ میرا کیا فرض ہے۔ مجھ کو اس سے زیادہ کا علم ہی نہیں دیا گیا ہے۔ تو پھر میں کیوں پریشان رہوں؟

کیا میں تمہارے لئے کچھ روپیوں کا بندوبست کروں؟ کیوں نہ تم کوئی تنخواہ دار کام اختیار کر لو؟ آخر تمہیں اپنی ہی محنت و مشقت کے بل بوتے پر جینا ہے چاہے رہو تم اپنے والد ہی کے گھر میں۔ کیا تم کسی پرچے کے نامہ نگار بننا پسند کرو گے؟ یا تم کوئی پروفیسری قبول کرو گے؟

تمہارا مخلص

ایم۔ کے۔ گاندھی

۳۲۔ از مہاتما گاندھی

(جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ خط اُس وقت لکھا گیا تھا جب گاندھی جی نے تین ہفتے کے برت کا اعلان کیا تھا)

۱۹ر ستمبر ۱۹۲۴ء

عزیزی جواہر لعل،

تم مبہوت و حیرت زدہ نہ رہ جانا۔ بلکہ خوش ہونا کہ خدا نے برحق مجھے اپنا

فرض ادا کرنے کی قوت اور نورِ ہدایت عطا فرماتا ہے۔ میں کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ ترکِ موالات کے مصنف یا محرکِ اوّل ہونے کی حیثیت سے ایک بڑی گراں بار ذمے داری میرے کندھوں پر ہے۔ تم اپنے لکھنؤ اور کانپور کے تاثر لکھ کر بھیجو۔ مجھے پورا اور لبالب بھرا ہوا پیالہ پینے دو۔ میں اپنے آپ سے بالکل مطمئن ہوں۔

تمہارا مخلص
ایم۔ کے۔ گاندھی

۳۴۔ از مہاتما گاندھی

۱۶ نومبر ۱۹۲۴ء

عزیزی جواہر لعل،

دو حرف اِس دُعا اور تمنا کے ساتھ کہ مادرِ وطن کی خدمت اور خود شناسی و خود یابی کے بہت سے خوشی اور مسرت سے لبریز دن تم کو میسّر آئیں۔

اگر ممکن ہو تو والد کے ساتھ تم بھی ضرور آؤ۔

تمہارا مخلص
ایم۔ کے۔ گاندھی

۳۵۔ از مہاتما گاندھی

(میری بیوی کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا جو کم و بیش ایک ہفتہ زندہ رہ کر وفات پا گیا۔ یہ تار گاندھی جی نے اسی موقع پر دیا تھا)

تار ۲۸ نومبر ۱۹۲۴ء
سابرمتی

بہ نام نہرو، الہ آباد

بچّے کی وفات کی خبر سُن کر افسوس ہوا۔ خدا کی مرضی پوری ہو۔

گاندھی

۳۶۔ از مہاتما گاندھی،

۲۵ اپریل ۱۹۲۵ء

عزیزی جواہر لعل،

میں آج کل تِی تھال میں ہوں جو جُوہُو سے کسی قدر ملتی جُلتی ہوئی ایک جگہ

ہے۔ میں یہاں چار دن اِس غرض سے آرام کروں گا کہ بنگال کے آنے والے دورِ ابتلا و آزمائش کے لئے تیار ہو جاؤں۔ میں یہاں کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی خط و کتابت کا وہ سلسلہ پورا کروں جو ادھورا رہ گیا تھا، اِسی سلسلے میں مجھے تمھارا وہ خط بھی ملا جس میں تم نے اُس مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا عنوان ہے: "خدا اور کانگریس" تمھاری دشواریوں سے مجھے ہمدردی ہے۔ سچا مذہب چونکہ زندگی اور دُنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے اُس سے جائز و ناجائز طور پر کام بھی لیا گیا ہے اور جن لوگوں کی نظر صرف مذہب کا جائز و ناجائز استعمال کرنے والوں اور اس جائز و ناجائز استعمال تک محدود رہی ہے اور حقیقت تک نہیں پہنچ پائی ہے وہ بہ تقاضائے فطرت خود مذہب سے برگشتہ و بیزار ہو گئے ہیں، مگر بایں ہمہ مذہب ہر شخص کا ایک شخصی و ذاتی معاملہ ہے اور وہ بھی اُس کے قلب و روح کا۔ تو اب تم جس نام سے چاہو اُسے پکارو وہ ذاتِ پاک جو انسان کو جاں گداز مصیبتوں کی مہیب ترین آگ میں بھی سب سے بڑی تسکینِ قلب عطا کرتی ہے وہ خدا کی ذات ہے۔ بہ ہر صورت، میں مطمئن ہوں کہ تم راہ راست پر ہو۔ اگر عقل ہی حق و باطل کا تنہا محک و معیار ہے تو ہوا کرے، مجھے اس کی پروا نہیں ہے، اگر یہ عقل بسا اوقات انسان کو سخت اُلجھنوں میں ڈال دیا کرتی ہے اور اُس کو ایسی غلطیوں میں مبتلا کر دیا کرتی ہے جن کے ڈانڈے توہم پرستی سے ملتے ہیں۔ گئو رکھشا میرے نزدیک محض گائے کی حفاظت نہیں ہے وہ اس سے بہت ہی، بہت ہی بلند سی ایک چیز ہے۔ گائے بجائے خود کیا ہے؟ دوسری تمام ذی روح چیزوں جیسی ایک چیز ہے یا صرف ایک نمونہ و مثال ہے ایسی تمام جاندار مخلوقات کی۔ گئو رکھشا کے اصلی معنی ہیں کمزور و ناتواں کا تحفظ، بے چارہ و بے کس کا تحفظ، گونگوں اور بہروں کا تحفظ۔ تو اب اس اعتبار سے انسان دوسرے تمام مخلوقات کا آقا یا مالک نہیں ہے۔ وہ اُن کا خادم ہے۔ میری نظر میں گائے رحم و شفقت پر ایک وعظ ہے۔ اب تک ہم لوگ تحفظِ گاؤ کے مسئلے سے صرف کھیلتے رہے ہیں مگر جلد ہی حقیقت سے بھی ہم لوگوں کو دوچار ہونا پڑے گا۔

مجھے امید ہے کہ میرے پچھلے خطوط سب تمھیں مل گئے ہوں گے۔ آج مجھے ڈاکٹر ستیہ پال کا ایک غم ناک خط ملا ہے۔ کیا اچھا ہوتا اگر تم پنجاب جا سکتے، خواہ چند ہی

دلوں کے لئے۔ تمھارے جانے سے اُن کا دل بڑھے گا۔ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ والد دو مہینے کسی ٹھنڈے اور پُرسکون مقام پر گزارتے۔ اور تم خود بھی الموڑہ کیوں نہ چلے جاؤ، خواہ ایک ہی ہفتے کے لئے۔ کام بھی کرو اور ٹھنڈی ہوا کا لُطف بھی اُٹھاؤ۔

تمھارا

باپو

(گاندھی جی کو ہم میں سے بہت سے لوگ، بلکہ ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد باپو کے نام سے پُکارا کرتی ہے جس کے معنی باپ کے ہیں)

۳۷۔ از سروجنی نائیڈو

گولڈن تھرش ہولڈ حیدرآباد دکن
۱۱ مئی ۱۹۲۵ء

عزیزی جواہر،

میں یہ خط تمھیں گولڈن تھرش ہولڈ سے اپنی منبّت کار کوچ پر بیٹھی ہوئی لکھ رہی ہوں، اور راس تفاری، پاوو نورمی، نکولو پیانو اور ڈِک ڈِک مہو جونگ ــــ گھر کے چوپائے حکمراں میرے چاروں طرف لیٹے ہوئے آرام فرما رہے ہیں۔ اور چڑیاں، سَن برڈز اور ہنی برڈز، باغ میں گُل مُہر اور سُرخ گلاب کے جوشِ گل سے دہکتی ہوئی کیاریوں میں نغمہ سرا ہیں۔ بینا کتابوں، لوٹ جوتوں اور اُن نغتوں کے جمع کرنے میں مصروف ہے جو اُسے معمّوں کے حل کرنے میں مطلوب ہوں گے، اس لئے کہ آج شام کو ہم لوگ سیر و تفریح کی غرض سے عثمان ساگر جانے کا ارادہ کر رہے ہیں جہاں ہم کچھ دن خیموں میں رہیں گے۔ پدمجا اپنی نئی فیاٹ کو دیکھ دیکھ کر جو آج ہی بمبئی سے آئی ہے خوش ہو رہی ہے، ناچ رہی ہے، گووند بھیگرا بیگن اور فالسے کا شربت لئے بیٹھا کھا رہا ہے، آج ناشتہ اُس کو کسی قدر دیر میں ملا ہے۔ کھاتا جاتا ہے اور دل ہی دل میں دعائیں بھی مانگتا جاتا ہے کہ خدا کرے اعلیٰ حضرت ہماری سیر گاہ میں پہنچکر ندیوں اور چٹانوں میں سیر و تفریح کا مزا کرکرا نہ کردیں۔

مختصراً میں اپنے گھر آئی ہوئی ہوں اور ۱۹۲۱ء کے بعد آج اپنی پہلی چھٹی کا لُطف اُٹھا رہی ہوں، سچ مچ کی چھٹی جس میں ہماری جنّت سے بیرونی تفکّرات،

ذمّے داریوں اور فرائض کے بھیس میں رینگنے والے تمام سانپ نکال باہر کر دیئے گئے
ہیں اور ہماری جنّت کے دروازے اُن پر بند کر دیئے گئے ہیں۔ میں نے کمینہ پن سے
گردلیری کے ساتھ چند ہفتوں کے لئے اپنی منصبی جگہ چھوڑ دی ہے، اس لئے کہ میری
روح بے تاب تھی، مچل رہی تھی اِک فضائے حسن و رعنائی کے لئے، پھوٹتی کونپلوں
سے لدے ہوئے درختوں کے لئے، نشیمن بنانے والی چڑیوں کے لئے، متغزّل
شاعروں کے لئے، بچّوں کے لئے، پالتو کتّوں کے لئے، پرانے دوستوں کے لئے،
اور تعمیری اور اُس نام نہاد سیاسیات کے خود تخریبی پروگراموں سے تھوڑی سی فرصت
کے لئے۔ میں اپنے جو فرائض اور ذمّے داریاں چھوڑ کر آئی ہوں اُن کو واپس جاکر
ٹھیک وقت پر سنبھال لوں گی، مگر اس اثنا میں جی چاہتا ہے کہ ہماری اِس عیدِ مسرت
میں تم بھی شریک ہوتے، بناوٹی نہیں، سچ مچ کی اِک عیدِ مسرّت وابتہاج ہے۔
حیدر آباد آکر میر عالم میں کشتیوں کی سیر و تفریح، اِدھر اُدھر کی چہل قدمی اور سَیر گشت
اور آوارہ گردی، اور یہاں کی حقیقت میں ملت و وطن کے تمام تعصّبات سے پاک،
ہر دلیں اور وسیع المشرب سوسائٹی کے لوگوں سے ملنا جلنا ——— ایسی صلحِ کُل اور
اتنی بے تعصب سوسائٹی تم کو ہندوستان میں کہیں اور نہ ملے گی ——— یہ کہنا غیر ضروری
سا ہے کہ یہ جگہ، گولڈن تھرش ہولڈ، چار نسلوں سے نسلاً بعد نسلٍ ایسی ہی سوسائٹی کا
اڈا بنا چلی آ رہی ہے، میرے والدین کے عہد سے اس کی ابتدا ہوئی ——— یعنی تقریباً
ماقبل تاریخی عہد سے ——— اور انتہا اُس ننھی منّی سی نسل پر ہو رہی ہے جو فرش پر
بیٹھ کر اپنے کیک میں اپنی بلی کو بھی شریک کر لیا کرتی اور اپنا شربت اپنے کپڑوں پر
اُنڈیل لیا کرتی ہے۔ تم بھی ہڑتال کیوں نہیں کر دیتے اور یہاں آن کر روپوش
کیوں نہیں ہو جاتے۔ میں تو شعیب سے بھی کہنے والی ہوں کہ تم بھی ہڑتال کر کے
یہیں چلے آؤ، مگر بس یہیں تک، تمھارے دوسرے رفیق کار سے خدا بچائے!

میں کلکتے میں منعقد ہونے والی مجلسِ عاملہ میں شریک نہیں ہو رہی ہوں۔
میں کئی ہفتے بیمار رہی ہوں اور اب میں جسمانی سے زیادہ دماغی طور پر ماحول اور
مصروفیتوں کی تبدیلی کی حاجتمند ہوں۔ مزید براں، بجز اُس "موجودہ صورتِ حال"
کے جو دلشیں بند ہونے پیدا کر دی ہے، اور وہ بھی شاید، اجنڈے میں کوئی چیز ایسی

مجھے نظر نہیں آتی جو بآواز بلند مجھ کو دعوتِ دماغ سوزی دیتی ہو۔

مجھے امید ہے کہ پاپا جی اور پیاری ماما جی بخیر ہوں گی، کملا بھی، امید ہے، کہ اب بالکل توانا ہوں گی۔ اور اندو اپنی آنکھوں میں طلوعِ سحر کی سی روشنی لئے اٹیلانٹا جیسی سبک رواب بھی ہو گی۔

پدمجا سب کو محبّت اور پیار کا پیام بھیج رہی ہے، خصوصاً خوب صورت آنکھوں والی بٹی کو۔ لیلامنی آکسفورڈ ین فضا میں پھر کھو گئی ہے اور بالکل خوش و خُرّم ہے۔

خدا حافظ، میں اپنی زندگی کی تمام تازہ دم مسرّتیں تم کو بھیج رہی ہوں کہ اُن میں تم بھی شریک ہو۔

تمھاری محبّت آگیں بہن
سروجنی

۳۸۔ از مہاتما گاندھی

دگاندھی جی نے اپنے داہنے ہاتھ کو آرام دینے کی غرض سے بائیں ہاتھ سے لکھنے کی بھی مشق کی تھی۔ یہ خط بہ ظاہر بائیں ہاتھ سے لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ " وائی۔ آئی " اختصار ہے ینگ انڈیا کا، گاندھی جی انگریزی زبان میں ایک ہفتہ وار پرچہ نکالا کرتے تھے جس کا نام تھا ینگ۔ انڈیا)

۳۰ ستمبر ۱۹۲۵ء

عزیزی جواہر،

ہم ایک عجیب زمانے میں جی رہے ہیں بینتلا سہائے اپنی وکالت آپ ہی کرسکتے ہیں۔ آگے کے مزید حالات سے مجھے مطلع رکھنا۔ یہ بینتلا سہائے ہیں کیا؟ وہ کوئی وکیل ہیں؟ کیا کبھی اِن کا کوئی تعلق انقلابی تحریک سے رہا ہے؟

جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے بہتر یہ ہو گا کہ تم اُسے جہاں تک ممکن ہو سادہ اور سہل بنا دو تاکہ اب جو کام کرنے والے باقی رہ گئے ہیں وہ اُس سے بآسانی نپٹ لیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارا بار اب بڑھ جائے گا، مگر اس بات کا تم ہمیشہ لحاظ رکھنا کہ اپنی صحت کو کسی حال میں بھی خطرے میں نہ ڈالنا۔ مجھ کو تمھاری صحت کا

بڑا فکر ہے۔ یہ آئے دن کے بُخار کے حملے جو تم پر ہوا کرتے ہیں مجھے اچھے نہیں لگتے میرا جی چاہتا ہے کہ تم اور کملا دونوں چھٹی لے لو۔

والد کا خط آیا ہے، یقیناً، اُس حد تک جانے کا ارادہ میں نے کبھی نہیں کیا جس حد تک میرے جانے کا امکان والد کے دھیان میں ہے۔ میں تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی سے اُن کی اعانت کے لئے کہوں۔ مگر میں اس بات سے بھی نہ ہچکچاؤں گا کہ کسی ایسے دوست یا دوستوں سے جو تمہاری قومی خدمات کا کچھ معاوضہ تمھیں دینا اپنے لئے موجبِ فخر و امتیاز جانیں، اُن سے اِس بات کا ذِکر کروں۔ میں تو تمھیں مجبور کروں گا کہ تم قومی سرمائے سے کچھ لے لیا کرو، اگر تمہاری ضرورتیں اُس صورتِ حال کے سبب جس میں اس وقت تم ہو اور ابھی رہو گے غیر معمولی نہ ہوں۔ میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں کہ قومی سرمائے کے لئے تمھیں بھی کچھ دینا چاہئے خواہ کوئی کاروبار کر کے دو اور خواہ اپنے نجی دوستوں کو اس بات کی اجازت دے کر کہ وہ کانگریس کے لئے تمہاری خدمات کو باقی رکھنے کی غرض سے کچھ سرمایہ اکٹھا کریں۔ اس بات کی کوئی فوری ضرورت نہیں ہے مگر اپنے آپ کو پریشان کئے بغیر ایک قطعی اور آخری فیصلہ کر لو۔ اگر تم کوئی کاروبار شروع کر دینے کا فیصلہ کرو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ میں تمہارا دماغی سکون چاہتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کسی کاروبار کے منیجر رہ کر بھی ملک کی خدمت کرو گے۔ مجھے یقین ہے کہ والد کو تمہارے کسی ایسے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ ہو گا جس سے تم کو دماغی سکون میسّر آنے کی اُمید ہو۔

تمہارا

باپو

میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اپنا داہنا ہاتھ ینگ انڈیا کے لئے ضرور بچا رکھنا پڑے گا۔

۳۹۔ از ایم۔ اے۔ انصاری

فتحپوری۔ دہلی

۱۱؍اکتوبر ۱۹۲۵ء

میرے عزیز جواہر لعل،

تمہارے خط کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ اِس طویل آرام اور تبدیل آب و

ہوا کے بعد میں اپنے آپ کو بہت بہتر پا رہا ہوں۔ مگر تم کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں اک خاصی طویل مدت تک قلب کا مریض رہا ہوں اور اب اس شکایت کے سبب مجھے سخت تاکید کردی گئی ہے کہ ہر اشتعال و ہیجان سے بچوں اور ایک پابندِ ضابطہ اور پُرسکون زندگی گزاروں۔ اس لئے اب میں مجبور ہوں کہ اپنا دائرۂ عمل محدود کروں اور صرف تعلیمی کاموں سے سروکار رکھوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ میرے یورپ جانے سے پہلے مہاتما جی اور حکیم جی نے مجھے نیشنل مسلم یونیورسٹی کے سکریٹری کا عہدہ قبول کرلینے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ بڑی ذمّے داریوں کا عہدہ ہے۔ اِن ذمّے داریوں سے میں تب ہی عہدہ برآ ہوسکتا ہوں جب میں اپنا تمام فاضل وقت اسی کام میں لگادوں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ تمام دوسرے پبلک کاموں سے بجز ایک نیشنل مسلم یونیورسٹی کے کام کے دور رہوں گا۔

علاوہ بریں پٹنہ کا فیصلہ بالآخر کانگریس کا تمام کام سوراجیوں کے سر ڈال دے گا۔ اس لئے اسپنرز ایسوسی ایشن کا ایک معمولی ممبر رہ کر بھی میرے لئے دشوار نہ ہوگا کہ اپنی قوتیں قومی تعلیم میں لگادوں۔

ثالثی فیصلے کے متعلق میں تمھاری ہدایتوں پر عمل کروں گا۔ میں مسٹر بھارگو انیز اجمیر مارواڑ کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کو لکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے معاملے کی جملہ تفصیلات لکھ کر مجھے بھیج دیں۔ اِن تفصیلات کو پڑھ کر ان کی نقلیں دوسری پارٹی کو بھجوادوں گا۔ اور پھر جیسا کہ تم نے سمجھایا ہے میں اِن لوگوں سے کچھ سوالات کروں گا اور پھر اپنا فیصلہ دینے سے پہلے ان دونوں پارٹیوں کو اپنے پاس بلاؤں گا۔

محبت آگیں تسلیمات کے ساتھ

تمھارا مخلص

ایم۔اے۔انصاری

۴۰۔ از مہاتما گاندھی

تار یکم دسمبر ۱۹۲۵ء

بنام جواہر لعل نہرو، آنند بھون الہ آباد

میں نے برت توڑ دیا۔ حالت بالکل ٹھیک ہے۔ امید ہے کملا برابر رو بصحت

ہوں گی۔ سروپ میرے پاس ہے۔ گاندھی

۴۱۔ از مہاتما گاندھی، ۳۱ر جنوری ۱۹۲۶ء

(میں ۱۹۲۶ء کے آغاز میں اپنی بیوی کو علاج کی غرض سے یورپ لے گیا تھا)

عزیزی جواہر،

یہ سُن کر مجھے مسرت ہوئی کہ تم کملا کو ساتھ لے جا رہے ہو۔ ہاں، تم دونوں اگر نہ آسکو، تو جانے سے پہلے کم از کم تم مجھ سے ضرور مل جاؤ۔ دیش بندھو میموریل سے متعلق جمنا لعل جی کے نام تمہارا خط کافی ہوگا۔ آل انڈیا اسپنرز ایسوسی ایشن سے متعلق یہ کہنا ہے کہ تم اُس کے سکریٹری رہو گے لیکن اگر کسی مددگار کی ضرورت ہوئی تو شنکر لعل کو ایک مددگار ملے گا۔ چارٹ تیار نہ کر سکنے پر میں تمھیں ملامت نہیں کر سکتا۔ تم نے اپنا وقت رائگاں یا ضائع نہیں کیا۔ تم یورپ کی آب و ہوا کے لئے مناسب کپڑے بنوالو۔

تمھارا

باپو

۴۲۔ از مہاتما گاندھی

آشرم سابرمتی، ۵ر مارچ ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر،

تمھارا پہلی مارچ کا پرچہ ملا۔ اگرچہ تم ڈاکٹر مہتا کے لئے ایک پرچہ چھوڑ گئے ہو پھر بھی میں نے مزید اطمینان و یقین کے لئے اُن کو خود بھی لکھا ہے یقین ہے کملا کی صحت جہاز پر بالکل ٹھیک رہی ہوگی۔ تم دونوں کو اس بحری سفر سے کوئی فائدہ پہنچا؟ اس وقت اتنے ہی کی گنجائش ہے۔

تمھارا مخلص

ایم۔ کے گاندھی،

۴۳۔ از مہاتما گاندھی آشرم سابرمتی ۲۳ر اپریل ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر لعل،

میں ہر ہفتہ تمھیں خط لکھنے کا ارادہ کرتا رہا۔ مگر ہر ہفتے ناکام رہا۔ مگر اس ہفتے کو

میں یوں ہی نہ گزر جانے دوں گا۔ میں نے والد سے تمھارے حالات سب سُننے جب وہ جوابی تعاون والوں کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ تم نے وہ سمجھوتا دیکھا ہوگا جو باہم طے پایا ہے۔

ہندو مسلمان ایک دوسرے سے دُور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مگر اس چیز سے میں پریشان نہیں ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ جُدائی آگے چل کر رلاپ کے لئے ہے۔

مجھے اُمید ہے کملا کو فائدہ ہو رہا ہوگا۔

تمھارا

باپو

۴۴۔ از روماں رولاں (فرنچ زبان میں)

ولینا وُ (ووا) وِلا اولگا

۱۱ر مئی ۱۹۲۶ء

پیارے مسٹر جواہر لعل نہرو،

مجھے آپ کا اور اپنے درویش دوست گاندھی کا خط پاکر مسرت ہوئی۔ آپ کے نام سے ہم آشنا تھے۔ اِن دنوں ہندوستان ٹائمز میں جو ایک تقریر شائع ہوئی ہے اُس میں آپ کا نام پھر پڑھا۔

مجھ کو اور میری بہن کو آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوگی۔ کیا آپ کے لئے اور مسز نہرو کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ آئندہ ہفتے میں کسی دن عمدہ موسم دیکھ کر شام کے وقت آپ دونوں وِلا اولگا تشریف لے آئیں، ہمارے ساتھ چائے نوش فرمائیں اور چند گھنٹے ہمارے ساتھ گزاریں؟ از راہِ کرم مجھے بتائیں کہ مئی کی اُنیسویں چہار شنبہ اور بائیسویں، شنبہ، کے درمیان کون سا دن آپ کے لئے موزوں ہوگا؟

علاوہ بریں، اگر آپ کے منتخب کردہ دن میں موسم اچھا نہ ہو تو آپ کو صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ آپ صبح ہی ہمیں بذریعہ تار مطلع کر دیں کہ اپنا آنا آپ کسی دوسرے دن کے لئے ملتوی فرما رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ مسز نہرو سوئیستانی آب و ہوا کا اچھا اثر جلد ہی محسوس

کریں گی۔

کیا آپ ہی کی ننھی سی بچی جنیوا کے بین الاقوامی مدرسے میں نہیں ہے؟ اُس کی معلمہ مادموزیل ہرتوش ہماری بڑی اچھی دوست ہیں۔ وہ بڑی اچھی اور بڑی مخلص خاتون ہیں۔ آپ یقین رکھ سکتے ہیں کہ آپ کی بچی اس سے زیادہ سمجھ دار اور اس سے زیادہ محبت کرنے والی اُستانی نہیں پا سکتی تھی۔

پیارے مسٹر نہرو، آپ میری صداقت و ہمدردی پر اعتماد رکھیں۔

روماں رولاں

ولا اولگا ہوٹل بایرون کے بغل میں (کسی قدر اوپر) واقع ہے۔ اگر آپ کشتی سے آئیں تو ولینا و کے اسٹیشن سے دس منٹ کا راستہ ہے۔ اگر آپ ٹرین سے آئیں تو آپ ٹیری ٹے کے اسٹیشن پر اُتر پڑیں اور وہاں سے ولینا و کی طرف جانے والی وہ برقی ٹرام پکڑیں جو اسٹیشن کے سامنے سے گزرتی ہے اور اُسے ہوٹل بایرون کے قریب گاڑیوں کے ٹھیرنے کی جگہ ٹھیرا لیں۔

۴۵۔ از سروجینی نائیڈو

بمبئی۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر،

آج صبح مجھے پاپا جی کا ایک تار ملا تھا۔ مضمون یہ تھا کہ "وہ تم لوگوں کو غلطی سے ایسے وقت سے خط لکھنا بھول گئے جو کل کی ڈاک سے جا سکے، نیز یہ کہ میں تم لوگوں کو لکھ دوں کہ وہ رو بہ صحت ہیں اور بہ سُرعت صحت یاب ہو رہے ہیں اور گھر میں اور لوگ بخیر ہیں" پاپا جی مسوری میں ایک طویل آرام کے بعد شملہ جانے سے پہلے حیرت انگیز طور پر اچھے تھے۔ اُس کے بعد سے وہ پھر کھلانے سے لگے۔ میرے خیال میں یہی لفظ اُن کی صحت کی صحیح تعبیر کرتا ہے ــــ اور اُن کا یہ کھلانا جسمانی اسباب سے زیادہ دماغی اور فکری اسباب کا نتیجہ ہے! یہ دماغی اسباب یہ ہیں: مُلک کی ناخوشگوار سیاسی صورتِ حال، اندرونی جھگڑے، نہایت ہی نامعقول، غیر شریفانہ اور تخریبی جوڑ توڑ جس کے مرتکب وہ لوگ ہو رہے ہیں جن کے ساتھ اُنھوں نے کام کیا اور جن پر انھوں نے تکیہ و اعتماد کیا تھا۔ مزید برایں ہمہ اُن کے دَوروں کا بوجھ۔ مگر اب میرا خیال ہے کہ وہ بخار کے آخری شدید حملے کے بعد سے واقعی بہتر ہو رہے ہے

ہیں۔ انتخابات اُن کو حد سے زیادہ پریشان کیے ہوئے ہیں میرا خیال ہے کہ صورتِ حال اُن کی پارٹی کے لئے مجموعی حیثیت سے، تقریباً اُتنی تاریک اور یاس انگیز نہیں ہے جتنی تاریک اور یاس انگیز ہونے کا اُن کو اندیشہ تھا۔ مجھے مسرت ہو گی جب یہ اگلے چند ہفتے گزر جائیں گے اور یہ سر تا سر مصنوعی طور پر پیدا کی ہوئی فرقہ دارانہ، باہم ایک دوسرے کے لئے مہلک اور شخصی و ذاتی اور ہر قسم کی کشیدگیاں جن کو دانستہ اور عمداً طول دیا گیا ہے ڈھیلی پڑ جائیں گی۔

میں تمہاری نسبت ہر قسم کی خوشگوار اور خوش آیند افواہیں سُن رہی ہوں۔ ایسی باتیں جن کو سُن کر جی خوش ہوتا ہے میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ تمہاری زندہ دلی لوٹ آئی ہے اور زندگی کی مسرتوں سے تم نے پھر لطف اندوز ہونا شروع کر دیا ہے۔ مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہے کہ تم نے ہندوستان کی سُن اور سست و کاہل زندگی کے گھناونے پن سے اتنی طویل چھٹی پائی ہے۔ یورپ میں تم نے اپنی خودی کے لئے ایک تازہ اظہار اور روح کی بیماریوں سے قرار واقعی شفایابی کا موقع پایا ہوگا۔ مجھے امید ہے کہ کملا صحت یاب ہو رہی ہوں گی۔ میں سوچا کرتی ہوں کہ سوئیس کی ہوا اور سوئیس کے لوگ کملا کو پسند آئے ہوں گے یا نہیں۔ میں خود سوئٹزرلینڈ کی کچھ ایسی دلدادہ نہیں ہوں اگرچہ میں وہاں کے ہرے بھرے اور سرسبز و شاداب نشیب بہت پسند کرتی ہوں جب موسمِ بہار کے پھولوں نے اُن پر مینا کاری کر دی ہو۔ اندو تو اب ایک ننھی سی مادموازیل ہو گی جو فرینچ میں بُدبُدایا بڑبڑایا کرتی ہو گی مگر سوئیس تلفظ کے ساتھ۔ بٹی بھی امید ہے اپنی چھٹی کا لطف اٹھا رہی ہو گی۔ مجھکو بتایا گیا ہے کہ سروپ اور رنجیت اپنا وقت بڑی شان سے گزار رہے ہیں۔ ہائے، کس قدر جی چاہتا ہے کہ میں سمندر پار ہوتی۔ میں نے اِن آئے دن کے دوروں اور جھگڑوں کے چکانے میں بڑے ہی پُر مشقت دن گزارے ہیں۔ اِس وقت میں کسی قدر علیل ہوں۔ پدمجا بالکل اچھی ہے مگر لیلا منی بیچاری کو ایک سنگین سا آپریشن کرانا پڑا، وہ نقیہ تو اب بھی ہے مگر آہستہ آہستہ رو بصحت ہے۔ حجاز کے حاجی وہاں سے کسی قدر بیزار واپس آئے ہیں۔ مولانا شاہ سعود سے بہت خفا ہیں اور ان کے خلاف بڑی لمبی لمبی تقریریں کر رہے ہیں۔ شعیب بھی خوش نظر نہیں آتے۔ وہ بمبئی میں کوئی

کاروبار کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ انصاری ان تمام مہینوں میں وودمان شاہی کی آیا یا کھلائی کا پارٹ ادا کرتے رہے ہیں۔ وہ اس مشغلے سے نہایت بیزار نظر آرہے ہیں۔ وہ بیچارے تھرمامیٹروں، غرغروں اور پٹیوں کے ساتھ گویا قید خانے میں ڈال دئے گئے ہیں جہاں یہی چیزیں اُن کی رفیقِ زنداں ہیں۔

عمر کی موت نے بمبئی کو میرے لئے اِک کابوس، اِک ڈراؤنا خواب بنا دیا ہے۔ بیچارہ عمر، شاہ دِل عمر! میں سوچا کرتی ہوں کہ اس غریب کی دُکھی روح کو چین بھی میسر آیا یا نہیں۔ اُس کو تم سے کس قدر محبت تھی!

گھسیٹے کو تو میں گھسیٹ دیا کرتی ہوں مگر سوچا کرتی ہوں کہ تم میری بدخط تحریر پڑھ بھی لیتے ہو۔ میری کلائی درد سے اکڑی ہوئی ہے۔ بہ قولِ اقبال انہی کے لفظوں میں: میں سراپا درد ہوں۔

شب بخیر، عزیزی جواہر، مجھے یہ سوچ کر کس قدر مسرت ہوتی ہے کہ تم ہندوستان سے دُور ہو اور تمھاری روح کو اپنے شباب اور عظمت اور جمالِ سرمدی کے تصوّر کی تجدید کا ایک موقع ہاتھ آگیا ہے۔

میرا پیار لڑکیوں کو، ماں بیٹی دونوں کو۔

تمھاری محبت کیش بہن

سروجینی

۴۶۔ از پنڈت موتی لعل نہرو،

آنند بھون الٰہ آباد

۲ر دسمبر ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر،

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنی ڈاکیں کھوئیں، وہ جتنی بھی ہوں تین سے زیادہ ہی ہوں گی۔ میں اپنا انتخابی دَورہ ختم کر کے کل ہی الٰہ آباد واپس آیا ہوں۔ انتخاب کا نتیجہ تمھیں اس خط کے پہنچنے سے بہت پہلے ہی معلوم ہو جائے گا۔ مدراس اور بنگال میں اکثریت اگرچہ ہماری نہیں ہے تاہم ہم خاصے مضبوط ہیں۔ بہار میں ووٹ شماری ابھی ختم نہیں ہوئی ہے مگر امید ہے کہ یہ صوبہ غالباً مدراس اور بنگال سے پیچھے نہ رہے گا۔ بمبئی

اور سی۔ پی میں حالت اچھی نہیں رہی مگر یو۔ پی میں تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ پنجاب سے ہمیں کچھ زیادہ توقع نہیں تھی اور لاجپت رائے کے جھوٹ کے صدقے میں یہاں اسمبلی کی کوئی نشست غالباً ہمیں نہ ملے گی۔ آسام کے چھوٹے سے صوبے نے بہت اچھا کام کیا اور برما نے اسمبلی میں اپنے حصے کی دونوں نشستیں ہمیں دیں۔ اسمبلی میں ہماری طاقت پچھلے تین سالوں کے مقابلے میں کسی قدر زیادہ ہوگی، مگر یو۔ پی کاؤنسل میں تو ہم بیٹھ ہی گئے، پچھلی مرتبہ بھی ہم یو۔ پی کاؤنسل میں کوئی بڑی قوت نہیں رکھتے تھے مگر اب کے تو حالت اُس سے بدرجہا بدتر ہوگی۔ میری مدد کے لئے خود میرے اپنے صوبے میں کوئی قابلِ ذکر کام کرنے والا نہیں تھا اور مجھے خاصا بڑا حصہ اپنے وقت کا دوسرے صوبوں کو دینا پڑا۔ اگر میں اپنا تمام وقت اگر یو۔ پی ہی میں صرف کر ڈالتا تب بھی اس سے بہتر نتیجے کی میں امید نہیں رکھ سکتا تھا جس قسم کا پروپاگنڈا مالویہ۔ لاجپت رائے جتھے کی سرپرستی میں میرے خلاف شروع کر دیا گیا تھا اُس کا مقابلہ کرنا میرے بس کی بات تھی ہی نہیں۔ عام مجمعوں میں تو مجھ کو ہندو دشمن اور مسلمان دوست بتا کر مجھے برا بھلا کہا جاتا تھا مگر نجی اور پرائیوٹ طور پر تو ایک ایک ووٹر سے کہا جاتا تھا کہ میں گائے کا گوشت کھایا کرتا ہوں اور مسلمانوں سے ساز باز رکھتا ہوں کہ ذبیحۂ گاؤ کو عام جگہوں اور ہر زمانے میں قانوناً جائز قرار دلوا دوں ____ شام جی نے بھی اس پروپاگنڈا میں لوگوں سے یہ کہہ کہہ کر بڑا زبردست حصہ لیا کہ اُن کے مسودۂ تحفظ گاؤ پر اسمبلی میں میں ہی نے بحث نہیں ہونے دی۔ وہ اسمبلی کے لئے فیض آباد ڈویژن سے کھڑے ہوئے تھے۔ اُن کے مقابلے میں ایک سوراجی امیدوار تھا اور دوسرے امیدوار امیٹھی کے ڈڈن صاحب تھے۔ سوراجی امیدوار ایک مشہور اور با اثر وکیل تھا مگر سہرا ڈڈن صاحب کی دولت کے سر رہا۔ شام جی کی مالی مدد مالویہ کر رہے تھے مگر ڈڈن صاحب کو بھی اُن کی پارٹی کا امیدوار قرار دے دیا گیا۔ شام جی کی تو ضمانت بھی ضبط ہو گئی مگر سوراجی امیدوار اور ڈڈن صاحب کی دوڑ برابر کی رہی۔ غور کرو ڈڈن صاحب جیسا بدھو نہ صرف ایک قابل آدمی کو بلکہ ایک ہر دل عزیز آدمی کو شکست دے دے۔ جیسا کہ تم نے سنا ہوگا سوراجی بے چارے دو تین دن ہوتے ہیں کہ چل بسے۔ شام جی نے اس کے بعد سے یہ نفرت انگیز نعرہ اختیار کیا ہے: "مائی میری مر گئی، گائے میری مائی ہے"۔

فرقہ وارانہ منافرت اور رشوت زمانے کا عام دستور ہو گیا ہے۔ اس حالت سے اب میں بہت بیزار ہوں اور سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہا ہوں کہ پبلک زندگی ہی سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ جو خیال ہمیشہ مجھے پریشان سا رکھا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آخر اپنا وقت میں کیوں کر گزاروں۔ میں گوہاٹی کے اجلاس کانگریس کا انتظار کر رہا ہوں اور اس اثنا میں یکسر خموش ہوں۔ برلا کے روپے کے سہارے مالویہ۔ لالہ جتھا کانگریس پر قبضہ کر لینے کی دیوانہ وار کوششیں کر رہا ہے۔ اور یہ جتھا غالباً کامیاب بھی رہے گا۔ اس لئے کہ ہماری طرف سے ان کوششوں کا کوئی توڑ ممکن نہیں ہے۔ کانگریس کے اجلاس کے بعد میں ایک عام بیان دوں گا۔ اگرچہ اب بھی مجھے ملک کی قوی ترین پارٹی کا لیڈر تسلیم کر لیا جاتا ہے مگر میں اسی بیان کے ساتھ اپنی اسمبلی کی نشست سے مستعفی ہو جاؤں گا۔ اپنی موجودہ تعداد کے ساتھ اور اُن لوگوں کے ساتھ جو اس وقت ہمارے پاس ہیں ہم اسمبلی اور کاؤنسلوں میں کوئی بڑی خدمت انجام نہیں دے سکتے۔ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ جلد ہی ہماری صفوں سے کچھ لوگ ٹوٹ کر دوسری صفوں میں بھی جائیں گے، گر اس اندیشے کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی ناممکن ہے کہ اپنے مقاصد میں سے کوئی مقصد ہم حاصل کر سکیں۔ جہاں تک ملک میں کام کرنے کا تعلق ہے مجھے کوئی کام ایسا نظر نہیں آتا جسے میں کامیابی کی کسی امید کے ساتھ ہاتھ لگا سکوں۔ ہندو مسلم اتحاد کے لئے میری نیشنل یونین ضرور موجود ہے گر میں جانتا ہوں کہ فرقہ وارانہ کشیدگی کی جو حالت اس وقت ہے اُس میں میری آواز صدا بہ صحرا ہو کر رہ جائے گی۔ میں گاندھی جی سے ضرور مشورہ کروں گا مگر — جیسا کہ تم جانتے ہو — اُن کے شوق کے مشغلے اک خاص حد سے آگے میرے لئے کوئی دل کشی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ تم اس وقت مجھ سے اتنی دوری پر ہو کہ مشکل ہی سے کوئی صائب مشورہ مجھے دے سکتے ہو۔ تاہم میں تمھاری رائے بڑے شوق سے سنوں گا۔ تم نو مہینوں سے کچھ زیادہ ہی ہوئے ہوں گے کہ ہندوستان کی سیاسیات سے عملاً بالکل بے تعلق ہو۔ اس حالت میں تم سے کوئی رائے طلب کرنا قرینِ انصاف نہیں ہے، بایں ہمہ اس خصوص میں کہ اب میں اپنا وقت کس کام میں لگاؤں تمھارے مشورے مجھے یقیناً مدد دیں گے۔

انتخابات کے ہنگاموں نے مجھے بالکل تھکا ڈالا ہے، مگر سکون و اطمینان

اب بھی نصیب نہیں۔ میرے آیندہ مشاغل میں سب سے پہلے کاشی پور کی صوبائی کانفرنس ہے، پھر پانچویں دسمبر سے نویں دسمبر تک صوبائی کمیٹی کا ایک مختصر جلسہ ہے اور اخیر میں کانگریس کا اجلاسِ عام۔ ان تمام جلسوں یا تقریبوں سے میری پریشانی میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوگا۔ مگر میں اِن تمام جلسوں میں شرکت ضرور کروں گا، اگر اور کسی غرض سے نہیں تو صرف یہ دیکھنے اور اس بات کا ایک پورا اور صحیح اندازہ لگانے کے لئے کہ فساد ہمارے اندر کہاں تک سرایت کر چکا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ گوہاٹی کا سفر میں کلکتے سے کشتیوں پر براہِ سندر بن کروں۔ اس سخت محنت و مشقت کے بعد جو پچھلے چند ہفتوں میں مجھے اُٹھانی پڑی ہے، دریا کے اس کم و بیش ایک ہفتے کے پُر سکون و پُر لطف سفر سے امید تو ہے کہ مجھے کچھ نہ کچھ آرام ہی مل جائے گا۔

ایک عام اضمحلال قوی اور پُرانے اگزیما کے ایک بدتر شکل میں لوٹ آنے کے سوا مجھے اور کوئی شکایت نہیں ہے، اچھا ہوں۔ اگزیما جا بجا سے پک گیا ہے، یہ دو باتوں کا نتیجہ ہے، ایک تو خون کی کمی کا، دوسرے گرد و غبار اور ناصاف پانی کے استعمال کا۔

پچھلی ڈاک سے تمہارا کوئی خط خاندان میں کسی کے نام نہیں آیا۔ نان کہتی ہے تم غالباً جرمنی گئے ہوئے تھے۔ تمہارے پچھلے خطوط سے معلوم ہوا تھا کہ تم تبدیل آب و ہوا کی غرض سے مان ٹانا گئے تھے نیز یہ کہ اس تبدیل آب و ہوا سے کچھ خفیف سا فائدہ کملا کو پہنچا تھا۔ اصل چیز ٹمپریچر ہے اور جب تک کہ کم از کم ایک ماہ تک وہ برابر نارمل (طبیعی حالت پر) نہ رہے اور باتوں میں کبھی کبھار کے افاقوں کو میں کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ مجھے امید ہے کہ اگر مان ٹانا میں چند ہفتے اور قیام رہا تو ٹمپریچر اپنی طبیعی حالت پر آجائے گا۔

تمہارا محبت کیش

باپ

۴۷۔ از پنڈت موتی لعل نہرو،

پی۔ اس۔ کھروٹی، سندر بن

۱۵ ار دسمبر ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر،

یہ خط میں سندر بن کے قلب سے لکھ رہا ہوں۔ جن لوگوں سے توقع تھی کہ

میرے ہمراہ ہوں گے، وہ سب پیچھے رہ گئے۔ اور اب ایک اوپادھیا اور ہری کو چھوڑ کر میں تقریباً تنہا ہوں۔ سوامی ستیہ دیو اپنے دو چیلوں کے ساتھ دوسرے درجے میں ہیں۔ یہ کلکتے میں بالکل اخیر لمحے میں مجھ سے چمٹ گئے۔ مگر اننے سمجھ دار ہیں کہ فرطِ ادب سے مجھ سے دُور ہی رہا کرتے ہیں اور جب تک گفتگو کے لئے اُن کو خاص طور پر بلایا نہ جائے پاس آنے کی جرأت نہیں کرتے چونکہ اور کوئی مسافر اسٹیمر پر نہیں ہے اس لئے اُن کو فرسٹ کلاس کے عرشے کے استعمال کی اجازت دے دی گئی ہے۔

جس کسی نے بھی اس جگہ کو سُندر بن کا نام دیا ہو، واقعہ یہ ہے کہ یہ جگہ اس نام کی حق دار ہے۔ سیر و تفریح کی غرض سے یہ سفر حسین ترین دریائی سفر ہے۔ جو تمھیں ہندوستان میں میسّر آسکتا ہے۔ اور مجھ کو بڑی خوشی ہے کہ مجھے اس سفر کا خیال آیا۔ ہمارا اسٹیمر آہستہ آہستہ (آٹھ میل فی گھنٹہ یا اس سے بھی کم کی رفتار سے) ایسی جہاز رانی کے قابل دریاؤں کی بھول بھلیّوں سے گزر رہا ہے جو ایک نہایت ہی گھنے جنگل کو چھوٹے بڑے ہر ممکن شکل کے مختلف قطعات زمین میں کاٹتی ہوئی چلی گئی ہیں۔ میلوں چلے جاؤ کوئی انسانی بستی نظر نہ آئے گی۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ تمام جنگلی جانور، شیر سے لے کر ہرن تک، ان جنگلوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس وقت مجھے بس اس بات کا افسوس ہے کہ میں کوئی رائفل ساتھ نہیں لایا۔ وہ سیرانگ جو اس اسٹیمر پر کمانڈر کے فرائض ادا کرتا ہے (ستر روپے ماہوار پر) وہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اگر آپ کوئی بندوق ساتھ لائے ہوتے تو میں مقررہ راستے سے اک ذرا ہٹ کر چلتا اور آپ کو الغاروں شکار کرا دیتا۔ اگر کوئی مقررہ راستے سے ہٹ کر نہ بھی چلے تب بھی رہ گزر کا شکار مل سکتا ہے۔ دریا اکثر مقامات پر اتنا تنگ ہو جایا کرتا ہے کہ بس ایک اسٹیمر کے گزر جانے بھر کی جگہ رہ جایا کرتی ہے مگر پھر وہ دفعتہً ہر سمت میں میلوں پھیلی ہوئی ایک عظیم الشان چادرِ آب بن جایا کرتا ہے۔ ان چوڑے چکلے رقبوں کا پورا یا اُن کا کچھ حصّہ طے کر کے اسٹیمر پھر دفعتہً متعدد تنگ نالوں میں سے کسی ایک تنگ نالے میں داخل ہو جایا کرتا ہے، مگر تھوڑی ہی دیر کے لئے، اور پھر دفعتہً بہت سی تنگ شاخوں میں سے کسی تنگ شاخ دریا میں داخل ہو جایا کرتا

ہے۔ مگر یہ تنگ و تاریک سی شاخ تھوڑی ہی دُور آگے جا کر ایک اندرونی سمندر کی شکل میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ ساحلوں پر ہر قسم کے چھوٹے بڑے جنگلی درخت پائے جاتے ہیں۔ جن میں جا بجا کھجور کے درخت بھی ملتے ہیں جن میں اونچے اونچے دیو ہیکل بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے ٹھنگنے قسم کے بھی۔ پورا منظر نہایت ہی جاذب نظر اور دل کش ہے۔ میں تو گھنٹوں اِس دل ربا منظر کے دیکھنے میں غرق رہا کرتا ہوں اور اُس دُور بین کی مدد سے جو تم نے بھیجی ہے اسٹیمر کے دیدبان پر کھڑا ہوا، تا حدِ نظر ننھی ننھی ندیوں کے لہرا لہرا کر اور بل کھا کھا کر جنگل کے اندر اور جنگل سے باہر بہتے رہنے کا تماشا دیکھتا رہتا ہوں۔

اسٹیمروں کی دریائی لائن کی کمزوریوں میں وقت کی پابندی کوئی امتیازی کمزوری نہیں ہے۔ اور ہم بائیسویں اور چوبیسویں کے درمیان کسی وقت بھی گوہاٹی پہنچ جا سکتے ہیں۔ مجھے بس ایک موہوم سی امید ہی ہے کہ گوہاٹی پہنچنے میں اس سے زیادہ وقت نہ لگے گا اور میں مضامین کمیٹی کے وقت سے جو چوبیسویں کو شروع ہو رہی ہے گوہاٹی پہنچ جاؤں گا۔ میرے اس سفر کا دلکش ترین حصّہ آج رات کو ختم ہو جائے گا۔ جب ہم کُھلنا پہنچیں گے اس لئے کہ اس وقت تک ہم سندر بن کی حدود سے باہر جا چکے ہوں گے اور اس نام نہاد تمدّن و تہذیب کی قلمرو میں دوبارہ قدم رکھ چکے ہوں گے۔ دو یا تین دنوں کے بعد ہمارے گولنڈو پہنچ جانے کی توقع ہے۔ اس سفر میں ہم بالکل مختلف مناظر سے گزریں گے جن کی رہنما کتابچوں میں بڑی تعریفیں کی گئی ہیں۔ گولنڈو سے چند میل اوپر جا کر ہم گنگا مائی سے جُدا ہو کر پتا بر ہما پترا کی آغوش میں آ جائیں گے۔ میں پہلے گوہاٹی کے اوپر کا ایک مختصر سا سفر کر چکا ہوں۔ اِس سفر میں جو تجربہ ہو چکا ہے اُس کی بنا پر جانتا ہوں کہ اب اس دریا اور اُس کی وادیوں کے مخصوص حسن و جمال کی سحر آفرینیاں اور رعنائیاں ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔

میں ابھی سے بحالیٔ قوت کے آثار محسوس کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش نہ آئی تو میں اس سفر کے آخر تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔

یہ خط کُھلنا میں ڈاک کے سپرد کیا جائے گا۔ آج کلکتے کی ڈاک کا دن ہے۔

کھلنا بنگال کی متعدد ریلوے لائنوں میں سے ایک برانچ لائن کا آخری اسٹیشن ہے، اور اس لئے یہ خط غالباً ایک ہفتہ رکا رہے گا، بہرصورت اس خط کا ڈاک کے سپرد کر دیا جانا ہی بہتر ہے اس لئے کہ کوئی نہیں جانتا کہ دوسری ڈاک کے دن کیا پیش آئے اور کیا نہ پیش آئے۔

تمہارا ۲۲ر نومبر کا خط میرے سفر کے آغاز سے کچھ ہی دنوں بعد الٰہ آباد پہنچا تھا۔ رنجیت نے یہ خط مجھے بھیج دیا اور مجھے وہ ٹھیک اُس وقت ملا جب میں کلکتے سے روانہ ہو رہا تھا۔ تم نے یہ خط مان ٹانا واپس پہنچنے پر لکھا تھا، مگر اس میں یہ لکھنا بھول گئے کہ جرمنی سے واپس آنے پر تم نے کملا کو کیسا پایا۔ امید ہے کہ دوسری ڈاک سے کوئی اچھی خبر ملے گی۔

ہماری ننھی اندو کو اپنے یوم پیدائش کے موقع پر ہماری طرف سے بغیر کسی تحفے ہی کے رہ جانا پڑا؛ میں انتخابات کے ہنگاموں میں غرق تھا اور دوسروں نے غفلت برتی۔ مجھے اس بات کا بہت افسوس ہے۔

جب میں نے نان کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ یورپ سے لوٹنے پر وہ اتنی تندرست نہیں دکھائی دے رہی تھی جتنی تندرست اُسے نظر آنا چاہیئے تھا تب میں اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ اپنے خاندان میں ایک اضافے کی منتظر ہے۔ بہرحال وہ اب بالکل اچھی ہے۔

تم نے اپنے ۲۲ر نومبر کے خط میں لکھا تھا کہ جو کچھ روپیہ تمہارے پاس اس وقت موجود ہے اُس سے تم پندرھویں تک کام چلا لے جاؤ گے۔ میں نے ابھی ابھی جمنالال کا خط الٹ پلٹ کر دیکھا جو اتفاق سے اس وقت میرے پاس ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تین سو پاؤنڈ تم کو گیارھویں نومبر کو بھیج دیئے گئے۔ اس وقت تک روپے، تمہیں ضرور مل گئے ہوں گے اور میں اب اس کا فکر نہیں کرتا۔

اپنے آئندہ منصوبوں کے متعلق ابھی مجھے بڑا پس و پیش ہے مگر سچ پوچھو تو مجھے اپنے پچھلے خط کے بعد سے اب تک اُن کے متعلق کچھ غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ گوہاٹی کے بعد مجھے امید ہے کہ میں کسی قطعی نتیجے تک پہنچ جاؤں گا۔ اِس اثنا میں جو عارضی تجویزیں اس دریائی سفر کے دوران میں ذہن میں آئیں گی

اُن سے میں تم کو مطلع کروں گا۔ یہ سفر ابھی ایک ہفتہ اور جاری رہے گا۔

سب کے لئے پیار

تمھارا محبت آگیں

باپ

۴۸۔ از پنڈت موتی لعل نہرو

آسام میل

۳۰ر دسمبر ۱۹۲۶ء

عزیزی جواہر،

گوہاٹی سے واپس جاتے ہوئے میں تم کو یہ ایک مختصر سا خط بھیج رہا ہوں جس گاڑی سے میں سفر کر رہا ہوں اسی میں کانگریس کے نئے اور پچھلے صدر اور مندوبین کی ایک بڑی تعداد بھی ہے۔ گاڑی بڑی ہلنے والی اور بالکل بھری ہوئی ہے۔ یہ گاڑی غلام گردش والی یا گلیاری گاڑی ہے اور ہندوستان میں سب سے زیادہ آرام دہ گاڑی سمجھی جاتی ہے، مگر غلام گردش کے ہر گوشے میں پریس کے نامہ نگار حضرات جمے ہوئے ہیں اور ہم اپنی نشستوں پر بھی اُن سے محفوظ نہیں ہیں۔ دوسرے طویل اور مفصل خط کے لئے تم کو دوسری ڈاک کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اس درمیان میں اتنا بتادینا کافی ہوگا کہ گوہاٹی کانگریس توقع سے کہیں بڑھ کر کامیاب رہی۔ ہم تمام رجعت پسندوں کے مقابلے میں ایک چٹان کی طرح جمے رہے اور جو کچھ ہم چاہ رہے تھے بڑی بھاری اکثریت کے ساتھ منظور کرالائے۔

سوامی شردھانند کے قتل نے فرقہ وارانہ تلخی و ناگواری بڑھادی اور مختلف سمتوں سے انتقام کی کھلی کھلی دھمکیاں سنی جارہی ہیں مگر جس گوشے سے کسی واقعی خطرہ کا اندیشہ ہے وہ بنگال کے انقلابی ہیں جو اب بدقسمتی سے فرقہ واریت سے بہت بڑی حد تک متاثر ہو چکے ہیں۔

تمھارے پچھلے دو خطوں سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ کملا کی صحت برابر بہتر ہو رہی ہے۔ تم مظلوم قوموں کی انجمن میں کانگریس کے تنہا نمایندے مقرر کئے گئے ہو۔ اتنی مختصر اور کم مدتِ اطلاع پر کسی دوسرے سے کہا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ

اس مُؤتمر میں شریک ہو۔ تمھارے مصارفِ سفر کانگریس ادا کرے گی۔ رانگا سوامی نے تمھیں تار دے دیا ہے اور اسی ڈاک سے ضابطے کے خطوط بھی تم کو اور انجمن کے سکریٹری کو بھیجے جا رہے ہیں۔ باقی باتیں میرے دوسرے خط میں۔

تمھارا محبت کیش

باپ

۴۹۔ از مہاتما گاندھی

نندی ہل، ریاست میسور

۲۵ مئی ۱۹۲۷ء

عزیزی جواہر لعل،

مجھے تمھارا خط اُس وقت ملا جب میں بیماروں کی فہرست میں تھا اور زیادہ خط و کتابت نہیں کر سکتا تھا۔ میں اب بھی نقیہ ہوں اور تھوڑا ہی بہت کام کر سکتا ہوں مگر میں برابر روبصحت ہوں اور ترقّی کر رہا ہوں۔

تم کو تو اب وہاں بہت دن ہو گئے، مگر میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ وقت ضایع نہیں کیا ہے یہ ہر حال مجھے امید ہے کہ جب تم لوٹو گے تو کملا پوری طرح صحت یاب ہو چکی ہو گی۔ اگر اُس کی صحت اس سے زیادہ قیام کی متقضی ہوئی تو مجھے یقین ہے کہ تم وہاں اور ٹھیرو گے۔

مظلوم قوموں کی مؤتمر کی کارروائی سے متعلق تمھاری پبلک اور تمھاری نجی بصیغۂ راز، دونوں روداد یں میں نے نہایت غور سے پڑھیں۔ اگر اور کسی وجہ سے نہیں تو صرف اس وجہ سے کہ اس انجمن کے آزاد عمل کا انحصار خود انھی قوموں کی مرضی پر ہے جو ان مظلوم و مقہور قوموں کے لوٹنے کھسوٹنے میں شریک ہیں۔ میں خود اس انجمن سے کچھ زیادہ کی توقع نہیں رکھتا، اور میں محسوس کرتا ہوں کہ یورپی اقوام میں سے جو قومیں اس انجمن میں بطور رکن شریک ہوئی ہیں وہ آخری گرمی و حرارت کی برداشت کی تاب نہ لائیں گے۔ اِس لیے کہ یہ قومیں ایسی باتوں کی متحمل نہ ہوں گی جن کو وہ خود اپنے مفاد کے حق میں مضرت رساں دیکھیں گی۔ جہاں تک خود ہمارے ملک کا تعلق ہے، اس بات کا خطرہ ہے کہ ہماری قوم اپنی نجات و فلاح خود اپنی اندرونی قوتوں

کے سہارے حاصل کرنے کا عزم کر لینے کی بجائے پھر بیرونی قوتوں اور بیرونی مدد پر بھروسہ کرنے لگے گی۔ مگر یہ صرف ایک مدرسی اور طالب علمانہ خیال ہے۔ میں یوروپی معاملات پر مطلق کوئی غائر نظر نہیں رکھتا۔ تم وہاں موقعے پر موجود ہو اور تم وہاں کی فضا میں کوئی ایسا بے لوث اور بے غرضانہ تغیر پا سکتے ہو جس سے میں یہاں بالکل بے خبر ہوں۔

دوسرے اجلاس کانگریس کے لئے تمہارے صدر چنے جانے کی کچھ بات چیت ہو رہی ہے۔ میں والد سے اس مسئلے پر خط و کتابت کر رہا ہوں۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے ہندو مسلم سوال پر جو قرارداد متفقہ طور پر منظور کی ہے اس کے باوجود یہاں کا رنگ ڈھنگ اور یہاں کے آثار مطلق خوشگوار نہیں ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ سر پھٹول کا یہ طریقہ کسی طرح بھی روکا جا سکتا ہے۔ عوام پر اب ہمارا کوئی اثر نہیں رہ گیا ہے اور مجھ کو کچھ ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ اگر تم کانگریس کے صدر ہو گئے تو تم کم از کم ایک سال کے لئے بہر صورت عوام سے بالکل بے تعلق سے ہو جاؤ گے۔ اس کے بہرحال یہ معنی نہیں ہیں کہ کانگریس کا کام بٹے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ کسی نہ کسی کو یہ کام بھی کرنا ہی پڑے گا۔ مگر ہماری نگاہ میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اس کام کے کرنے پر آمادہ اور اس کے خواہش مند ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کی نیتیں صاف نہ ہوں اور وہ کچھ ملی جلی اغراض یا ذاتی اغراض کے پیشِ نظر اس کام کے آرزومند ہوں، مگر جو کچھ بھی ہو ایسے لوگ اتنا ضرور کریں گے کہ وہ کانگریس کو کسی نہ کسی صورت سے جاری و باقی رکھیں گے۔ یہ ادارہ ان لوگوں کی خواہش پر ہمیشہ ایسے لوگوں کے زیرِ اختیار رہے گا جو عوام میں کام کرنے کی صلاحیت و قابلیت رکھتے ہیں اور جو عوام کو اپنے زیرِ اثر لا چکے ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ تمہاری خدمات سے کام لینے کی سب سے بہتر صورت کیا ہو سکتی ہے۔ تم بتاؤ کہ خود تمہارے خیال میں اب تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

میں اتنا جانتا ہوں کہ تم آزادانہ اور بے لوث رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو اور تم دادا بھائی یا ماکسوینی کی طرح بالکل بے غرضانہ کہہ سکتے ہو کہ "تاج میرے سر پر رکھ دو" اور مجھے اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ وہ تمہارے سر پر رکھ دیا جائے گا۔ میرے لئے راستہ کچھ اتنا صاف اور روشن نہیں ہے کہ مجھ سے یہ تاج زبردستی تمہارے سر پر رکھوا دے اور میں اس تاج کے قبول کر لینے پر تمہیں مجبور کرنا شروع

کر دوں۔ اگر اب تک والد تمھیں نہیں لکھ سکے ہیں تو اس ڈاک سے وہ بھی تمھیں لکھیں گے۔ میں اس خط کی ایک نقل اُن کو بھیج رہا ہوں۔

تمھارے لئے بھی اچھا ہوگا اگر اپنی خواہشوں سے تم بذریعۂ تار مطلع کر دو۔ میں بنگلور میں غالباً اخیر جولائی تک رہوں گا۔ اس لئے تم تار براہِ راست بنگلور کے پتے پر دو، یا قطعی طور پر مطمئن ہو جانا چاہو تو آشرم کے پتے پر دو، میں جہاں بھی ہوں گا یہ تار مجھ کو پہنچ جائے گا۔

سب کے لئے محبت اور پیار

تمھارا

ایم۔ کے۔ گاندھی

۵۰۔ از مہاتما گاندھی،

(میں دسمبر ۱۹۲۷ء میں یورپ سے واپس آیا اور سیدھا انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاسِ مدراس میں پہنچا۔ یہاں میری تحریک پر کئی قرار دادیں منظور ہوئیں۔ میری کچھ سرگرمیوں سے مہاتما جی خوش نہیں ہوئے اور نہ اُن کو انھوں نے پسند فرمایا۔ یہ خط اسی موقع پر اُنھوں نے تحریر فرمایا۔)

ستیہ گرہ آشرم، سابرمتی

۴ر جنوری ۱۹۲۸ء

(نظر ثانی نہیں کی گئی)

میرے عزیز جواہر لعل،

میں محسوس کرتا ہوں کہ تم کو مجھ سے اتنی گہری محبت ہے کہ جو کچھ میں تمھیں لکھ رہا ہوں اس سے تم خفا نہ ہو گے۔ بہ ہر صورت مجھے بھی تم سے اتنی محبت ہے کہ میں اپنا قلم قابو میں نہیں رکھ سکتا جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ضرور لکھنا چاہیے۔

تم بہت تیز جا رہے ہو۔ تمھیں غور و فکر اور ملک کی آب و ہوا سے مناسبت پیدا کر لینے کے لئے وقت کی ضرورت تھی۔ جو قرار دادیں تم نے ترتیب دیں اور منظور کرا لیں اُن میں بہت سی ایسی تھیں جن کو ایک سال تک ملتوی رکھا جا سکتا تھا۔ تمھارا "جمہوری فوج" میں کود پڑنا ایک عاجلانہ اقدام تھا۔ مجھے تمھارے ان کاموں کا اتنا فکر نہیں ہے

جتنا تمہاری فتنہ پردازوں اور شہدوں کی ہمت افزائی و جرأت آموزی کا فکر ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم اب بھی خالص و بے آمیز عدم تشدّد پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔ مگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ تم نے اپنی رائیں بدل ڈالی ہیں تب بھی تمہارا یہ خیال تو نہیں ہو سکتا کہ بے لگام اور مطلق العنان تشدّد ملک کا ضامن ہو سکتا ہے۔ اگر تمہارے یورپی تجربوں کی روشنی میں اس ملک کے حالات کا ایک غائر مطالعہ تمھیں مطمئن کر دے کہ ہمارے موجودہ طریقِ کار اور وسائلِ عمل غلط ہیں تو تم ضرور اپنی رایوں کے نفاذ پر زور دو مگر اتنا تو کرو کہ ایک منضبط اور منظم پارٹی قائم کرو۔ کانپور کے تجربے تمھیں یاد ہوں گے۔ ہر کشمکش میں کام کرنے والوں کے ایسے گروہ مطلوب ہوا کرتے ہیں جو ہمیشہ نظم و انضباط کا لحاظ رکھیں۔ ایسا دکھائی دے رہا ہے جیسے تم اس حقیقت یا عامل کو نظر انداز کیے دے رہے ہو اور اپنے آلاتِ عمل کے متعلق بے پروا سے ہو۔

اگر میں تمھیں کوئی مشورہ دینے کا حق رکھتا ہوں تو میں تمھیں مشورہ دوں گا کہ اب جب کہ تم انڈین نیشنل کانگریس کے کارکن سکریٹری ہو تمہارا فرض ہے کہ اپنی تمام قوتیں مرکزی قرارداد یعنی اتحاد اور اہم مگر ثانوی قرارداد یعنی سائمن کمیشن کے مقاطعہ پر مرتکز کر دو۔ اتحاد والی قرارداد کو تمہاری تنظیم و تفہیم کی جملہ عظیم الشان خداداد قابلیتوں کی ضرورت ہے۔

میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے کہ میں اپنی خاص اور اہم باتیں پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کروں مگر عقلمنداں را اشارہ کافی است۔

مجھے امید ہے کہ کملا ویسی ہی تندرست ہو گی جیسی وہ یورپ میں تھی۔

تمہارا

باپو

۵۱۔ از مہاتما گاندھی

سابرمتی آشرم، ۱۷؍ جنوری ۱۹۲۸ء

عزیزی جواہر،

میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ اپنا خط اب میں دوسرے سے لکھواؤں، کچھ وقت بچاؤں اور اپنے دُکھتے کندھے کو آرام دوں۔ میں نے اتوار کو تمھیں

فنر براک وسے کے متعلق لکھا تھا۔ مجھے امید ہے کہ یہ خط تمھیں ٹھیک وقت پر مل گیا ہوگا۔ جانتے ہو وہ مقالے جن پر تم نے تنقید کی ہے میں نے کیوں لکھے؟ اس لئے لکھے کہ اُن میں جن معاملات کا ذکر ہے اُن میں نمایاں اور خاص طور پر حصّہ لینے والے تم تھے، نام نہاد "کُل ہند نمائش" کا ذکر جس مقالے میں ہے اُس کا البتہ تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں ایک قسم کا اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ میرے تمھارے درمیان جس قسم کے روابط ہیں اُن کے پیشِ نظر یہ مقالے اُسی رنگ میں لئے جائیں گے جس رنگ میں لکھے گئے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ میرے یہ نشانے ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے خطا گئے۔ مجھ کو اس بات کا کوئی فکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ ایک ظاہر اور کھُلی ہوئی بات ہے کہ یہ مقالے ہی تنہا تمھیں اپنے آپ کو دبا دبا کر رکھنے کی اُس کیفیت سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں جس میں تم سالہا سال سے نمایاں طور پر مبتلا ہو۔ میں نے اپنے اور تمھارے نقطۂ نگاہ کے بعض اختلافات محسوس کرنے ضرور شروع کر دیے تھے۔ مگر مجھ کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ یہ اختلافات اس حد تک شدید اور عمیق ہیں۔ جب تم قوم کی خاطر اپنے آپ کو اس جانبازی و مردانگی کے ساتھ دبائے ہوئے اس ایمان و عقیدہ کے ساتھ اپنے فرائض کی ادائی میں سرگرم تھے کہ اپنے مخصوص نقطۂ نظر کے علی الرغم بھی میرے ساتھ اور میرے ماتحت کام کرتے رہوگے تو قوم کی خدمت بھی کروگے اور اس کشمکش سے بے داغ باہر بھی آجاؤ گے تب تم اس ایثار و قربانی کے باوجود بھی اپنے آپ کو غیر فطری طور پر رکے ہوئے اور دبائے ہوئے رکھنے کے بار جُزبُز رہا کرتے تھے۔ اور جب تم اس حال میں مبتلا تھے تب تم انہی باتوں کو نظرانداز کر گئے جو اب تم کو میرے سنگین نقائص کی شکل میں دکھائی دے رہی ہیں۔ ینگ انڈیا کے صفحات سے میں تم کو ایسے ہی سخت مقالے دکھا سکتا ہوں جو میں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کارروائیوں سے متعلق اس وقت لکھے تھے جب میں عملی طور پر کانگریس کی قیادت کر رہا تھا۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسوں میں بھی میں نے ایسی ہی سخت تقریریں کی ہیں جب کبھی کوئی غیر ذمہ دارانہ اور عاجلانہ تقریر یا کارروائی میرے سامنے آئی ہے۔ مگر جب تک تم مسحور و مدہوش سے رہے یہ باتیں جو اب تم کو کھٹک رہی اور ناگوار گزر رہی ہیں اُس وقت وہ نہ کھٹکیں اور نہ ناگوار گزریں۔ اس لئے تمھارے خط کے اندر جو تناقضات پائے جاتے

ہیں۔ اُن کی طرف تم کو متوجہ کرنا مجھے بے سود دکھائی دے رہا ہے۔ اب جس بات کا مجھے فکر ہے وہ آئندہ کا عمل اور کام ہے۔

اگر تم مجھ سے کوئی آزادی طلب کرتے ہو تو میں تم کو اُس خاکسارانہ اور بے چون وچرا اطاعت و فرماں برداری سے اس حد تک آزادی اور حریت دیتا ہوں جس حد تک تم کو اس کی ضرورت ہے۔ تم نے سالوں میری ایسی ہی اطاعت کی ہے اور اب کہ مجھ کو تمھاری قلبی و دماغی کیفیت کا علم ہو چکا ہے تمھاری اس وفا و اطاعت کی قیمت میری نگاہوں میں اور بڑھ گئی ہے۔ میں صاف طور پر دیکھ رہا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ تم کو میرے اور میرے افکار کے خلاف کُھل کر میدان میں آجانا چاہیے۔ اس لئے کہ اگر میں برسرِ غلط ہوں تو ملک کو میں ایک ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا رہا ہوں یہ ایک کھلی ہوئی اور ظاہر سی بات ہے۔ اور میرا برسرِ غلط ہونا جان لینے کے بعد تمھارا فرض ہے کہ میرے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کردو۔ یا اگر تمھیں اُن نتائج کی صحت کی نسبت کوئی شک وشبہ ہے جو تم نے اخذ کئے ہیں تو میں بڑی خوشی کے ساتھ اِن نتائج پر تمھارے ساتھ بیٹھ کر غور و فکر کرنے کو تیار ہوں۔

جو اختلافات میرے اور تمھارے درمیان ہیں وہ مجھ کو اتنے وسیع اور اصولی و بنیادی نظر آرہے ہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان کوئی چیز بطورِ قدرِ مشترک یا مافیہ الاتفاق دکھائی ہی نہیں دیتی۔ میں تم سے اپنے اس رنج و غم کو نہیں چھپا سکتا کہ میں ایک ایسا بہادر، ایسا وفادار، ایسا لائق اور ایسا ایمان دار رفیقِ کار کھو دوں گا جیسے کہ تم ہمیشہ ثابت ہوئے ہو مگر جب لڑائی کسی مقصد کے لئے ہوتی ہے تو رفاقتیں مقاصد پر قربان کر ہی دی جایا کرتی ہیں۔ مقصد یا مقاصد کو ایسے اعتبارات سے بالاتر رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ مگر رفاقت کے اس انحلال و اختتام کا کوئی اثر ——— اگر یہ انحلال و اختتام رفاقت ضروری و ناگزیر ہی ٹھیر جائے ——— ہمارے نجی اور ذاتی تعلقات و روابط پر نہ پڑے گا۔ ہم ایک زمانے سے ایک کنبے یا گھرانے کے افراد جیسے ہو گئے ہیں۔ اور ہم گہرے اور سنگین سیاسی اختلافات کے باوجود بھی ایسے ہی رہیں گے۔ میں خوش قسمتی سے ایسے ہی تعلقات کچھ اور لوگوں کے ساتھ بھی رکھتا ہوں۔ مثال کے طور پر شاستری ہی کو لو میرے اور ان کے درمیان

سیاسی فکر و نظریں ، قطبین کی دوری ہے ، مگر میرا اُن کا ذاتی رشتہ و تعلق جو ان سیاسی اختلافات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے قائم ہوا ابتلاؤ آزمائش کے اُن آتشیں دوروں میں بھی باقی و سلامت رہا جن سے اُس کو گزرنا پڑا۔

اپنا علَم لہرانے کا ایک باعزت طریقہ میں تمھیں بتاؤں ۔ تم مجھے ایک خط لکھو۔ اس خط میں اپنے اختلافات بیان کرو اور مجھے اس خط کی اشاعت کی اجازت دیدو۔ میں تمھارا یہ خط ینگ انڈیا میں چھاپ دوں گا اور اُس کے نیچے ایک مختصر سا جواب لکھدوں گا ۔ تمھارا پہلا خط تو پڑھ لینے اور اُس کا جواب لکھدینے کے بعد میں نے تلف کر دیا تھا ۔ مگر دوسرا خط محفوظ ہے ، اگر تم ایک اور خط لکھنے کی زحمت سے بچنا چاہو تو میں اسی خط کے چھاپ دینے پر آمادہ ہوں ۔ میں نے تمھارے اس خط میں کوئی ناگوار بات نہیں پائی ۔ لیکن اگر کوئی ایسی ناگوار بات یا ٹکڑا میں نے اِس خط میں پایا تو تم مجھ پر اعتماد کرو کہ میں ہر ایسی بات یا ٹکڑے کو خط سے نکال دوں گا ۔ میں اِس خط کو ایک کھلی ہوئی ، صاف اور ایماندارانہ دستاویز پاتا ہوں ۔

محبّت اور پیار کے ساتھ

باپو

۵۲ ۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام مہاتما گاندھی ،

۱۱ر جولائی ۱۹۲۸ء

محترم مہاتما جی ،

میں آخر کار اب یہ کہنے کے قابل ہوں کہ کمیٹی کی رپورٹ سے متعلق ایک قسم کا باہم اتفاق ہو گیا ہے ۔ یہ اتفاق نہ تو کامل ہے اور نہ مخلصانہ ۔ مگر ایک ایسی چیز ضرور ہے جس کی تائید و حمایت ہم کُل جماعتی مؤتمر میں بھی کر سکتے ہیں اور عموماً پورے ملک کے سامنے بھی ۔ میں ایک نقل کمیٹی کی آخری مراحل کی روداد کی آپ کو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں ۔ اس روداد سے ایک ذہنی خاکہ ہمارے اُس طرز کار کا آپ کے سامنے آجائے گا جو ہم نے نزاعی نکات سے نپٹنے میں اختیار کیا ۔ کمیٹی کے تمام ارکان اپنے اپنے گھروں کی راہ لے چکے ہیں اور سب مجھے اور جواہر کو تنہا چھوڑ گئے ہیں کہ ہم کمیٹی کی رپورٹ تیار کر ڈالیں چنانچہ ہم باپ بیٹے اس کام پر سخت محنت کر رہے ہیں ۔

آپ کو اخبارات سے معلوم ہوا ہوگا کہ میں نے کناڈا جانے والے وفد کی ممبری سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر میں کہیں باہر چلا گیا تو کُل جماعتی مؤتمر میں ہماری کمیٹی کی رپورٹ کی منظوری کے جو تھوڑے بہت امکانات ہیں وہ اور بھی کم ہو جائیں گے۔

اب سوال آتا ہے تاج کا۔ مجھ کو صاف نظر آ رہا ہے کہ اس وقت کے ہیرو وَلبھ بھائی ہیں۔ اُن کی قومی خدمات کی قدر شناسی کے طور پر کم از کم جو ہم کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ تاج اُن کے سر پر رکھ دیں۔ اگر وہ اس عزّت کو قبول نہ کریں تو پھر میرا خیال ہے کہ ہر حال میں دوسرا بہترین انتخاب جواہر لعل کا ہوگا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ جواہر نے اپنی صاف بیانی سے بہت سے مدّعیانِ نیکی و پارسائی کو خوف زدہ سا کر دیا ہے۔ لیکن وقت آ گیا ہے کہ زیادہ مستعد، سرگرم اور زیادہ مضبوط ارادوں کے کام کرنے والوں کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق اپنے طریقوں پر ملک کی سیاسی سرگرمیوں کی رہبری کریں۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ جس طبقے سے میرا آپ کا تعلق ہے وہ طبقہ اس طبقے کے لوگوں سے کچھ اختلافات رکھتا ہے مگر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی رائیں زبردستی اس طبقے کے سر منڈھتے ہی رہیں۔ ہماری آپ کی نسل تو اب بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہی ہے، اور دیر سویر ہماری اس جنگ کو جواہر ہی کی قسم کے لوگوں کو جاری رکھنا پڑے گا۔ یہ لوگ اب جس قدر جلد کام شروع کر دیں اتنا ہی بہتر ہے۔

جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اپنی ذات پر جو اعتماد اور بھروسا تھا اُس کا بڑا حصّہ میں کھو چکا ہوں اور ازکارِ رفتہ سی قوّت ہو کر رہ گیا ہوں۔ خود تخت کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اہمیت وہ قوّت رکھتی ہے جو تخت کی پشت پر ہوا کرتی ہے۔ اور اب آپ کی ذاتِ گرامی کے سوا مجھے کوئی بڑی قوّت ایسی نظر نہیں آتی جس پر میں تکیہ و اعتماد کر سکوں۔ آپ کے ایماء کے مطابق میں نے اپنے خیالات عرض کر دئے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

۵۳۔ از جے۔ ایم سین گپتا بنام پنڈت موتی لعل نہرو

دجے۔ ایم سین گپتا بنگال کے سرکردہ کانگریسی رہنماؤں میں شمار کئے جاتے تھے اور کانگریس کا آئندہ اجلاس کلکتے میں منعقد ہو رہا تھا،

۱۰/۴۱ ایلگن روڈ
کلکتہ، ۱۷ر جولائی ۱۹۲۸ء

میرے محترم پنڈت جی،

کل مجھے مہاتما جی کا ایک تار ملا جس سے معلوم ہوا کہ آپ کانگریس کے آئندہ اجلاس کی صدارت کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ اس خبر سے مجھے ایک صدمہ سا پہنچا۔ میں نے فوراً ہی اپنے تمام دوستوں سے مشورہ کیا اور ہم سب نے بہ اتفاق فیصلہ کیا کہ مہاتما جی کے تار کا جواب تار سے دیا جائے، اور اُن سے درخواست کی جائے کہ وہ آپ کو کانگریس کی صدارت قبول کرنے پر بزور آمادہ کریں۔

یہ ہمارے کترا کے کنارہ گیر ہو جانے یا پس و پیش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ہم آپ ہی کو چاہتے ہیں اور آپ سے صدارت قبول کرا کے چھوڑیں گے۔ آپ ضرور آئیں اور ملک اور بیرونِ ملک کے اس سیاسی بحران میں ہماری رہبری کریں۔ صوبوں کی اکثریت نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ وہ آپ ہی کو چاہتے ہیں۔ چار یا پانچ صوبوں نے تو صدارت کے لئے ایک ہی نام بھیجا ہے اور وہ آپ کا نام نامی ہے۔ یہ پہلا یا ابتدائی چناؤ تھا۔ یہ صوبے چاہتے تو کچھ اور ناموں کا اضافہ بھی کر سکتے تھے۔ مگر کسی نے اِن میں سے ایسا نہیں کیا۔

بنگال آپ کی نسبت یک آواز ہے اس لئے کہ آپ ہمارے لئے ناگزیر ہیں۔ میں ایک باپ کے احساسات اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں جب کہ اُس کا بیٹا بھی میدان میں ہو۔ مگر ہم میں سے اکثر آپ کے بیٹے کی جگہ ہیں۔ اس لئے آپ ہمیں معاف فرمادیں گے اگر ہم آپ کو اتنا مجبور کر رہے ہیں۔ اِس صدارت کے قبول فرما لینے میں آپ کو جو تردد وانکار ہے اس کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں آپ کو ہمیں مایوس نہ کرنا پڑے گا۔ میں اپنا معاملہ اور زیادہ پُرزور طریقے پر کیسے رکھ سکتا ہوں۔

میں نے مہاتما جی کو آج ایک طویل خط لکھا ہے نقل آپ کو بھی بھیج رہا ہوں۔
ازراہِ کرم ایک سطر لکھ بھیجیے کہ سب ٹھیک ہے۔

آپ کا مخلص
جے۔ ایم سین گپتا

۵۴۔ از سُبھاش چندر بوس بنام پنڈت موتی لعل نہرو
وُڈ بَرن پارک، کلکتہ
۱۸؍ جولائی ۱۹۲۹ء

میرے محترم پنڈت جی،

کل صبح میں نے آپ کو ایک تار کانگریس کی صدارت سے متعلق دیا تھا اور شبِ گزشتہ مجھے اُس کا جواب ملا۔

میں عرض نہیں کر سکتا کہ پورے بنگال کو کس قدر مایوسی ہوگی اگر آپ نے کسی وجہ سے کانگریس کی صدارت کے قبول کرنے سے انکار فرما دیا۔ جن اسباب کی بناء پر آپ کا نامِ نامی اِس صوبے کے لئے قابلِ قبول ہے اُن میں ایک سبب آپ کا وہ گہرا تعلق و ارتباط ہے جو آپ کو سوراج پارٹی کے کام اور اُس کی پالیسی سے رہا ہے۔ میں دوسرے صوبوں کا ذکر نہ کروں گا، مگر مجھے اس امر کا تقریباً یقین ہے کہ جب آخری نامزدگی عمل میں آئے گی تب آپ دیکھیں گے کہ پورا ملک آپ کے انتخاب کی تائید کر رہا ہے۔

آج صورتِ حالِ ملک کی کچھ ایسی ہے اور آنے والا ۱۹۲۹ء ہمارے ملک کی تاریخ میں کچھ اِس درجہ اہم ہوگا کہ ہم دوسرے کسی ایسے شخص کا تصور ہی نہیں کر سکتے جو وقت کا تقاضا پورا کرنے کی ہمت یا سکت رکھتا ہو۔ ہم نے کچھ دوسرے متبادل نام سُنے ہیں جو زیرِ تجویز ہیں اور اگر حالات کچھ اور ہوتے تو وہ ضرور قابلِ غور ہوتے مگر جب سخت کوششیں اس بات کی ہو رہی ہیں کہ مختلف پارٹیوں کے درمیان ایک سمجھوتا سا ہو جائے اور دستورِ اساسی کا ایک ایسا مسودہ ترتیب دیا جائے جسے تمام پارٹیاں قبول کر لیں تو پھر ایسی صورت میں ان متبادل ناموں میں سے

کوئی نام قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر میں یہ عرض کروں کہ اگر کسی وجہ سے آپ نے صدارت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس صوبے میں حالت اس درجہ خطرناک ہو جائے گی کہ اُس کا بڑا گہرا اثر اجلاس کی کامیابی پر پڑے گا تو میری اِس گزارش میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ ایک ایسے وقت میں جب کہ ہم ایک نازک صورتِ حال سے گزر رہے ہیں کیا ہم یہ امید نہ کریں کہ آپ قوم کی پُکار سنیں گے۔

عمیق جذباتِ احترام کے ساتھ

میں ہوں

آپ کا احترام کرنے والا

سبھاش سی۔ بوس

تکملہ: آپ کا تار ضلع بورڈوں کے رائے دہندگان کی مجموعی تعداد کی نسبت مجھے مل گیا ہے اور میں اس تعداد کے فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر اِس کوشش میں میں شاید ہی کامیاب ہو سکوں۔ مختلف اضلاع سے رائے دہندوں کی فہرستوں کا اکٹھا کرنا اور پھر اُن سے رائے دہندوں کے اعداد و شمار کا یک جا کرنا بڑا دیر طلب کام ہے اور اس میں خاصا وقت لگے گا۔

سُبھاش

۵۵۔ از پنڈت موتی لعل نہرو، بنام جے۔ ایم سین گپتا و سُبھاش چندر بوس

آنند بھون الہ آباد

۱۹ جولائی ۱۹۲۸ء

آپ کا خط مجھے ابھی ابھی ملا ہے۔ میں نے آپ کو تار سے مطلع کر دیا ہے کہ جواب فوراً لکھوں گا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ صورتِ حال بالکل غلط سمجھے جیسا کہ میں نے اپنے تار میں عرض کیا ہے یہاں نہ کوئی جذباتی سوال باپ بیٹے کا ہے اور نہ یہ سوال ہے کہ باپ کے حق میں اپنا نام واپس لے لینے کے لئے بیٹے کو راضی کرنا پڑے گا۔ سوال صرف یہ ہے کہ ملک کی سب سے بہتر خدمت کیوں کر کی جا سکتی ہے۔ باپ بیٹے دونوں کی نظر میں یہی ایک سوال وزن اور اہمیت رکھتا ہے۔ جواہر نے ایک لمحے کے لئے بھی کبھی اس خیال کو اپنے دماغ میں جگہ نہیں دی کہ وہ کہا تا جی

کے لفظوں میں، اپنے سر پر تاج رکھے گا۔ جواہر کو کانگریس کی کرسیِ صدارت پر بٹھانے کا خیال میرا ایک پرانا خیال ہے جس کو اس بات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں نے سال گزشتہ ہی اپنا یہ خیال اُس وقت مہاتما جی کے گوش گزار کر دیا تھا جب ڈاکٹر انصاری صدر منتخب ہوئے تھے۔ خود ڈاکٹر انصاری بھی یہی چاہتے تھے کہ اجلاسِ مدراس کی صدارت جواہر کرے مگر جواہر نے اس عزت کے قبول کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

پھر پچھلے ماہ جب میری کمیٹی کے جلسے نہیں ہو رہے تھے مہاتما جی نے آئندہ اجلاسِ کلکتہ کی صدارت سے متعلق مجھے ایک خط لکھا اور بتایا کہ سین گپتا نے اپنے خط میں صدارت کے لئے میرا نام تجویز کیا ہے۔ مہاتما جی نے اپنے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ وہ کمیٹی جس کی صدارت کے فرائض میں انجام دے رہا ہوں اگر کوئی معقول اور اہم سی چیز وجود میں لا سکی تو میرے لئے اس تاج کا قبول کر لینا اور بھی مناسب ہوگا۔ میں نے اِس خط کے جواب میں مہاتما جی کو لکھا کہ اس امر کا امکان بہت کم ہے کہ میری یہ کمیٹی کسی متفقہ فیصلے تک پہنچ پائے اور اگر وہ کسی متفقہ فیصلے تک نہ پہنچ پائی تو پھر میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں میرے لئے کوئی کام نہیں ہے۔ آٹھویں جولائی تک بات اِس نقطے سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ میری کمیٹی قضارا ایک قسم کے مشترک اور متفقہ سمجھوتے تک پہنچ گئی اور میں نے مہاتما جی کو پھر خط لکھا۔ کاش اس وقت میرے پاس اِس خط کی کوئی نقل موجود ہوتی اور میں یہ نقل تمہیں بھیج دیتا مگر جب کہ اس خط کی کوئی نقل موجود نہیں ہے میں اپنے حافظے سے اس خط کا مضمون دُہرانے کی سعی کروں گا۔ میں نے لکھا تھا کہ اس وقت ملک کے ہیرو ولبھ بھائی پٹیل ہیں اور پہلا موقع انہی کو دیا جانا چاہیے۔ وہ اگر ہمیں نہ مل سکیں تو پھر دوسرا بہترین انتخاب جواہر لعل کا ہوگا۔ میں نے اپنی اس رائے کی جو وجہ لکھی تھی وہ یہ تھی کہ میری قسم کے لوگ اپنے کام کے دن گزار چکے اور اب وقت آگیا ہے کہ ملک کی سرگرمیوں کی رہبری و قیادت نوجوانوں کے حوالے کر دی جائے۔ ہم ہمیشہ زندہ نہ رہیں گے۔ دیر یا سویر انہی نوجوانوں کو یہ تماشا جاری رکھنا پڑے گا۔ بہت اچھا ہوگا کہ یہ لوگ ہم لوگوں کے مر کھپ جانے سے پہلے ہی ہماری موجودگی میں

کام شروع کریں۔ میں نے اپنے متعلق لکھا تھا کہ میں تو اب تقریباً اک ایسی قوت رہ گیا ہوں جو اپنا زور ختم کر چکی ہے اور اپنے آپ کو تابہ معیار نہیں محسوس کرتا۔ میں نے جواہر کا نام پیش کرنے اور اُس کے انتخاب کی سفارش کرنے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ جہاں تک میرا خیال ہے نوجوانوں میں اغلب یہ ہے کہ اکثریت سب سے زیادہ اعتماد جواہر پر کرے گی۔ اور میرا یہ خیال اب درست بھی ثابت ہو رہا ہے دیکھیے میرا اور اُس کا نام تقریباً بہ یک نفس لیا جا رہا ہے۔ مہاتما جی نے میرے خط کا جواب تار سے دیا اور لکھا کہ مجھ کو تم سے اتفاق ہے اور میں ینگ انڈیا میں جواہر کی تائید کروں گا۔ مجھ کو یقین کامل تھا کہ جواہر فوراً اپنا نام واپس لے گا اس لئے میں نے بہ طور پیش بندی جواہر کو مسوری میں مؤکد احکام بھیج دئے کہ خبردار، میری اجازت کے بغیر جلدی میں کوئی بات پریس کو بھیج دینے کی بیوقوفی نہ کر بیٹھنا۔ یہ ہے پوری داستان۔ میں نے اپنے اس جواب کی نقل کے ساتھ آپ کے خطوط کی نقلیں بھی مہاتما جی کو بھیج دی ہیں اور معاملہ اُن کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا ہے۔

یہ میرا اور جواہر کا سوال ہرگز نہیں ہے۔ سوال سارا یہ ہے کہ صورت حال کا تقاضہ کیا ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ جو کچھ آپ لوگ کہہ رہے ہیں وہ بھی ایک بڑی حد تک درست ہے، مگر میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت ملک کو ایک مضبوط آگے بڑھنے کا سودا رکھنے والی پارٹی کی ضرورت ہے جو بہ ہر قیمت معاملات کو دھر تک پہنچا دینے کے لئے تیار ہو۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ اس پارٹی کو اتنے وسیع اختیارات حاصل ہوں کہ وہی آگے بھی اس کشمکش میں ملک کی رہبری و قیادت اپنے ہاتھوں میں رکھتی ہو۔ کامل آزادی کا مطالبہ چھوڑ کر چپکے سے نوآبادیاتی درجہ قبول کر لینے پر راضی ہو جانا کانگریس کا مضحکہ اُڑوا دے گا۔ جو کچھ میں دُنیا کو دکھا دینا چاہتا ہوں، اور میرا ایمان ہے کہ واقعہ بھی یہی ہے، وہ یہ ہے کہ ملک اب کوئی مزید لغو دہمل بات برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے، اور اگر تمام پارٹیوں کا کم سے کم مشترک مطالبہ فوراً بغیر کسی تاخیر کے تسلیم نہیں کر لیا جاتا تو جو پارٹیاں آج اسی مطالبے سے متفق ہیں وہ اس مطالبے کو چھوڑ کر زیادہ مضبوط اور زوردار پارٹی کے ساتھ

ہو جائیں گی۔ میرا ایمان ہے کہ ملک کا اس وقت جو مزاج ہے اُس کے پیشِ نظر کانگریس کے دوسرے اجلاس میں اس نام نہاد متفقہ دستورِ اساسی کو منظور کرا لے جانا کوئی آسان کام نہ ہوگا، اور اگر وہ منظور کر بھی لیا گیا، جیسا کہ گمانِ غالب ہے، تو یہ صرف اُن شخصیتوں کے دباؤ کا نتیجہ ہوگا جو اُس کی تائید کر رہی ہیں، نوجوان طبقہ کی سوچی سمجھی ہوئی رائے کا نتیجہ نہ ہوگا۔ بہر صورت باپ ہو خواہ بیٹا دونوں ملک کے خدمت گزار ہیں۔ صدارت کی کرسی کس کے حصّے میں آتی ہے، اِس کی اُن کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ سوال صرف اس قدر ہے کہ ملک کے حق میں بہتر کیا ہے۔

جب یہ تمام خط و کتابت مہاتما جی کے سامنے ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ صحیح فیصلہ کریں گے اور جو فیصلہ وہ کریں گے وہ میرے سر و چشم پر ہوگا۔

موتی لعل نہرو

۵۶۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام مہاتما گاندھی

آنند بھون، الہ آباد،

۱۹ر جولائی ۱۹۲۸ء

میرے محترم مہاتما جی

جو مراسلت اس خط کے ہمراہ ہے وہ کسی شرح و بیان کی محتاج نہیں۔ جواہر، کملا اور اندو کے قیام کے انتظام کی غرض سے مسوری گئے ہوئے ہیں۔ مگر جیسا کہ میرے اُس خط کی نقل سے ظاہر ہوگا جو میں نے سین گپتا کو لکھا ہے، جواہر کو سخت تاکید کر دی گئی ہے کہ اپنی زبان بند رکھیں۔ سین گپتا نے آپ سے درخواست کی ہے کہ آپ جواہر کو سمجھائیں کہ وہ اپنا نام میرے حق میں واپس لے لیں۔ یہ درخواست مجھے پسند آئی۔ مگر میرا خیال ہے کہ جواہر کو اگر سمجھانا پڑے گا تو اس بات کے لئے نہیں کہ وہ اپنا نام واپس لے لیں بلکہ اِس بات کے لئے کہ وہ اپنا نام واپس نہ لیں اور اس بات کے لئے اُن کو بہت زیادہ سمجھانے کی ضرورت ہوگی۔

میں کمیٹی کی رپورٹ مرتب کرنے پر سخت محنت کر رہا ہوں۔ جواہر میرے لئے بہت سی مفصّل یادداشتیں چھوڑ گئے ہیں۔ مگر رپورٹ لکھواتے وقت قدم قدم پر

ایسے نکات یا مسائل رُونما ہو جاتے ہیں جن کی پیش بینی نہ جواہر کر سکے اور نہ میں۔ اور یہ دشواریاں اس لئے پیش آرہی ہیں کہ کمیٹی کے فیصلوں کی عبارت پر دھیان نہیں دیا گیا۔ یہ فیصلے کمیٹی کی لمبی لمبی نشستوں کے اخیر میں لکھوائے جایا کرتے تھے جب کمیٹی کے ارکان اتنے تھکے ہوئے ہوتے تھے کہ کسی میں فیصلوں کی عبارت کی نوک پلک درست کرا دینے کی سکت باقی نہیں رہا کرتی تھی۔ کمیٹی کے تمام ارکان اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے ہیں، مجھے اب اُن کی طرف بار بار اس غرض سے رجوع کرنا پڑ رہا ہے کہ اُن کے مُراد لئے ہوئے معانی یقین کے ساتھ متعین ہو جائیں یا یہ کہنا زیادہ درست اور صحیح ہوگا کہ مجھے اب اُن کی طرف بار بار اس غرض سے رجوع کرنا پڑ رہا ہے کہ میں اُن کو اپنے سمجھے ہوئے معانی کے مان لینے پر آمادہ کروں، اور اب تک یہ لوگ میرے ہی سمجھے ہوئے معانی بغیر کسی پس و پیش کے تسلیم کرتے رہے ہیں اخیر میں جو باتیں میں نے اُن سے پوچھی ہیں اُن کے متعلق ان کے جوابات کا انتظار ہے۔ جیسے ہی یہ جوابات موصول ہوں گے رپورٹ کا مسودہ کمیٹی کے ارکان کے درمیان گشت کرا دیا جائے گا۔

باردولی میں نیز باردولی کے گرد و پیش جو کچھ پیش آرہا ہے میں اُس کا تتبع بڑے غور و فکر کے ساتھ کر رہا ہوں مگر اس وقت میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ اس معاملے میں مجھ سے کیا خدمت بن آسکتی ہے۔

ازراہِ کرم اس خط و کتابت پر جو میں اپنے اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں نیز اُن اطلاعات پر جو آپ کو اور مقامات سے پہنچی ہوں غور فرما لینے کے بعد "تاج" سے متعلق آپ کا جو فیصلہ ہو اُس سے بذریعہ تار مطلع فرمائیں۔

آپ کا مخلص

موتی لعل۔

۵۷۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام اینی بیسنٹ

الہ آباد، ۳۰ ستمبر ۱۹۲۸ء

محترمہ ڈاکٹر بیسنٹ

اسمبلی کا مختصر اور پُرخروش اجلاس ختم ہو گیا۔ اور میں الہ آباد واپس آگیا ہوں،

تاکہ میں اپنی تمام تر توجہ اُس کام پر دوں جو کُل جماعتی مؤتمر نے ہمارے سپرد کیا ہے۔

آپ کے جو تار شملے میں مجھے ملے وہ بڑے ہمّت افزا تھے۔ آپ نے اب تک جو کام انجام دیا ہے وہ خوب ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اسی طرح برابر کام کرتی رہیں گی اور اُسی کامیابی کے ساتھ جو اب تک آپ کی مساعی کی ہر کاب بہم عناں رہی ہے۔ صوبائی کُل جماعتی مؤتمر کی تجویز بہت مناسب ہے اور اب میں ایسے اقدامات کر رہا ہوں کہ دوسرے صوبوں میں بھی اس تجویز پر عمل ہو۔ چونکہ سر تیج بہادر سپرو مؤتمر میں موجود ہوں گے اس لئے میں نے اپنا مدراس آنا سر دست ملتوی کر دیا ہے۔ میں نے اب تک اپنا کوئی پروگرام طے نہیں کیا ہے اس لئے کہ ابھی مجھے بہت سے ابتدائی کام انجام دینے ہیں، جن میں اتنا سرمایہ فراہم کر لینا جو تمام صوبوں میں کام جاری کر دینے کے لئے کافی ہو، خاصا اہم کام ہے۔

جیسا کہ آپ کو یاد ہوگا ہم نے اپنے فوری اخراجات کے لئے جن کا تخمینہ اُس وقت پچیس ہزار لگایا گیا تھا ایک قسم کے ناگہانی چندے کی فہرست کھولی تھی۔ اِس رقم میں سے بہت تھوڑا سا حصّہ اب تک وصول ہو پایا ہے اور کمیٹی کی شملہ والی آخری نشست میں جب اس تخمینے پر نظر ثانی کی گئی تب دیکھا گیا کہ آیندہ تین مہینوں میں تمام صوبوں میں ایک سخت اور مؤثر قسم کا پروپاگنڈا کرنے کے لئے کم از کم ایک لاکھ روپے کی رقم مطلوب ہوگی۔ اس رقم کا بڑا حصّہ بمبئی اور کلکتے سے آنے کی امید کی جاتی ہے اور مجھے مستقبل قریب میں اِن دونوں جگہوں کے دورے کرنے پڑیں گے۔ مجھے امید ہے کہ میرا دوسرا سفر مدراس کا سفر ہوگا جو اِن دونوں جگہوں میں سے کہیں سے بھی کیا جا سکتا ہے۔

پنجاب اور بنگال وہ دو صوبے ہیں جہاں سخت محنت کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ہندو مسلم سوال انہی دو صوبوں میں نہایت شدید تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے مسرّت ہو رہی ہے کہ صوبائی کمیٹی جو مدراس کے طرز پر پنجاب میں بھی قائم کر دی گئی ہے بڑی خوبی کے ساتھ پنجاب سے نمٹ رہی ہے۔ شفیع مسلک کے چند کٹّر قسم کے رجعت پسندوں کے سوا مسلمانانِ پنجاب کی اکثریت نے لکھنؤ کی قراردادوں سے اتفاق کا ابھی سے اعلان کر دیا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد نے جو شملے والی میٹنگ میں شریک تھے ہمیں

یقین دلایا ہے کہ پنجاب سے بھی بہتر نتائج بنگال میں ہمارے سامنے آئیں گے اور مجھے اُن کی کامیابی کا یقین ہے بہ شرطیکہ سرمایہ کافی رہا۔

دوسرے صوبوں کے مسلمان جو خود اپنے صوبوں میں بڑی مایوس کُن اقلیتوں میں ہیں پنجاب اور بنگال کی مسلم اکثریتوں کے مزعومہ حقوق کے لئے اب تک لڑتے رہے ہیں ایسے مسلمانوں کا مُسکِت جواب یہ ہوگا کہ پنجاب اور بنگال نے لکھنؤ کی قراردادیں منظور کرلی ہیں اور اُن کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ دوسرے صوبوں کے مسلمان اُن کے حقوق کی حمایت کریں۔ مجھے اُمید ہے کہ آیندہ پندرہ دنوں میں یہ جواب پنجاب اور بنگال کے حمایتیوں کو مل جائے گا۔

اس کے بعد ہندوستان کے باقی حصّوں میں ہندو مسلم سوال کے طے ہونے میں جو کسر رہ جائے گی وہ ہم چند ٹکڑے یہاں اور چند ٹکڑے وہاں چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے سامنے ڈال کر بہ آسانی پوری کردیں گے۔ مدراس کے مسلمانوں نے ایک بہت اچھی تجویز پیش کی ہے اور میرا خیال ہے کہ میری کمیٹی کے لئے پنجاب اور بنگال کے سوا دوسرے تمام صوبوں میں اس تجویز پر عمل پیرا ہونا عین اقتضائے حزم و احتیاط ہوگا۔ وہ تجویز یہ ہے کہ اقلیتوں کی نمایندگی کے لئے کچھ بندھے ٹکے قواعد منضبط کردینے کے بجائے، جیساکہ ہم نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے، ہر صوبے کو ہم آزاد چھوڑ دیں کہ وہ اپنے مخصوص حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے یہاں کی اکثریت و اقلیت کے درمیان مناسب حال معاہدے کرلے۔ مدراس کے مسلمانوں نے یہ بات منظور کرلی ہے کہ مدراس کی ہندو اکثریت سے اُن کو جو کچھ بھی مل جائے گا وہ اُسے قبول کرلیں گے۔ میں مانتا ہوں کہ دوسرے صوبے اس آسانی کے ساتھ ہندو مسلم سوال طے نہ کریں گے۔ پھر بھی مدراس والی تجویز پر کاربند ہو جانے میں ایک متفقہ حل کے امکانات اُس صورت کے مقابلے میں مجھے زیادہ نظر آرہے ہیں کہ ہم ایک بندھا ٹکا قاعدہ یکساں طور پر ہر صوبے کے سر منڈھ دیں۔ اپنے کام کے ہندو مسلم حصّے سے متعلق مجھے اتنا ہی عرض کرنا تھا۔ میرے دوست سر تیج بہادر سپرو نے ہمارے کام کے اس حصّے سے متعلق بڑا فکرو تردّد ظاہر فرمایا ہے۔

دوسرا گروہ جس سے ہمیں نپٹنا پڑے گا وہ "مکمل آزادی" والا گروہ ہے۔

جوجواہر کی مساعی کی بدولت بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ مگر مجھے اِس گروہ سے کوئی اندیشہ نہیں ہے، اِس گروہ کا سربراہ ایک ایسا مخلص محبِ وطن ہے جو تصویر کا دوسرا رُخ دیکھنے کو بھی ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ جیسا کہ اِس واقعے سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ آزادئ کامل کے حق میں اپنے شدید ترین قسم کے تند و طیش آلود پروپاگنڈے کے باوجود کُل جماعتی مؤتمر کے فیصلوں کو مکمل طور پر کامیاب بنانے میں جواہر سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ مکمل آزادی والوں کے اُس بناوٹی گروہ سے ڈرنے کے اسباب اور بھی کم ہیں جس کے سربراہ آپ کے شہر کے مسٹر سری نواس آئینگرِ اعظم ہیں۔ ایک بار جب ہم سچ مچ کے مخلص طالبانِ آزادی کے ساتھ کوئی سمجھوتا کرلیں گے تب ہم آزادی کے ساتھ طالبانِ آزادی کے اِن بناوٹی نقلچیوں سے نپٹ لیں گے اور وہ یوں کہ اِن سے کنارہ گیر ہو کر اِن کو بالکل تنہا چھوڑ دیں۔ مجھے امید ہے کہ میں مخلص اور سچے طالبانِ آزادی کامل سے جلد ہی کوئی اصولِ کار طے کرلوں گا اور آپ کو وہ ہی ایک روز میں خوش خبری سناؤں گا۔

اب جن لوگوں سے نپٹنا رہ جاتا ہے وہ رجعت پسندوں کا گروہ ہے۔ ان حضرات کو ہم کہیں پناہ نہ دیں گے۔ گورنمنٹ کے لئے ان لوگوں سے معاملہ کرلینا نہایت دشوار ہوگا۔ سائمن والوں کے لئے بھی اِن کے عجیب و غریب اور بے تکے مطالبات کا مان لینا اور پھر اُن کو نافذ کرنا ناممکن ہوگا۔ خطرہ، بہرصورت، اس بات کا ہے کہ دفتری حکومت یا نوکر شاہی ان لوگوں کو اِس غرض سے استعمال کرے گی کہ ہمارے مطالبات کو بے حقیقت ٹھیرائے، اور یہ جو کچھ وہ کرے گی اس لئے نہ کرے گی کہ یہ رجعت پسند برسرِ صواب ہیں اور ہم برسرِ غلط ہیں بلکہ یہ دکھلانے کی غرض سے کرے گی کہ اس گروہ کا موجود ہونا ہی اس امر کا ایک ثبوت ہے کہ ملک میں ہمارے ساتھی تعداد میں تھوڑے اور ناکافی ہیں۔ اِس مغالطے کا جواب یہ ہے کہ ہم ہر ضلع میں متعدد جلسے کرکے یہ دکھادیں کہ یہ رجعت پسند مٹھی بھر سے زیادہ نہیں ہیں۔ ان کو ملک کے کسی معتد بہ طبقے کی نمایندگی کا حق نہیں پہنچتا۔ کام کرنے والوں کی، سرمایہ کی اور اسلحہ کی ضرورت اسی کام کے لئے ہے۔ آپ نے تو اپنے اسلحہ سازی کے کارخانے کی ابتدا کر ہی دی ہے اور چھوٹے چھوٹے رسالے اور اشتہارات اپنے صوبے کی

زبانوں میں شائع کرنے شروع کر دئے ہیں۔ لالہ لاجپت رائے نے ایسا ہی ایک کارخانۂ اسلحہ سازی پنجاب میں اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بنگال میں قائم کر دیا ہے اور جیسے جیسے سرمایہ فراہم ہوتا جائے گا دوسرے کارخانے بھی قائم ہوتے جائیں گے۔

یہاں تک میں نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ عام صورتِ حال جیسی کچھ میری نظر میں ہے اور جس طریق پر میں اُس سے عہدہ برآ ہونے کا ارادہ کر رہا ہوں اُس کا ایک مجمل سا خاکہ آپ کے سامنے رکھ دوں۔ مدراس سے متعلق میرے ذہن میں کچھ تجویزیں ہیں جن کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری نظر میں اس پریسیڈنسی میں پانچ طبقے ہیں جن کے لئے ہمیں کچھ بندوبست کرنا پڑے گا۔ ایک معتدبہ حصّہ ان لوگوں کا ہے جو براہِ راست اڈیار کے زیر اثر ہے، دوسرا اتنا ہی بڑا حصّہ ان لوگوں کا ہے جو کانگریس کے زیر اثر ہے۔ تیسرا بہت بڑا حصّہ غیر برہمنوں کا ہے۔ چوتھا طبقہ یا حصّہ اچھوتوں کا ہے، اور پانچواں طبقہ مسلمانوں کا ہے۔ ان تمام طبقوں تک پہنچنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہوگی کہ ہر طبقے سے ایک یا دو سر برآوردہ اشخاص کو شریکِ کار بنا لیا جائے اور جو کام اِس طبقے کے لوگوں میں کرنا ہے وہ ان کے سپرد کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ غیر برہمنوں اور اچھوتوں کو آسانی کے ساتھ آپ کے یا کانگریس کے پیروؤں کے ساتھ دوش بدوش کام کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر میرے نزدیک کچھ مسلمانوں کو خود مسلمانوں میں کام کرنے کی غرض سے لے لینا ایک دانشمندانہ پالیسی ہوگی۔ کانگریسی اور مسلمان کام کرنے والوں کے لئے ایک علیحدہ ادارہ یا تنظیم ضروری ہوگی۔ شملے میں مسٹر لے۔ رانگا سوامی آینگر اور سید مرتضیٰ صاحب بہادر سے طویل اور مفصّل گفتگو کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ لوگ آپ کی عام کمیٹی میں تو کام کریں ہی مگر ان لوگوں کو کچھ سرمایہ علیحدہ بھی دیا جائے جو یہ لوگ کانگریس اور مسلمان کام کرنے والوں پر صرف کریں۔ اس وقت ایک ہزار روپیہ رانگا سوامی آینگر کے لئے اور پانچ سو سید مرتضیٰ صاحب کے لئے کافی ہوں گے۔ یہ دونوں صاحب بڑے معزز شرفا میں سے ہیں اور ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اِس رقم کو بجا طور پر صرف کریں گے۔ مجھ کو اس کام کے لئے سیٹھ یعقوب حسن کا دھیان آیا تھا مگر لوگوں نے مجھے بتایا کہ وہ بڑے سُست آدمی ہیں۔ سید مرتضیٰ صاحب نے اِس بات پر آمادگی

ظاہر کی ہے کہ وہ یعقوب حسن کو اس بات پر راضی کریں گے کہ اُن کو مسلم سب کمیٹی کا صدر یا ایک رُکن بنا دیا جائے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ کافی ہوگا۔

از راہِ کرم مجھے مطلع فرمایئے کہ آپ اس تجویز کو پسند فرماتی ہیں یا نہیں نیز یہ کہ اگر پسند فرماتی ہیں تو مذکورۂ بالا رقم آپ اِن لوگوں کو بہ سہولت دے سکتی ہیں یا نہیں۔ دو قسطوں میں پانچ ہزار کی جس رقم کا آپ نے از راہِ کرم لکھنؤ میں وعدہ فرمایا تھا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ رقم اُس کام کے لئے کافی نہ ہوگی جو آپ نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھا ہے۔ اس لئے مزید چندہ کرنا ضروری ہے، خواہ وہ عام پبلک چندہ ہو خواہ چند منتخب اشخاص سے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ مدراس کو اپنا کام آپ ہی جاری رکھنا چاہیئے اور اگر آپ کا خیال یہ ہو کہ باہر سے بھی بہر حال کچھ روپئے آنے چاہئیں تو میں بمبئی سے کچھ وصول کرنے کی کوشش کروں گا۔ اِس درمیان میں از راہِ کرم ایک ہزار روپئے رانگا سوامی کو اور پانچ سو سیّد مرتضیٰ صاحب کو دے دیں۔ ابتدائی خیال یہ تھا کہ چندے کی رقم پہلے مرکزی سرمائے میں جمع ہو جائے اور پھر وہاں سے وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت صوبوں کو دی جایا کرے۔ میں اسی عام قاعدے کی پابندی کر رہا ہوں۔ مگر مدراس کے لئے اِس قاعدے کی پابندی ایک غیر ضروری ضابطہ پرستی ہوگی جس سے کام میں خاصی رکاوٹیں پڑیں گی۔ آپ کا دفتر اگر وقتاً فوقتاً آمد و خرچ کا حساب جواہر لعل کو بھیجتا رہے تو اتنا ہی کافی ہوگا۔ یہ حساب جواہر لعل کو پورا حساب مرتب رکھنے میں مدد دے گا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ مؤتمرِ لکھنؤ نے کچھ سوالات ہماری کمیٹی کو بھجوائے ہیں۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم ایک ایسے ضابطے کا مسودہ تیار کر ڈالیں جو ہماری سفارشات پر مشتمل ہو تاکہ یہ مسودہ کُل جماعتی اجتماع کے سامنے رکھا جا سکے۔ کمیٹی کی آخری نشست میں جو شملے میں منعقد ہوئی تھی ایک ضمنی یا سب کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی تھی۔ یہ کمیٹی اصحابِ ذیل پر مشتمل تھی:

(۱) سر تیج بہادر سپرو (۲) پنڈت ہردے ناتھ کنزرو (۳) مسٹر سی وجے راگھوا چاریار ۔ اس نام پر سر تیج بہت مایوس نظر آئے تھے۔ اُن کی یہ مایوس نظر اب تک مجھے اچھی طرح یاد ہے مگر یہ نام ناگزیر تھا) (۴) سر علی امام اور (۵) میں۔ یہ کمیٹی اس غرض

سے تشکیل پذیر ہوئی تھی کہ: (۱) مؤتمر لکھنؤ نے جو سوالات کمیٹی کو بھجوائے ہیں اُن کے متعلق کمیٹی کی رپورٹ کا مسودہ تیار کرے، (۲) نیز ایک ایسا مسودہ تیار کرے جو کمیٹی کی ابتدائی رپورٹ کی سفارشوں پر مشتمل ہو، نیز لکھنؤ کی قراردادوں اور اُس مزید رپورٹ پر حاوی ہو جو کُل جماعتی اجتماع کے لئے ترتیب دینے کو ہم سے کہا گیا ہے۔ یہ کمیٹی کی دوسری نشست کے کام کو جو نومبر کے پہلے ہفتے میں دہلی یا الہ آباد میں ہونے والی ہے آسان بنا دے گا۔ مقصود یہ تھا کہ پارلیمانی مسودۂ قانون مرتب کرنے والے کے لئے ابتدائی کام تمام جزئیات و تفصیلات کے ساتھ اس حد تک انجام دے دیا جائے کہ اُس کو کم سے کم زحمت اُٹھانی پڑے اور ہمیں کم سے کم فیس یا اُجرت دینی پڑے۔ کیا ازراہِ کرم آپ مجھے یہ بتائیں گی کہ آپ کے مسودۂ جمہوریۂ ہند کا ترتیب دینے والا کون تھا اور اُس کو اس مسودے کی ترتیب پر کیا اجرت دینی پڑی تھی؟

کُل جماعتی اجتماع کا اجلاس کلکتے میں ۷ / دسمبر اور مابعد کی تاریخوں میں منعقد ہونا قرار پایا ہے، مگر یہ تاریخیں عارضی ہیں۔ یہ بڑا اہم اجلاس ہوگا اور مجھے امید ہے کہ آپ ضرور شریک ہوں گی۔

شملے میں منعقد ہونے والی نشست کی روداد آپ کو دو ایک دن میں بھیج دی جائے گی۔ جو کام اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے اُس سے متعلق اگر آپ کوئی مشورہ دیں گی تو میں شکرگزار ہوں گا۔

ازراہِ کرم میرا یہ خط سر تیج بہادر سپرو کو بھی دکھا دیں جو اس خط کے پہنچنے تک مدراس پہنچ جائیں گے۔ اُن کو ایک مختصر سا خط میں علیحدہ بھی لکھ رہا ہوں اور تفصیلات کے لئے اسی خط کا حوالہ دے رہا ہوں۔

آپ کا مخلص
موتی لعل نہرو

ڈاکٹر اینی بیسنٹ
اڈیار، مدراس

۵۸۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام محمد علی جناح

۲۲ر نومبر ۱۹۲۸ء

میرے محترم جناح

یہ تمام وقت میں نے آیندہ منعقد ہونے والے کُل جماعتی اجتماع کے اجلاس کی تاریخوں پر غور کرنے میں صرف کیا۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھاکر میں نے اپنی کمیٹی کے دوسرے ممبروں نیز کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں سے بھی مشورہ کر لیا میری کمیٹی نیز کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کے تمام ممبر اس بات کے سخت مخالف ہیں کہ کُل جماعتی اجتماع کا جلسہ کانگریس کے بعد رکھا جائے۔ اور اس اختلاف کے جو سنجیدہ و متین اسباب انھوں نے دئے ہیں مجھ کو اُن سے اِن اسباب کی معقولیت و سنجیدگی میں اتفاق ہے۔ اسباب نہایت ہی سنجیدہ اور وزنی ہیں۔ اس لئے میں نے ایک ایسا منصوبہ ڈھونڈھ نکالا ہے جو کانگریس کے اعتراضات کے ساتھ مسلم لیگ کے اعتراضات بھی دُور کر دیتا ہے۔ کل جماعتی اجتماع کا اجلاس مسلم لیگ کے اجلاس سے چار دن پہلے شروع ہوگا اور مسلم لیگ کے جلسوں کے ساتھ ہوتا رہے گا یعنی ۲۷ر اور ۲۸ر کو بھی۔ اگر ضرورت ہوئی تو ۲۹ر کی صبح کو بھی اس کا جلسہ ہوگا۔ اس انتظام سے مسلم لیگ کو اس بات کا موقع مل جائے گا کہ وہ اپنے نمایندے کامل اختیارات کے ساتھ کُل جماعتی اجتماع کے آخری اجلاس میں بھیج سکے۔ اسی کے ساتھ کانگریس کی استقبالیہ کمیٹی کا یہ مطالبہ بھی پورا ہو جاتا ہے کہ یہ کُل جماعتی اجتماع کانگریس سے پہلے ہو جس کے جلسے ۲۹، ۳۰ر اور ۳۱ر کو ہو رہے ہیں۔ بہت سی غیر نزاعی باتیں ایسی ہیں جو ۲۲ر ۲۳ر اور ۲۴ر کو کُل جماعتی اجتماع میں طے پا سکتی ہیں، مگر مسلم لیگ کو حق ہوگا کہ اگر وہ ضرورت دیکھے تو کسی طے شدہ مسئلے کو بھی اجتماع کے اخیر جلسے میں از سرِ نو زیر بحث لائے۔ اس اثنا میں مجھے امید ہے کہ لیگ کے گزشتہ سالانہ اجلاس میں جو قرارداد اِس مضمون کی منظور ہوئی تھی کہ لیگ کی کاؤنسل کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ اپنے مندوبین کُل جماعتی اجتماع میں بھیجے، اس قرارداد پر عمل ہوگا اور کاؤنسل کے مندوبین ابتداء ہی سے کُل جماعتی اجتماع کے جلسوں میں شریک رہیں گے۔ ان مندوبین کے لئے یقیناً اس بات کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ اجتماع کے پہلے اجلاس (۲۲ تا ۲۴ر) میں اپنے آپ کو کسی بات کا پابند

بنالیں، اگر وہ ایسا کرنا نہ چاہتے ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اس انتظام کو آپ بھی پسند کریں گے اور دوسرے تمام اصحاب بھی جن کو اس کام سے تعلق ہے۔

میں ضروری اطلاعات اسی انتظام کے مطابق پریس کو بھیج رہا ہوں۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو۔

۵۹۔ از مہاتما گاندھی،

(میرا خیال ہے کہ یہ خط اُس ناگوار سے حادثے کے بعد ہی لکھا گیا تھا جو لکھنؤ میں پیش آیا تھا۔ حادثہ یہ تھا کہ سائمن کمیشن کی آمد پر ہم نے پُرامن مظاہرے کئے۔ اس پر پولیس نے ہم پر لاٹھیاں اور ڈنڈے برسائے اور ہم سب زخمی ہوئے)

واردھا

۳ر دسمبر ۱۹۲۸ء

میرے عزیز جواہر،

میرا پیامِ محبت قبول کرو۔ یہ جو کچھ تم نے کیا بڑی بہادری کے ساتھ کیا تم کو اس سے بھی زیادہ بہادرانہ کام کرنے ہیں۔ تم سلامت رہو ہزار برس۔ خدا تم کو اپنا پسندیدہ آلہ بنائے کہ تم ہندوستان کو اس جوئے سے آزاد کراؤ۔

تمھارا

باپو

۶۰۔ از نریندر دیو

بنارس، ۹ر فروری ۱۹۲۹ء

(جس لیگ کا اس خط میں ذکر ہے اُس سے مُراد آزادیِٔ ہند لیگ ہے۔ جو اس غرض سے قائم کی گئی تھی کہ نیشنل کانگریس پر زور ڈال کر آزادیِ ہند کو اُس کا مقصد قرار دلوائے۔ نریندر دیو کانگریس کے ایک سربرآوردہ ممبر تھے اور بعد کو انھوں نے دوسرے لوگوں سے مل کر ہندوستان میں سوشلسٹ پارٹی قائم کرائی)

میرے محترم جواہر لعل،

مسودہ مجھے مل گیا۔ میں پڑھ رہا ہوں اور جلد ہی آپ کو اپنی رائے سے مطلع کروں گا۔ آپ کے سوالات کا جواب دینے کی کوشش بھی کروں گا۔

لیگ کی نسبت میں آزادانہ آپ سے اس امر کا اعتراف کرلوں کہ اس وقت میرا احساس یہ ہے کہ وہ اپنے سامنے کوئی روشن مستقبل رکھتی دکھائی نہیں دیتی۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اپنے ساتھ ایسے سنجیدہ و سرگرم کام کرنے والوں کی کوئی جماعت نہیں رکھتے جو اپنے گہرے اور پختہ اعتقادات کے ساتھ کسی اقتصادی منصوبے یا پروگرام پر بھی زندہ ایمان رکھتے ہوں۔ یہ ممکن ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی ایک نئی بنیاد پر از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت پر ایک مجمل سا ایمان رکھتے ہوں، مگر جب تک کہ ان معاشرتی اور اقتصادی نظریوں کا کوئی صاف اور روشن تصور ہمارے ذہنوں میں نہ ہو گا جن کی اساس پر سوسائٹی کو نئی شکل اور نیا روپ دینا ہے اور جب تک کہ ہمیں اس امر کا ایک درست اور صحیح اندازہ نہ ہو جائے کہ بہ حالتِ موجودہ ہم اس خصوص میں کیا کر سکتے اور کیا حاصل کر سکتے ہیں، تب تک ہم کوئی نتیجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ نتیجہ ان باتوں کا یہ ہے کہ ہمارے اعتقادات گہرے اور پختہ نہیں ہو رہے ہیں اور اعتقادات کی اس ناپختگی و خامی کا انجام یہ ہے کہ ہم اپنے کام میں سرگرمی و مستعدی نہیں رکھتے۔ یہ عام بے حسی جو ہم اپنے چاروں طرف دیکھ رہے ہیں، میرے خیال میں، یہ کم و بیش نتیجہ ہے ذہنی و عقلی اعتقادات کے فقدان کا۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ابتدائی کام ہمارے سامنے یہ ہے کہ ہم لوگوں کے لئے ذہنی و دماغی غذا کا انتظام کریں اور اُن کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کریں۔ اس مقصد کے لئے، اگر سرمایہ فراہم ہو سکے تو ہم ایک ہفتہ وار پرچہ نکالیں اور ایک مکتبہ ایسا قائم کریں جہاں سے سوشلسٹ فکر و ادب کی کتابیں مل سکیں۔ لیگ کو جا بجا حلقہ ہائے مطالعہ بھی قائم کرنے چاہئیں اور ہندوستان کی زبانوں میں سوشلسٹ فکر و ادب پر سستی کتابیں بھی شائع کرنی چاہئیں۔ میرے خیال میں اس سال وہ سب سے اہم کام جس پر ہمیں پوری توجہ دینی چاہئے یہی ہے، اس لئے کہ میری رائے ناقص میں کوئی دوسری راہ کام کی معقول بنیادیں رکھنے کی نہیں ہے۔ اس وقت تو لیگ میں مٹھی بھر بھی ایسے آدمی مشکل ہی سے ملیں گے جو موضوع پر متعین اور روشن افکار

رکھتے ہوں اور جن کو کسی قابلِ اطمینان اقتصادی پروگرام کے ترتیب دینے کا اہل سمجھا جا سکتا ہو۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ لیگ کی تمام تر توجہ اس نقطے پر مرکوز کر دیں۔

اب تک ہم سے کوئی کام بھی ایسا بن نہیں آیا ہے جو ہمارے وجود کو حق بجانب ثابت کر سکے۔ لیگ کی امتیازی خصوصیتوں میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی رکھتی ہے کہ سوسائٹی کی تعمیرِ نو ایک نئی اساس پر کرے۔ صرف سیاسی آزادی سے لیگ کو تشفی نہیں ہوتی۔ فطری طور پر لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ سوسائٹی کی تعمیرِ نو کی یہ اساس نو کیا ہے نیز یہ کہ لیگ اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے ذرائع اور وسائل کیا اختیار کرے گی۔ کلکتے میں مجھ پر ہر طرف سے بہت سے سوالات کی بوچھار ہوئی۔ عام احساس لوگوں کا یہ دکھائی دے رہا ہے کہ لیگ وہ امیدیں پوری نہیں کر رہی ہے جو ابتدا میں اس نے لوگوں کو دلائی تھیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ لیگ صرف اس لئے قائم کی گئی تھی کہ آزادیٔ کامل کے مسئلے پر کانگریس میں فتح حاصل کرے اور اب کہ یہ جنگ ختم ہو چکی ہے لیگ کو ایک دن بھی زیادہ زندہ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو آزادیٔ کامل پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر مقاصد و مطامحِ نظر کو کچھ زیادہ درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے بلکہ فوری کام کے لئے کوئی زوردار سا پروگرام چاہتے ہیں۔ کانگریس کا تعمیری پروگرام ان لوگوں کی نظر میں ایک پھیکی، پھسپھسی اور بے لطف و بے روح سی چیز ہے اور چونکہ ملک کے سامنے ہم اس سے بہتر کوئی پروگرام نہیں رکھ سکے ہیں، لوگ لیگ میں شرکت کے لئے اپنے اندر کوئی جوش و خروش نہیں پاتے۔ ہمارے کارکن بھی کچھ بے حس اور سرد مہر سے ہیں۔ بہت سے تو ایسے ہیں جو بار بار کی یاد دہانی کے باوجود بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کچھ دوست ہمارے ایسے بھی ہیں جو خطوط کی رسید تک نہیں بھیجتے۔

آپ جانتے ہیں کہ جب میں نے سکریٹری کا عہدہ قبول کیا تھا تب ہی میں نے صاف صاف عرض کر دیا تھا کہ وِدّیا پیٹھ کے فرائض سے مجھ کو اتنا وقت نہ ملے گا کہ میں ملک میں دورے کر سکوں۔ میں صرف یہاں بیٹھا ہوا خط و کتابت کر سکتا ہوں۔ اب اگر لوگوں میں کوئی حرکت ہی پیدا نہیں ہوتی تو میں اس سے زیادہ اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔

اِن حالات میں اگر ہم معاملات کی اصلاح نہیں کر سکتے تو پھر ہمیں پنپنے اور پھلنے پھولنے کی امید بھی نہ رکھنی چاہیے۔

لیگ کے پاس، بہ شرطِ امکان، ایک اقتصادی پروگرام ہونا چاہیے تھا میرا خیال ہے کہ صوبائی لیگوں کو اپنے اپنے پروگرام الگ الگ ترتیب دینے کی آزادی نہ ہونی چاہیے۔ یہ بات مہلک ثابت ہوگی۔ اگر ان صوبائی لیگوں کو اس امر کی اجازت دیدی گئی تو یہ عین ممکن ہے، جیسا کہ آپ کا خیال ہے، کہ باہم متناقص و متصادم پروگرام بن جائیں اور اس صورت میں حالات بد سے بدتر ہو جائیں۔ لیگ کے پاس ایک ہی پروگرام ہونا چاہیے اور اُس کو ایک ہی آواز سے بولنا چاہیے۔

میرا خیال ہے کہ آپ کی دوسری تجویز جو اس امر سے متعلق ہے کہ ہر صوبے کو اپنی اپنی سفارشیں مرکزی کاؤنسل کو بھیج دینی چاہئیں، اختیار کر لینی چاہیے۔ اُس صورت میں آپ کے ترتیب دئے ہوئے پروگرام کے مسودے کو بنیادِ بحث بنا کر اس پر ہماری کمیٹی میں غور کر لیا جائے گا۔

اگر مرکزی کاؤنسل کو اس بات پر آمادہ کر لیا جائے کہ وہ ایک اقتصادی پروگرام ترتیب دے دے اور ملک کے سامنے اُس پروگرام پر عمل کا ایک منصوبہ رکھ دے تو یہ اور بہتر ہوگا۔ بہ ہر صورت کام کا جو خاکہ میں نے اوپر عرض کیا ہے وہ اِک ایسا خاکہ ہے کہ مرکزی کاؤنسل کی طرف رُجوع کئے بغیر بھی صوبائی لیگیں اُس پر عمل درآمد شروع کر سکتی ہیں۔

صوبائی کمیٹی کی دوسری میٹنگ ماہ رواں کی ۲۴ر کو لکھنؤ میں منعقد ہوگی۔ ضابطے کی اطلاع آپ کو جلد ہی جائے گی۔

آپ کا مخلص

نریندر دیو

۶۱۔ از مہاتما گاندھی

وڑ ین پر، ۲۹ر جولائی ۱۹۲۹ء

عزیزی جواہر لعل،

تم نے اندو کو جو خطوط لکھے ہیں، خوب ہیں۔ اُن کو تو چھاپ دینا چاہیے۔ کیا خوب

ہوتا اگر تم نے یہ خطوط ہندی میں لکھے ہوتے۔ بہرحال اب تو یہ انگریزی ہی میں چھپیں گے مگر انگریزی ایڈیشن کے ساتھ ان کا ایک ہندی ایڈیشن بھی شائع ہونا چاہیئے۔

تم نے خطوط کے موضوع پر جس نہج سے قلم اُٹھایا ہے اُس میں تم مسلّمہ قواعد سے باہر نہیں گئے ہو۔ نوع بشری کی اصل اب ایک متنازع فیہ موضوع ہے۔ اور دین و مذہب کی اصل تو اور بھی متنازع فیہ مسئلہ ہے مگر ان اختلافات سے تمہارے خطوط کی قیمت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ تمہارے اِن خطوط کی قیمت اور اہمیت کا سرچشمہ تمہارے اخذ کئے ہوئے نتائج کی صداقت نہیں ہے بلکہ تمہارا طریق بحث ہے اور یہ امر کہ تم نے اندو کے قلب تک پہنچنے اور اُس کے ذہن کی آنکھیں کھول دینے کی کوشش اپنے بیرونی فرائض کے ساتھ ساتھ انجام دی ہے۔

میں نے کملا سے اُس گھڑی کی نسبت جھگڑنا نہیں چاہا جو میں نے لے لی ہے۔ میں اُس محبت کی تاب مقاومت نہیں لا سکا جو اس گھڑی کی پشت پر تھی۔ پھر بھی یہ گھڑی اندو کی امانت و ودیعت کے طور پر میرے پاس رہے گی۔ اتنے سے ننھے ننھے بدمعاشوں کے ساتھ جو مجھے گھیرے رہا کرتے ہیں میں ایسا قیمتی سامان اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ کملا اگر اس بات پر راضی ہو جائے کہ اندو کو اُس کی چہیتی گھڑی واپس مل جائے تو مجھے یہ جان کر مسرت ہوگی۔

تاج کانگریس پر میرا مقالہ تیار ہے۔ ینگ انڈیا کے دوسرے شمارے میں شائع ہو جائے گا۔

تمہارا

باپو

۶۲۔ از سروجینی نائیڈو،

(یہ خط میرے صدرِ انڈین نیشنل کانگریس منتخب ہونے پر لکھا گیا)

لکھنؤ

۲۹ ستمبر ۱۹۲۹ء

میرے محبوب جواہر،

میں نہیں جانتی کہ کل پورے ہندوستان میں تمہارے والد کے دل سے

زیادہ بھی غرور و ناز سے متوالا، اور تمھارے دل سے زیادہ بھی اِک بارِ گراں سے لدا ہوا کوئی دل رہا ہوگا۔ میری پوزیشن بھی کچھ عجیب سی تھی۔ میں تمھارے والد کے غرور و ناز اور تمھارے فکر و تردد دونوں میں برابر کی شریک تھی۔ رات میں بہت دیر تک جاگتی اور سوچتی رہی کہ میرے وہ الفاظ جو تمھارے متعلق اکثر میری زبان سے نکل جایا کرتے تھے کہ تمھارے لئے کوئی عظیم الشان شہادت مقدر ہے، کتنے پُر معنی ثابت ہوئے۔ تمھارے صدرِ کانگریس منتخب ہونے پر جب پُرشور نعرہ ہائے تحسین کے ساتھ تم کو مبارک بادی جا رہی تھی تب میں تمھارے چہرے کو غور سے دیکھ رہی تھی اور کچھ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ گویا میں کسی بادشاہ کی رسمِ تاج پوشی اور مسیحؑ کا سولی پر چڑھایا جانا بریک وقت دونوں مناظر دیکھ رہی ہوں، اور سچ پوچھو تو یہ دونوں باتیں توام سی ہیں، ایک دوسری سے جدا نہیں ہوتیں، اور بعض حالات میں اور بعض موقعوں پر دونوں ہم معنی اور مترادف ہوا کرتی ہیں: اور آج تمھارے لئے خصوصیت کے ساتھ دونوں مترادف ہیں، اس لئے کہ تم اپنے روحانی تاثر اور ردِّ عمل میں نہایت ہی ذکی الحس اور نازک مذاق واقع ہوئے ہو اُن مردوں اور عورتوں کے مقابلے میں جو تمھاری جیسی نازک طبیعت اور تمھارے جیسا تیز اور واضح ادراک و شعور نہیں رکھتے، کمزوری، جھوٹ، غداری اور جادۂ صواب سے منحرف ہونے کے گھناؤنے پن سے نپٹنے میں تم سوگنی زیادہ اور شدید تکلیفیں اُٹھاؤگے۔ جھوٹ، غداری اور جادۂ حق و صواب سے انحراف، یہ تمام اوصاف ایک کمزوری ہی کے مظاہر ہیں جو اپنے فقر و افلاس کو جارحانہ عبارت آرائیوں کے پردے میں چھپائے رکھنے کی کوشش کیا کرتی ہے۔ بہر صورت مجھے تمھارے جذبۂ آزادی اور تمھارے ناقابلِ افساد اخلاص پر ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور اب بھی ہے، تم نے ایک بار مجھ سے یہ ضرور کہا تھا کہ نہ تو تم اتنی شخصی و ذاتی قوت رکھتے ہو اور نہ اتنے پیرو کہ اک ایسے گراں بار عہدے کی شورشوں اور ہنگامہ آرائیوں میں بھی اپنے افکار اور اپنے نصب العین کو نافذ کر سکو۔ مگر میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ تم کو ایک دعوتِ مبارزت یا چیلنج بھی دیا گیا ہے اور ایک خراج عقیدت و ارادت بھی ادا کیا گیا ہے، اور یہ چیلنج ایک ایسا چیلنج ہے جو تمھارے تمام کریمانہ اوصاف کو

ایک بڑی محرک قوت وطاقت میں تبدیل کر دے گا اور تم کو صاحبِ جرأت وتخیل اور صاحب دانش وبینش بنا دے گا۔ میرے ایمان وعقیدے میں اندیشے یا خوف کی کوئی آمیزش نہیں ہے۔

تمہارے اس سخت جاں کاہ اور تقریباً ہولناک ولرزہ خیز سے کام میں مجھ سے جس طرز پر بھی تمہاری کوئی مدد یا خدمت ممکن ہوگی تو تم جانتے ہو کہ تمہارے صرف زبان ہلانے کی دیر ہوگی۔ اگر مجھ سے تمہاری کوئی ٹھوس قسم کی مدد بن نہ بھی آئی تو کم از کم میری محبت اور ہمدردی تمام تر تم پر نثار ہوگی۔ اور گو بہ قول مصری شاعر خلیل جبران کے ایک شخص کا بلند تخیل کسی دوسرے شخص کو قوتِ پرواز نہیں دیا کرتا تاہم میرا یہ عقیدہ ہے کہ ایک شخص کی روح کا ناقابلِ تسخیر ایمان والیقان دوسرے کے اندر بھی ایمان والیقان کے ایسے شعلے بلند کر سکتا ہے جس سے ایک عالم منور ہو جائے۔

تمہاری محبت آگیں بہن اور دوست
سروجنی نائیڈو

۶۳۔ بہ نام مہاتما گاندھی

(یہ خط ایک کانفرنس کے کچھ ہی بعد لکھا گیا۔ یہ کانفرنس لیڈروں کی کانفرنس کہلائی۔ دہلی میں منعقد ہوئی تھی اور اس نے ایک عام بیان شائع کیا جس پر اُن لوگوں کے دستخط ثبت تھے جو اس میں موجود تھے۔ اخیر میں اس بیان پر میں نے بھی دستخط کر دئے اگرچہ بڑی بے دلی کے ساتھ۔ سبھاش بابو نے اس پر دستخط نہیں کیے۔ کرنے کو تو میں نے دستخط کر دئے مگر دستخط کر کے بہت پچھتایا اور تب میں نے یہ خط لکھا۔ اس زمانے میں میں کانگریس کا جنرل سکریٹری تھا اور کانگریس کے دوسرے اجلاس کا صدر منتخب ہو چکا تھا)

آل انڈیا کانگریس کمیٹی

۵۲ ہیوٹ روڈ، الہ آباد

۴ر نومبر ۱۹۲۹ء

میرے محترم باپو جی

میں نے دو دن اچھی طرح غور کیا۔ میرا خیال ہے کہ صورتِ حال کا جائزہ، دو دن پہلے کی نسبت، اب زیادہ سکون کے ساتھ لے سکتا ہوں۔ مگر میری دماغی حرارت نے ابھی میرا پنڈ نہیں چھوڑا ہے۔

آپ نے نظم و ضبط کی بناء پر جو اپیل مجھ سے کی اُس کو میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ میں خود نظم و ضبط کا قائل ہوں۔ پھر بھی میرے خیال میں نظم و ضبط کے معاملے میں بڑے مبالغے سے بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ پرسوں شام کو مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ سی گئی جس کو میں جوڑ نہیں پا رہا ہوں۔ کانگریس کا جنرل سکریٹری ہونے کی حیثیت سے مجھ پر کانگریس سے وفاداری اور اُس کی اطاعت واجب ہے اور اُس کے نظم و ضبط سے سرتابی نہ کرنا میرا فرض ہے۔ مگر میری کچھ اور حیثیتیں بھی ہیں اور مجھ پر کچھ اور وفاداریاں بھی عائد ہیں۔ میں انڈین ٹریڈ یونین کانگریس کا صدر ہوں، آزادیٔ ہند لیگ کا سکریٹری ہوں، اور تحریکِ نوجوانان سے بھی قریبی اور گہرا تعلق رکھتا ہوں۔ اب آپ بتائیں کہ میں اُس وفاداری و اطاعت کو کیا کروں جو مجھ پر مذکورہ بالا اور دوسری تحریکات سے تعلق رکھنے کی بناء پر عائد ہوتی ہے؟ پہلے کی نسبت اب میں زیادہ شدّت کے ساتھ محسوس کر رہا ہوں کہ بہ یک وقت میں کئی گھوڑوں پر سوار نہیں رہ سکتا۔ یہ بات اِس صفائی کے ساتھ میں نے پہلے کبھی محسوس نہیں کی سچ پوچھئے تو ایک ہی گھوڑے کی سواری بھی خاصی دشوار ہے۔ ذمّے داریوں اور وفاداریوں کی کشمکش میں کوئی اس کے سوا اور کیا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے ہوش و گوش اور اپنے فطری وجدان و رجحان پر اعتماد کرے؟

اِس لئے میں نے صورتِ حال پر تمام بیرونی و خارجی تعلقات اور وفاداریوں سے قطع نظر کر کے غور کیا اور میرا یہ عقیدہ محکم تر ہو گیا کہ پرسوں میں نے ایک غلط اقدام کیا۔ میں اس وقت کانفرنس کے بیان کی خوبیوں یا برائیوں کی بحث میں نہ پڑوں گا اور نہ اُس پالیسی پر گفتگو کروں گا جو اس بیان کی بنیاد ہے۔ میرا آپ کا اختلاف اِس مسئلے پر میرے خیال میں بنیادی اور اصولی ہے مگر میں

غالباً آپ کو اپنا ہم خیال نہ بنا سکوں گا۔ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میرے نزدیک یہ بیان مضر ہے اور مزدور گورنمنٹ کے اعلان کا ایک ناکافی جواب۔ میرے خیال میں ہم نے چند قابلِ قدر بھلے آدمیوں کو مطمئن کرنے اور اُن کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش میں بہت سے دوسرے بھلے آدمیوں کو جو اوّل الذکر بزرگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ساتھ رکھنے کے قابل تھے، غیر مطمئن ہی نہیں بنا دیا بلکہ عملاً اُن کو اپنے زمرے سے باہر نکال دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم ایک خطرناک پھندے میں پھنس گئے ہیں جس سے چھٹکارا پانا کوئی آسان کام نہ ہوگا۔ اور میرا خیال ہے کہ ہم نے دنیا کو دکھا دیا ہے کہ باتیں اگرچہ ہم بہت لمبی چوڑی کیا کرتے ہیں مگر حقیقت میں ہم کچھ ٹکڑوں کے لئے مول تول کر رہے ہیں۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ برطانوی حکومت اب کیا کرے گی۔ غالباً وہ آپ کی شرطیں تسلیم نہ کرے گی۔ مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی شرطیں نہ مانے گی مگر اس بات میں مجھے کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ دستخط کرنے والوں کی اکثریت ــــــ یقیناً آپ کو چھوڑ کر ــــــ بیان کی شرطوں میں ہر اُس ترمیم کو مان لینے پر بالکل آمادہ ہوگی جو برطانوی حکومت تجویز کرے گی۔ بہر صورت یہ بات مجھ پر بالکل واضح ہے کہ میرا مقام کانگریس میں ہر روز دشوار سے دشوار تر ہوتا چلا جائے گا۔ میں نے کانگریس کی صدارت بڑے تردد اور پس وپیش کے ساتھ قبول کی تھی مگر یہ امید رکھتا تھا کہ سال آئندہ ہماری جنگ اِک واضح مسئلے پر ہوگی۔ وہ مسئلہ اب واضح وروشن نہیں رہا اور میرے قبولِ صدارت کی وجہ معدوم ہو چکی ہے، اب میں ان "لیڈروں کی کانفرنسیں" لے کر کیا کروں گا؟ میں تو اب "خواہ مخواہ کا دخل در معقولات دینے والا" سا دکھائی دینے لگا ہوں اور اس وجہ سے بے چین ہوں۔ میں اب اپنی بات عرض نہیں کر سکتا ہوں، ڈرتا ہوں کہ کہیں کانفرنس کو درہم برہم نہ کر دوں۔ میں اپنے آپ کو دبائے ہوئے رہتا ہوں اور بعض اوقات یہ دبانا میرے بس کی بات نہیں رہتی اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھٹ پڑتا یا چلا اُٹھتا ہوں اور ایسی باتیں کہہ گزرتا ہوں جن کے کہنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سکریٹری کے عہدے

سے ضرور مستعفی ہو جانا چاہئے۔ میں نے ایک ضابطے کا خط والد کو لکھا ہے جس کی نقل منسلک ہے۔

مسئلہ صدارت اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ اب اتنی دیر ہو چکی ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کر سکتا ہوں۔ مگر میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں کہ میرا انتخاب غلط ہوا۔ اِس موقعے اور اس سال کے لئے صرف آپ صدر کانگریس ہو سکتے تھے۔ اگر کانگریس کی پالیسی وہ ہے جس کو مالویہ جی کی پالیسی کہا جا سکتا ہے تو میں کانگریس کا صدر نہیں ہو سکتا۔ اب بھی اگر آپ اتفاق کریں تو ایک راستہ ممکن ہے جس کے لئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی کسی میٹنگ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک گشتی چٹھی اس مضمون کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبروں میں گشت کرا دی جائے کہ آپ صدارت قبول کر لینے پر آمادہ ہیں۔ میں ان ممبروں سے درخواست کروں گا کہ مجھے معاف کر دیں۔ یہ بالکل ایک ضابطہ کی کارروائی ہوگی۔ اِس لئے کہ یقین ہے کہ تمام یا تقریباً تمام ارکانِ کمیٹی آپ کے فیصلے کو مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہیں گے۔

ایک دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں اعلان کردوں کہ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر، نیز اس وجہ سے کہ اس وقت کوئی نیا صدر منتخب کرنا خالی از دشواری نہیں ہے، میں اِس وقت تو نہیں مگر کانگریس کے اجلاس کے فوراً بعد علیحدہ ہو جاؤں گا اور میری حیثیت ایک چیئرمین کی رہ جائے گی اور کانگریس کو اختیار ہوگا کہ میرا کوئی لحاظ کئے بغیر جو فیصلے چاہے کرے۔

اگر مجھے اپنی جسمانی اور دماغی صحت باقی رکھنی ہے تو ان دو راستوں میں سے کوئی ایک راستہ مجھے ضروری نظر آ رہا ہے۔

میں نے چوں کہ آپ کو دہلی سے لکھا ہے بنا بریں میں کوئی بیان عام اشاعت کے لئے نہیں دے رہا ہوں۔ لوگ کیا کہتے ہیں اور کیا نہیں کہتے اس سے میں کچھ زیادہ پریشان نہیں ہوتا۔ مگر خود میرے ضمیر کو سکون و اطمینان ہونا ضروری ہے۔

آپ کا محبّت کیش

جواہر لعل

میں اِس خط کی ایک نقل والد کو بھیج رہا ہوں۔ اِس خط کے سپردِ قلم کرنے کے بعد میرا جی کچھ ہلکا سا معلوم ہو رہا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط سے آپ کو کسی قدر تکلیف پہنچے گی۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میری ذات سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچے۔ میرا نصف رجحان اس بات کی طرف ہے کہ میں یہ خط ابھی آپ کو نہ بھیجوں، بلکہ آپ کے یہاں آنے تک انتظار کروں۔ دس دن اور گزر جائیں گے تو میرا یہ اضطراب یقیناً ہلکا ہو جائے گا اور حقائق پر میری گرفت کچھ بہتر ہو جائے گی۔ مگر یہ بہتر ہوگا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میرا ذہن و دماغ کس طرح کام کر رہا ہے۔

۶۴۔ از مہاتما گاندھی

علی گڑھ، ۴ر نومبر ۱۹۲۹ء

عزیزی جواہر لعل،

میں نے ابھی ابھی تمھارا خط پایا ہے۔ میں تم کو کس طرح تسلّی دوں؟ اور لوگوں کی زبانی جب میں نے تمھاری حالت سُنی تو میں نے اپنے دل سے پوچھا: "کیا تم نے اُس پر ناجائز دباؤ تو نہیں ڈالا؟" میں نے تم کو ہمیشہ ناجائز دباؤ میں آجانے سے بالاتر جانا ہے۔ تمھاری مقاومت و مزاحمت کو میں نے ہمیشہ عزّت و احترام کی نظر سے دیکھا ہے۔ تمھاری یہ مقاومت و مزاحمت ہمیشہ معزّز و باوقار رہی ہے۔ اِسی عقیدے کے زیرِ اثر میں نے اپنی درخواست پر اصرار کیا۔ اس حادثے کو ایک سبق بن جانے دو۔ جب کبھی میری کوئی تجویز تمھارے قلب یا دماغ کو اپیل نہ کرے تو میرے کہے میں ہرگز نہ آؤ۔ تمھاری اس مقاومت سے تمھاری محبت میرے دل میں ذرّہ برابر کم نہ ہوگی۔

مگر تم افسردہ دل کیوں ہو؟ مجھے تمھاری نسبت عام رائے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اگر تم نے کوئی غلطی نہیں کی ہے تو یہ افسردہ دلی کیوں؟ آزادی کامل کا نصب العین مزید آزادی کے مطالبے سے کوئی تصادم نہیں رکھتا۔ تم اس وقت کانگریس کے ایک انتظامی عہدے دار (ایگزیکٹیو آفیسر) ہو اور آنے والے اجلاس کے صدر۔ اس حیثیت سے تم اپنے آپ کو اپنے رفقائے کار کے کسی اجتماعی و متفقہ عمل سے علیحدہ نہیں رکھ سکتے تھے۔ میرے خیال میں کانفرنس

کے بیان پر تمہارا دستخط کر دینا منطقی طور پر درست، دانشمندانہ اور دوسرے ہر لحاظ سے صحیح تھا۔ اس لیئے مجھے امید ہے تم اس افسردہ دلی کو خیر باد کہہ دوگے اور جیسے ہمیشہ ہشاش بشاش اور خوش و خرم رہا کرتے تھے ویسے ہی پھر رہنے لگو گے۔

تم اگر کوئی بیان دینا چاہو تو یقیناً دے سکتے ہو مگر ایسی جلدی کیا پڑی ہے۔

بیرونِ ہند سے دو تار ابھی ابھی موصول ہوئے ہیں۔ نقلیں بھیج رہا ہوں والد کو بھی دکھا دینا۔

اگر تمہارا جی مفصل گفتگو کرنے کو چاہ رہا ہو تو جہاں چاہو بے تکلف میرے پاس چلے آؤ۔

امید ہے کہ میں جب الہ آباد پہنچوں گا تب کملا کو بالکل تندرست اور خوش و خرم پاؤں گا۔ اگر تم مجھے بذریعہ تار مطلع کر سکو تو ضرور مطلع کرو کہ تمہاری افسردہ دلی ختم ہو گئی۔

تمہارا

باپو

۶۵۔ از ایم۔ اے انصاری

لکھنؤ، ۷ نومبر ۱۹۲۹ء

عزیزی جواہر

جب تم دہلی سے رخصت ہو رہے تھے تب روانگی سے اِک ذرا پہلے میرے گھر آئے تھے۔ اُس وقت میں تم سے کچھ باتیں کرنی چاہتا تھا اور تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم کو سین گپتا کے کمرے میں پاکر تم سے اُس بیان کی نسبت کچھ کہا تھا جو بغل کے کمرے میں تیار کیا جا رہا تھا۔ مگر تم باتوں میں مصروف تھے اس لیئے میں مخل نہیں ہوا۔

شعیب، خلیق، محمود، تصدق اور وہ تمام احباب جو کانفرنس میں موجود تھے اور معاملات کو، جیسے جیسے بتدریج وہ اُن کی آنکھوں کے سامنے بے پردہ ہو کر آرہے تھے، دیکھ رہے تھے، تمہارے بلند، راست بازانہ اور جرأت مندانہ طرزِ عمل

کے نہایت ہی مدّاح اور ثنا خواں تھے۔ ہم نے بھی اُسی وقت اور وہیں سمجھ لیا تھا حقیقت میں متعدد اور مختلف شخصوں کو باہم باتیں کرتے دیکھ لیا تھا، کہ شخصی اور ذاتی مفاد کے حصول کے لئے تمہارے کام سے فوری فائدہ اُٹھایا جانے والا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تم پر یا تمہارے کسی کام پر کوئی اثر نہیں رکھتیں۔ بہر حال مجھ کو سبھاش کے علاوہ متعدد اور صاحبوں کے استعفوں کی توقع ہے۔ یہ، بہر صورت، معاملے کا صرف ایک ذاتی و شخصی رُخ ہے۔

میں نے تمہارے وہ خطوط دیکھے ہیں، جو تم نے پنڈت جی اور مہاتما جی کو لکھے ہیں۔ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ جو کچھ تم نے ان خطوط میں لکھا ہے میں اُس سے نہایت مضطرب اور بے چین ہوا۔ میرا خیال ہے کہ تمہارا استعفا مجلسِ عاملہ اور سکرٹیری کے عہدے سے کسی قدر قبل از وقت اور عاجلانہ ہے۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ کانگریس کی صدارت سے متعلق تمہاری جو تجویزیں ہیں وہ اسی اسپرٹ میں سوچی گئی ہیں۔ میرا خود یہ خیال ہے کہ بجائے اس کے کہ تم کو اُن خیالات و افکار کی وجہ سے کانگریس کی صدارت سے استعفا دینا پڑے جو اس وقت کانگریس پر چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے افکار و خیالات کے مخالف ہیں، اس بات کا امکان زیادہ ہے کہ خود کانگریس تمہارے خیال کی ہو جائے اور تمہارے خیالات و افکار کو قبول کرلے۔

ہمارے دہلی والے بیان اور دار العلوم کے مباحثے کے بعد ہی ہم صحیح طور پر اور یقین کے ساتھ جان پائیں گے کہ ہماری پیش کش منظور کرلی گئی یا مسترد کردی گئی۔ امکانات اس پیش کش کے قبول کرلئے جانے کے بجائے رد کردئے جانے کے ہیں، اور اس صورت میں ہماری پوزیشن نہایت مستحکم ہوگی اور لاہور میں جو فیصلہ بھی ہم کریں گے اُس کی پشت پر کانگریس کی پوری قوت ہوگی اس لئے میرے خیال میں سب سے بہتر پالیسی یہ ہوگی کہ "انتظار کرو اور دیکھو" جیسی کہ پنڈت جی کی صلاح ہے، نہ یہ کہ ہم مجلسِ عاملہ کی میٹنگ سے پہلے ہی کسی راہِ عمل کا فیصلہ کرلیں۔

پنڈت جی کے ساتھ الہ آباد آنے کو جی بہت للچا رہا ہے مگر میں دہلی سے اپنے مریضوں کی چیخ پکار کے ڈر سے چوروں کی طرح چپکے سے نکلا ہوں۔ اس لئے اب مجھے ضرور واپس جانا چاہیے تاکہ الہ آباد کی مجلسِ عاملہ والی میٹنگ میں شریک ہونے کے لئے دوبارہ دہلی چھوڑنے سے پہلے کم از کم ایک ہفتہ کام کروں۔

ماں جی کی خدمت میں آداب، اور کملا، سروپ، بٹّی اور اندو کو پیار۔

تمھارا محبت کیش

ایم۔ لے۔ انصاری

۶۶۔ از مہاتما گاندھی،

برندابن، ۸ نومبر ۱۹۲۹ء

عزیزی جواہر،

تمھارا خط مجھے ملا، تمھیں میرا تار ضرور مل گیا ہوگا۔ تم سردست ہرگز استعفا نہ دینا۔ اس وقت میرے پاس وقت نہیں ہے کہ اپنا نقطۂ نظر تم کو تفصیل کے ساتھ سمجھاؤں اور مطمئن کروں۔ اس وقت تو میری رائے میں تمھارا استعفا دینا ہمارے قومی قضیہ پر اثر انداز ہوگا۔ استعفے کی کوئی جلدی نہیں ہے اور نہ کوئی اصول معرضِ خطر میں ہے۔ رہا تاج کا معاملہ، سو اب کوئی دوسرا اِس تاج کو نہیں پہن سکتا۔ یہ کبھی پھولوں کا تاج ثابت نہیں ہوا ہے۔ تو اس وقت اس کو سرتا سر کانٹوں ہی کا تاج بن جانے دو۔ اگر میں اپنے آپ کو اس تاج کے پہننے پر آمادہ کر پایا ہوتا تو میں نے لکھنؤ ہی میں ایسا کر لیا ہوتا۔ وہ ناگہانی اور اتفاقی صورتِ حال جو میرے ذہن میں اس تاج کے قبول کر لینے پر مجھے مجبور کر دینے والی تھی وہ اس قسم کی نہیں تھی۔ ایک ایسی ناگہانی صورتِ حال یہ تھی کہ تم گرفتار کر لئے جاتے اور حکومت کا جبر و تشدد بڑھ جاتا۔ مگر اس پورے مسئلے کو اُس وقت کے لئے اٹھا رکھو جب ہم دونوں سر جوڑ کے بیٹھیں گے اور پورے سکون کے ساتھ غیر جانبدارانہ اس پر غور کریں گے۔

اِس اثنا میں خدا تم کو سکونِ قلب عطا کرے۔

باپو

۶۷۔ از سروجنی نائیڈو،

تاج محل ہوٹل، بمبئی
۲۰ر نومبر ۱۹۲۹ء

عزیز جواہر لعل،

دیکھنا، اِسے کہتے ہیں "دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست :: در پریشاں حالی و در ماندگی"۔ پدم جا اور میں دونوں پا بہ رکاب ہیں اور چوں کہ ہم دونوں نہایت بیہودہ طریقہ ہر دل عزیز واقع ہوئے ہیں، ہم دونوں کو ہر لمحہ و ہر آن دونوں صنفوں کے پنج میل قسم کے لوگ گھیرے رہا کرتے ہیں۔ پدم جا اپنے اس پہلے بحری سفر سے سخت گھبرائی ہوئی ہے۔ خانگی یا گھریلو غلامی سے اُس کی اس پہلی آزادی کا دھیان بھی اُسے پاگل بنائے دے رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ سفر اُس کی صحت اور اس کے جذبات میں ایک نیا انقلاب پیدا کر دے گا۔ مجھ کو یک بہ یک، قریب قریب قلب کی دو ضربوں یا حرکتوں کے درمیان فیصلہ کرنا پڑا کہ میں افریقہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ مگر وہ سب بیچارے مصیبت میں ہیں اور اُن کا برقی پیغام مستعجل تھا۔ اور پدم جا کا افریقہ جانے کا شوق میرے غیر شعوری محرکات میں سے ایک محرک تھا جس نے اس فیصلے پر مجھے اٹل بنا دیا۔

خدا حافظ، عزیزی جواہر لعل، میں تمھاری اکیسویں دسمبر کو منعقد ہونے والی کانگریس میں شرکت کے لئے اکیسویں دسمبر سے پہلے ہی واپس آجاؤں گی۔ دیکھنا اس بات کا دھیان رکھنا کہ باوا صدر بیٹی صدر کو ۶ر دسمبر تک ایک پیام برقی تار کے ذریعے نیروبی کے پتے پر ضرور بھیج دیں کہ اُن کا یہ پیام کانگریس کے افتتاح کے موقع پر پڑھ کر سُنا دیا جائے۔

خدا حافظ۔ میرا اور پدم جا کا پیامِ محبت آنند بھون میں سب کے لئے۔

تمھاری محبت کیش
سروجنی

۶۸- از اینی بیسنٹ

تھیوسوفیکل سوسائٹی

اڈیار، مدراس

۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء

محترم پنڈت جی،

آپ نے بڑا کرم فرمایا جو میری تقریر کے موقع پر اشتہارات تقسیم کئے جانے پر اظہار افسوس فرمایا۔ یقین کیجے، اِس سے مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ میں اپنے نوجوانوں کو پبلک معاملات میں حصّہ لیتے دیکھ کر بہت خوش ہوا کرتی ہوں، خواہ وہ مجھ سے اتفاق رکھتے ہوں یا اختلاف۔ مزید بریں، میں بہت ہی پُرانی سیاست پیشہ ہوں، اتنی پُرانی کہ مجھ کو اس بات کی پروا ہی نہیں ہوتی کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

ہمیشہ پُر محبت احترامات کے ساتھ

اینی بیسنٹ

۶۹- از ویریندر چٹوپادھیایا،

(ویریندر چٹوپادھیایا سروجینی نائیڈو کے ایک بھائی تھے جو پہلی عالمگیر جنگ سے پہلے آکسفورڈ گئے، اور پھر ہندوستان واپس نہیں آئے۔ وہ یورپ کی بائیں بازو والی بہت سی تحریکوں سے تعلق رکھتے تھے)

شہنشاہیت کی مخالف اور قومی آزادی کی موئید لیگ۔

بین الاقوامی سکریٹریٹ،

۲۴ فرایڈرخ سٹراس، برلین

ایس۔ ڈبلیو۔ ۴۸

۴ دسمبر ۱۹۲۹ء

عزیزی جواہر،

تمہارا نجی خط مورخہ ۷ نومبر (انقلاب روس کی برسی کا دن) پڑھ کر سخت تکلیف ہوئی۔ اپنی دوستی و رفاقت کے اثناء میں میں نے اس بات کو ہمیشہ اپنا

فرض جانا ہے کہ صحیح معنوں میں انقلابی نقطۂ نظر سے ؛ اور مجھے امید ہے کہ برابر اور یکساں طور پر ، اپنے قومی مسائل پر اپنی رائے پوری صفائی کے ساتھ عرض کر دیا کروں۔ اپنے اُس بحری تار میں جس میں میں نے اپنی حیرت و استعجاب کا اظہار کیا ہے ، میں نے اپنی یہ رائے اِک نرم شکل میں ظاہر کر دی ہے۔ میں نے ایسا اس لئے کیا کہ میں نے ٹائمز کی رپورٹ باور نہیں کی۔ مگر مجھے بڑے رنج و قلق کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمھارے خط اور ہندوستان کے اخبارات سے اس رپورٹ کی تائید ہو گئی کہ تم دہلی میں المناک طور پر اپنے مقام سے منحرف ہو گئے یا گر پڑے۔ تم نے اُن غدارانِ ملک کے سامنے سپر ڈال دی جو اپنے طبقے کے مفاد کے لئے گفت و شنید کر رہے ہیں۔ اب تم اپنے اس طرزِ عمل کی توجیہہ میں جو اسباب بھی بیان کرو ، میں اِس بات کے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تم نے فوراً استعفا دے دینے کو کیوں نہیں ترجیح دی۔ اگر تم ایسا کر گزرتے تو ملک میں تمھاری پوزیشن مستحکم ہو گئی ہوتی اور تمام نوجوان ، تمام کام کرنے والے اور کسان تمھارے ساتھ ہو گئے ہوتے اور تم کانگریس کے اندر مصالحت پسندوں کو آسانی کے ساتھ شکست دے سکتے۔ برطانوی حکمتِ عملی یا ڈپلومیسی کی کامیابی سے متعلق اخبار "پیوپل" میں جو نقطۂ نظر ظاہر کیا گیا ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے۔ یہ خیال کہ عوام کے اہم ترین مفادات کے مقابلے میں بھی کانگریس کا اتحاد و اتفاق زیادہ اہم ہے ایک بنیادی سیاسی غلطی ہے۔ ملک کے نوجوانوں کی قیادت کے مقامِ بلند تک بے شک و شبہہ پہنچ جانے اور طبقۂ عمّال کے بھی معتمد علیہ ہو جانے کے بعد تم نے کمزوری اور دماغی انتشار کے ایک ناقابلِ توجیہہ لمحے میں عین وقت پر اپنے پیروؤں کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ایک عجیب و غریب اور ناقابلِ فہم تناقص یہ ہے کہ ٹریڈ یونین کانگریس میں اپنے صدارتی اختیارات سے جو کام تم نے لیا وہ بالکل اطمینان بخش تھا۔ تمھارا یہ طرزِ عمل منشور دہلی پر تمھارے دستخط کی توجیہہ کو اور بھی دشوار بنا دیتا ہے۔ یہی ایک واقعہ کہ ہندوستان کے طبقۂ عمّال کی اکثریت ، بغیر کسی شک و شبہہ کے ، شاہنشاہیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور کامل قومی آزادی کے حق میں ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ تمھارا دہلی والا اقدام درست نہیں تھا۔ ایک طرف تم مجلسِ عاملہ

کی اکثریت کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہو کہ ڈومینین اسٹیٹس بھی اگر مل جائے تو قبول کر لیا جائے، دوسری طرف تم طبقۂ عمّال کی اکثریت کے مطالبۂ آزادی کی بھی توثیق کرتے ہو۔ اِس تضاد کے دور کرنے کی کوئی نہ کوئی راہ تو نکالنی ہی پڑے گی۔ بین الاقوامی سیاست کی عدالت میں تمھارے اِس طرزِ عمل کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی جب تک کہ تم بھی اکثر بڑے بڑے راہنماؤں کی طرح اس بات پر آمادہ نہ ہو جاؤ کہ اپنی غلطی کا بہ بانگ دُہل اعتراف کرو اور غلط راستے سے ہٹ کر صحیح راستہ اختیار کرو۔ اگر آج تم اتنا کر سکو کہ منشورِ دہلی سے اپنے دستخط واپس لے لو اور کانگریس کے صدر ہونے کا جو مقام تمھیں حاصل ہے اُس سے تم یہ کام لو کہ اس جھوٹے اور دکھاوے کے اتحاد و اتفاق کی دھجیاں اُڑا دو جو اس درجہ خطرناک ہے اور تمام اعتدال پسندوں اور ڈومینین کے رُتبے کے حامیوں کو کانگریس سے نکال کر پورے ادارۂ کانگریس پر اس نیّت سے قبضہ کر لو کہ شاہنشاہیت دوستی کے خلاف ایک سخت اور بے لوچ جنگ شروع کر دو۔ اگر تم اتنا کر ڈالو تو تم اپنا کھویا ہوا مقام نہ صرف واپس لے لو گے بلکہ اُسے اور مستحکم بنا لو گے۔ میری ان تنقیدوں کو تم خدارا غیریت یا بے گانہ وشی پر محمول نہ کرنا بلکہ اُن کو میرے اُس گہرے اور عمیق تعلق اور وابستگی کا نتیجہ سمجھنا جو مجھے کسانوں اور طبقۂ عمّال کے مفاد سے ہے۔ ہم اپنے کردار کا اگر کوئی صحیح جائزہ لے سکتے ہیں تو وہ صرف اسی روشنی میں۔ اِس معیار پر جب منشورِ دہلی پر تمھارے دستخط کو تولتا ہوں تو مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ تمھارا یہ اقدام جہادِ آزادی میں ہندوستانی عوام کے ساتھ ایک غدّارانہ اقدام تھا۔

اس خط کے لئے گو کاغذ لیگ ہی کا استعمال کیا گیا ہے مگر وہ ایک نجی اور پرائیویٹ خط ہے۔

آج سے دو سال پہلے میں نے ایک کُل ہند شاہنشاہیت دشمن وفاقی انجمن کی تشکیل کی تجویز تمھارے سامنے رکھی تھی۔ مجھے امید ہے کہ اب تم نے ایک ایسی وفاقی انجمن کی تشکیل کی ضرورت اُنہی خطوط پر جو میں نے تجویز کئے تھے محسوس کر لی ہوگی۔ نیشنل کانگریس ہندوستانیوں کا کوئی نمائندہ ادارہ نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ اُن اداروں میں سے ایک ادارہ ہے جو کم و بیش ایک شاہنشاہیت دشمن پارٹی

ادا کرتے ہیں۔ ضرورت اِس وقت ایک ایسی کُل ہند تنظیم کی ہے جو ۱۔ ان اداروں کو متحد کر دے، ۲۔ جو اُن کی سرگرمیوں میں ربط و ترتیب دے دے، ۳۔ جو شاہنشاہیت دشمن اقدام کے ایک مختصر سے مختصر پروگرام کے ماتحت اُن کی پالیسی کی رہبری و قیادت کرے، اور بالآخر...... ایک آخری اور فیصلہ کن جدوجہد کے لئے پورے ملک کو منظم کر دے۔ ہم نے اپنے جملہ ہندوستانی اداروں کو یہاں سے ایک پیام بھیج دیا ہے اور ہندوستان کے لئے ایک ایسی شاہنشاہیت دُشمن انجمن کی ضرورت کی طرف اُن کی توجہ مبذول کرادی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے اس خط کی نقل تمھیں ضرور مل گئی ہو گی جو ہم نے یہاں سے بھیجا ہے۔ مگر میں تمھارے لئے ایک نقل اس خط کے ساتھ بھی بھیج رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ دسمبر کے اخیر میں، جیسا کہ ہم منصوبہ بنا رہے تھے، لاہور میں کسی ایسی شاہنشاہیت دُشمن کُونمر کے انعقاد کے سلسلے میں کوئی اقدام کیا بھی گیا یا نہیں۔ ہفتہ عشرہ میں اس موضوع پر کچھ اور باتیں بھی تمھارے کانوں تک پہنچیں گی۔

میں مخلصانہ اُمیدوار ہوں کہ اس سال کے اخیر میں جو خبریں ہندوستان سے آئیں گی وہ ویسی ہی ہمت افزا ہوں گی جیسی کہ ٹریڈ یونین کانگریس سے متعلق ٹائمز میں آئی تھیں۔

میری بہترین تمنائیں تمھارے لئے، کملا کے لئے اور کرشنا کے لئے۔

وی۔ چٹوپادھیایا

۷۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام ایم۔ اے۔ انصاری

۱۷ر فروری ۱۹۳۰ء

میرے محترم انصاری

میں آج صبح احمد آباد سے روانہ ہوا۔ یہ خط میں ٹرین ہی میں لکھوا رہا ہوں۔ چونکہ میں دہلی ہی جا رہا ہوں جہاں دیر سویر تم سے ملاقات یقینی ہے اس لئے عام قاعدے کے مطابق جو کچھ مجھے نجی ملاقات کے موقع پر عرض کرنا ہے اُسے اس وقت محفوظ رکھنا چاہیئے۔ مگر اب قاعدہ و دستور کا یہ حال ہے کہ ہمارے کانگریسیوں کے چھوٹے سے حلقے میں بھی کوئی بات عام قاعدہ و دستور کے مطابق نہیں ہوا کرتی۔

اس لئے میں نے ضروری جانا کہ جو چند باتیں مجھے عرض کرنی ہیں اُن کو صفحۂ قرطاس پر ثبت کردوں تاکہ اُن کی نسبت کسی غلط فہمی کا امکان ہی نہ رہ جائے۔

اجازت دیجئے کہ میں شروع ہی میں آپ کو یقین دلادوں کہ قومی معاملے سے آپ کی وفاداری پر نیز اُس احترام و محبت پر جو میرے لئے آپ کے دل میں ہے مجھے پورا اور کامل اعتماد ہے۔ پبلک مسائل پر میرا آپ کا یہ پہلا اختلاف رائے نہیں ہے۔ اور اس نازک موقع پر میرا آپ کا مختلف الرّائے ہونا بدقسمتی کی بات سہی مگر جس طرح مجھے پہلے یقین تھا اب بھی یقین ہے کہ یہ اختلاف رائے دونوں جانب ایک شدید احساسِ فرض کا نتیجہ ہے۔ اس میں خودی یا خود غرضی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

جو خط آپ نے گاندھی جی کو لکھا ہے اُسے میں نے بغور پڑھا اور مکرر پڑھا۔ ہندو مسلم اتّحاد کو جو اہمیت آپ نے دی ہے مجھے اس سے پورا اتفاق ہے مگر مجھے افسوس ہے کہ نہ تو اُن اسباب کے بارے میں اپنے آپ کو آپ سے متّفق پاتا ہوں جو آپ نے اِس مقصد کے حصول میں ہماری اب تک کی ناکامی کے بتائے ہیں اور نہ اِس باب میں میں اپنے آپ کو آپ کا ہم خیال پاتا ہوں کہ اب آگے اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں کیا کوشش کرنی چاہئے۔ آپ اور میں دونوں سالہا سال سے اپنے مقدور بھر سخت محنت کرتے رہے ہیں کہ کوئی محکم اور ٹھوس بنیاد اس اتحاد کی پڑ جائے مگر اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ گزشتہ تجربوں اور گہرے غور و فکر کے بعد اب میں اِس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جن خطوط پر اب تک ہم نے کام کیا ہے وہ اصولی اور بنیادی طور پر غلط تھے۔ یہ حقیقت، جب ہم دوش بدوش سرگرم کار ہوا کرتے تھے، وقتاً فوقتاً، ہمارے ذہنوں میں اُبھر اُبھر کر آتی رہتی تھی، اور ہم تلافی مافات اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کی کوشش بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ ایک بار لاہور میں ہم نے اسی غرض سے محلہ چودھریوں کی ایک میٹنگ منعقد کی تھی، مگر ہم نے اپنے آپ کو ایک ایسے چکّر میں گھرا ہوا پایا جس سے باہر آنا اُس منزل یا مرحلے میں ممکن نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم سالہا سال سے ایک غلط عدالت میں اپیلیں دائر کر رہے ہیں ہم قیامت تک انہی غلط عدالتوں میں اپیلیں دائر کرتے رہیں مگر دادرسی خاک نہ ہوگی۔ اگر کسی

ایک شخص کا، خواہ وہ کتنا ہی بڑا آدمی ہو، کسی جگہ کسی قدر پھیکا اور سرد سا استقبال ہو گیا اور دوسری جگہ اسی شخص کا زرا پُرجوش سا استقبال ہو گیا اور اس سرد و گرم استقبال کا اثر ہمارے عظیم الشان قومی سوال کے حل پر پڑے تو پھر ہمیں اس حل کو خدا حافظ کہہ دینا چاہیئے۔

سر تیج بہادر سپرو اسی غلطی کو دُہرا رہے ہیں اور در حقیقت وہیں سے اُس کو شروع کر رہے ہیں جہاں اُسے ہم نے چھوڑا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ جلد ہی اُن کی آنکھیں بھی کُھل جائیں گی۔ مگر میں اُن کی راہ میں حائل ہونا نہیں چاہتا۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اُن کو اپنی راہ چلنے دوں اور مخالفانہ تنقیدوں سے اُن کی راہ کھوٹی نہ کروں یہاں تک کہ وہ تھک کر خود ہی میدان چھوڑ دیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ اگر چند دنوں نہیں تو چند ہفتوں سے زیادہ مجھے انتظار نہ کرنا پڑے گا۔

اِس خط میں میں اپنے منصوبوں کی طرف صرف اشارہ ہی کر سکتا ہوں۔ تفصیل میں نہیں جا سکتا۔ اب یہ میرا قطعی اور غیر متزلزل عقیدہ ہے کہ ہندو مسلم اتحاد محض وعظ و تبلیغ سے بر روئے کار نہیں لایا جا سکتا۔ اب ہمیں اس اتحاد کو اس طرح سے بر روئے کار لانا پڑے گا کہ وہ حاصل بھی ہو جائے اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے کسی کو یہ محسوس بھی نہ ہو کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں۔ یہ مہم صرف اقتصادی بنیادوں پر اور اُس جنگ کے دوران میں سر کی جا سکتی ہے جو ملک کی آزادی کے لئے غاصبوں کے خلاف لڑی جائے۔ جب کوئی ایک فرقہ زندگی کے کسی ایسے حق کے لئے لڑ رہا ہو جو دونوں فرقوں میں مشترک ہے تو پھر یہ سوچا ہی نہیں جا سکتا کہ دوسرا فرقہ دیر سویر اس لڑائی کی کامیابی یا ناکامی کے نتائج کو محسوس نہ کرے گا اور جب وہ یہ نتائج محسوس کرے گا تو پھر یہ بھی قرین قیاس نہیں ہے کہ وہ بھی اس لڑائی میں دل و جان سے شریک نہ ہو جائے گا۔

شاہ دماغ نے مضحکہ انگریزیوں اور غلط بیانیوں کے طوفان میں ایک ایسی اقتصادی بنیاد محصولِ نمک کی قانون شکنی کی شکل میں ڈھونڈھ نکالی ہے۔ اُن ہی کے دل پسند لفظوں میں "یہ بات ناقابلِ یقین حد تک سیدھی سادی ہے"! اس میں اگر کوئی بات حیرت و استعجاب کی ہے تو وہ یہ ہے کہ کسی دوسرے شخص کا دھیان

کبھی اس طرف نہیں گیا۔ اس وقت تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک ایسی سادہ اور سیدھی سی چیز بھی لوگوں کے دماغوں کو مسحور کر سکے گی لیکن اگر وہ اتنی ہی سحر آفریں ثابت ہوئی تو پھر ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک عظیم الشان فتح بھی یقینی ہے۔ اور اگر وہ مؤثر ثابت نہ ہوئی تو پھر ہمارے لیے کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی اور ہندو مسلم اتحاد اور آئینی اور فرقہ وارانہ حقوق کا ذکر وفد کور لغو ہو جاتا ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ ملک قانون شکنی کے لئے تیار نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر آپ اس کے لئے ملک کو کب اور کیوں کر تیار کر سکتے ہیں؟ کیا آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ دونوں فرقوں کے نام نہاد لیڈروں کی جو دماغی کیفیت اِس وقت ہے وہ ہمیں کسی متفقہ فارمولے یا ضابطے تک پہنچنے بھی دے گی؟ اگر کسی ایسے متفقہ ضابطے تک پہنچ جانا ممکن بھی مان لیا جائے، جس میں مجھے بڑا شک ہے، تو ایسا کاغذی ضابطہ اس غیر ملکی حکومت کے ساتھ ہماری اس کشمکش میں کہاں تک ہماری مدد کرے گا؟ یہ کہنا کہ جیسے ہی ہمارے درمیان کوئی ایسا متفقہ ضابطہ طے پا گیا حکومت فوراً ہی سپر ڈال دے گی اور جملہ اختیارات سے دست بردار ہو جائے گی سو اِس بات پر تو وہی شخص ایمان لا سکتا ہے جو ہندوستان کے لبرلوں جیسی سخت جان رجائیت رکھتا اور ایک قطعی "نہیں" کو ایک صاف "ہاں" پڑھ سکتا ہو۔

میں تو اب اِس قطعی رائے پر آ گیا ہوں کہ خواہ کتنے ہی ضابطے یا فارمولے ہمارے درمیان ایسی باہمی رعایتوں کی بنیادوں پر طے پا جائیں جن میں رعایتیں دینے والوں کو ان رعایتوں کے دینے کا کوئی حق نہ پہنچتا ہو، ہندو مسلم اتحاد جہاں تھا وہیں رہے گا، یہ ضابطے یا فارمولے ہمیں اُس سے قریب تر نہ لے جائیں گے۔

آپ نے اُن پچھلے واقعات پر بھی ایک نظر ڈالی ہے جو گزشتہ چند سالوں میں پیش آئے۔ مجھے آپ کے اِس تبصرے سے متعلق کچھ نہیں کہنا ہے اور نہ اس امر سے متعلق کہ میں نے مسٹر جناح کا استقبال اِس سرد مہری کے ساتھ کیوں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موقع پر مسٹر جناح نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن سے میں بجھ سا گیا اور اُن کے خوش کرنے کو میں اپنے اندر جھوٹی اور بناوٹی گرم جوشی

نہیں پیدا کر سکا۔

آپ نے اپنی پوزیشن کی توجیہہ بھی فرمائی ہے اور وہ اسباب و حالات بیان فرمائے ہیں جو آپ کے طرزِ عمل پر اثر انداز ہوئے۔ میرے نزدیک آپ جو خیالات رکھتے تھے اُن کے پیشِ نظر کوئی بھی صاحب الرّائے شخص آپ کے طرزِ عمل پر آپ کو ملامت نہیں کر سکتا۔

اخیر میں آپ نے ۱۹۲۰ء کی اور آج کی صورتِ حال کے درمیان ایک تفصیلی مقابلہ کیا ہے۔ مگر کسی مُلک کی تاریخ میں حالات کی ایسی دو صورتیں، جن کے درمیان دس سال کا فصل ہو بالکل ایک سی نہیں ہو سکتیں۔ بعض باتیں آپ نے ایسی کہی ہیں جو میرے لئے موجبِ حیرت ہیں: مثلاً یہ کہ لوگوں کو مزدور گورمنٹ کی نیک نیتی اور وائسرائے کے اخلاص پر اعتماد ہے یا یہ کہ گورمنٹ نے تاحدِّ امکان قراردادِ کلکتہ کے ساتھ جوابی تعاون کیا۔ مگر اتنا عرض کر دینا ضروری ہی خیال کرتا ہوں کہ میں آپ کے تجزیۂ حالات سے متّفق نہیں ہوں۔ اس کے برعکس سوال اس وقت "اب یا پھر کبھی نہیں" کا ہے۔

آپ میری عقل و خرد پر اتنا اعتبار تو کریں گے کہ میں نے آگے پیش آنے والی کشمکش میں رفاقت و معیّت کا جو عہد و پیمان گاندھی جی سے باندھا ہے وہ میں نے اس بات کو خوب سوچ سمجھ کر باندھا ہے کہ اُن کی رفاقت و معیّت کا یہ عہد و پیمان میرے اور میرے ہوتے سوتوں کے حق میں کیا معنی رکھتا ہے اِس پیرانہ سالی میں اور اپنی ان جسمانی مجبوریوں اور معذوریوں اور اپنی ان خاندانی ذمّے داریوں کے ساتھ اتنے بڑے خطرات کے سامنے سینہ سپر ہو جانے پر اس گہرے اور محکم یقین کے سوا کوئی دوسری چیز مجھے آمادہ نہیں کر سکتی تھی کہ بڑی سے بڑی جد و جہد کر ڈالنے اور بڑی سے بڑی قربانی دے گزرنے کا وقت آگیا ہے۔ کوسِ رحلت بج چکا ہے۔ اُس کی گونج میرے کانوں میں ہے اور میں اطاعت پر مستعد ہوں۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

۱۷۔ از مہاتما گاندھی

(نیشنل کانگریس کے اجلاس لاہور نے جو دسمبر ۱۹۲۹ء کے اواخر اور ۱۹۳۰ء کے اوائل میں منعقد ہوا، آزادیٔ کامل کے مطالبے کا فیصلہ کیا اور ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو پورے ہندوستان میں "یوم آزادی" منایا گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد گاندھی جی نے اس اقدام کا فیصلہ کیا جو آگے چل کر نمک ستیہ گرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ گاندھی جی اپنے کچھ رفقائے کار کو ساتھ لے کر سابرمتی آشرم سے نکلے اور ساحل سمندر ڈانڈی کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ اگلے تین خطا سی مارچ یا کوچ کے دوران میں لکھے گئے۔ اپریل کے اوائل میں وہ اور اُن کے رفقاء ڈانڈی میں گرفتار کر لئے گئے۔)

۱۱ر مارچ ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر لعل،

اِس وقت رات کے دس بجنے والے ہیں۔ یہ افواہ ہوا میں گونج رہی ہے کہ میں رات ہی میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ میں نے تم کو تار خصوصاً اس لئے نہیں دیا کہ نامہ نگاروں کو اپنے پیغام بھیجنے سے پہلے منظور کرانے پڑتے ہیں اور ہر شخص اس وقت انتہائی رفتار سے کام کر رہا ہے۔ کوئی خاص بات تار دینے کے لئے تھی بھی نہیں۔

معاملات غیر معمولی خوبی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہر سمت سے رضا کاروں کی درخواستیں چلی آ رہی ہیں، میں گرفتار بھی کر لیا جاؤں تب بھی میرے دستے کا کوچ جاری رہے گا۔ اگر میں گرفتار نہ ہوا تو اُس صورت میں میرے تاروں کا انتظار کر سکتے ہو، بہ صورتِ دیگر میں ہدایات چھوڑے جا رہا ہوں۔

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی خاص بات قابلِ ذکر ہے۔ میں نے کافی لکھ دیا ہے۔ آج شام کے وقت اِک بڑے اجتماع کے سامنے جو ساحل کی ریت پر عبادت کے لئے اکٹھا ہو گیا تھا میں نے اِک آخری پیغام دے دیا۔ خدا تمھیں سلامت رکھے اور اِس بوجھ کے اُٹھانے کی طاقت عطا کرے، سب کو پیار۔

باپو

۷۲۔ از مہاتما گاندھی،

۱۲ مارچ ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر لعل،

مجھے امید ہے کہ تمھیں میرا وہ خط مل گیا جو میرا آخری خط ہو سکتا تھا۔ مجھے اپنے عنقریب گرفتار کرلیے جانے کی جو خبریں پہنچائی گئی تھیں وہ قطعی طور پر مستند سمجھی جاتی تھیں۔ مگر ہم اپنے کوچ کے دوسرے مرحلے تک بخیر پہنچ گئے ہیں۔ تیسرا مرحلہ ہم آج شب میں شروع کریں گے۔ میں پروگرام تم کو بھیج رہا ہوں۔ تمام دوستوں کا سخت اصرار ہے کہ مجلسِ عاملہ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے مجھے احمد آباد نہ جانا چاہیئے۔ یہ تجویز خاصی معقول ہے۔ اس لئے یا تو کمیٹی وہیں چلی آئے جہاں ہم اس کی مقرّرہ تاریخ پر مقیم ہوں یا تم تنہا آجاؤ۔ یہ جذبہ کہ ہم اِس کشمکش کو اُس کی انتہا تک پہنچائے بغیر اپنی خوشی سے واپس نہ جائیں گے خاصا ترقی پذیر ہے۔ میرا واپس جانا اُس کو کسی قدر بدنما بنا دے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ کملا بخیر ہوگی۔

کل میں نے یہ ہدایت دے دی ہے کہ تم کو مفصّل تار بھیجے جائیں۔

تمھارا مخلص

باپو

۷۳۔ از مہاتما گاندھی،

۲۱ مارچ ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارا خط مجھے ملا۔ میں نے تار نہیں دیا۔ اِس لئے کہ میرا خیال ہے کہ ڈنڈی میں کوئی پٹھان نہیں ہے اور اگر پیدا ہو گئے تو ہم اُن سے نپٹ لیں گے۔ سرحد سے اچھے اور سچّے دوستوں کی آمد بھی پیچیدگیاں پیدا کر دیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈنڈی میں، اگر مجھے وہاں تک پہنچنے کی اجازت دی گئی، ایک ہی سوال، ہر قابلِ احتراز پیچیدگی سے پاک، حکومت کے سامنے رکھوں۔ گجرات میں معاملات بہت اچھی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔

مجھے تعجب ہے کہ رائے بریلی میں ابھی سے اتنی گرفتاریاں کیوں کر عمل میں

آگئیں۔ میرا خیال ہے کہ سرِ دست اپنی توجہ محصولِ نمک پر مرکوز رکھنے میں تم برسرِ صواب ہو۔ آئندہ پندرہ دنوں میں ہم جان پائیں گے کہ اب ہم اور کیا کر سکتے ہیں یا کرنا چاہیئے۔

اگر تم کو اس کے برخلاف کوئی اطلاع ہمارے یہاں سے نہ پہنچے تو چھٹی ہی اپریل کو ایک ساتھ ستیہ گرہ کی ابتداء کی مقررہ تاریخ سمجھنا۔

اب رات کے دس بجنے والے ہیں۔ اس لئے خدا حافظ

باپو

۴۷۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام ایم۔ اے۔ انصاری

شاہی باغ۔ احمد آباد، ۲۰ / مارچ ۱۹۳۰ء

میرے محترم انصاری،

میں یہاں جیسے ہی گاڑی سے اترا آپ کا خط مجھے دے دیا گیا۔ جواہر کو ایک خط مہاتما جی کا بھی ملا جسے ایک خاص قاصد لے کر آیا تھا۔ اس خط سے معلوم ہوا کہ اگر وہ اس موٹر سے جو اُن کی منتظر کھڑی تھی فوراً ہی نہ چل پڑے تو پھر اُن کے لئے کل کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ سے پہلے مہاتما جی سے ملنا ممکن نہ ہوگا۔ آگرے سے احمد آباد تک کا طویل سفر اور وہ بھی ایک کھچا کھچ بھرے ہوئے تیسرے درجے کے ڈبے میں! غریب نے پوری رات جاگ کر گزاری، ایک جھپکی بھی نہیں لی۔ مگر مہاتما جی کے ارشاد کے مطابق فوراً ہی چل پڑا۔ یہ سفر موٹر سے کرنا تھا اور رات کے دو بجے ایک مدّ و جزری یا جوار بھاٹے والے دریا کو عبور کرنا تھا جس سے اور کسی وقت عبور کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اگر راستے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی تو مہاتما جی سے جواہر کے ملنے کا وقت تقریباً وہی تھا جو مہاتما جی کی عبادت کا ہے یعنی چار بجے صبح۔ آج شام کے ۶ بجے تک جواہر کو یہاں واپس آجانا چاہیئے۔

ایسی مشقّت ظاہر ہے کہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔ مجھے پیچھے ہی رہ جانا پڑا۔ میرا پروگرام اب یہ ہے کہ ہم آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ سے کل فارغ ہو جائیں گے۔ اگر کام ختم نہ ہوا تو رات گئے تک نشست جاری رہے گی اور پھر

دوسرے دن تڑکے ہی ٹرین سے بڑوچ کو روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں میرے لئے ایک موٹر تیار ملے گی جو مجھے مہاتما جی کی منزل تک پہنچا دے گی۔ یہاں مجھے توقع ہے کہ میں چند گھنٹے مہاتما جی کے ساتھ صرف کروں گا ۵ بجے شام کے قریب وہ اپنی دوسری منزل کے لئے روانہ ہو جائیں گے۔ اور تب میرے لئے تین متبادل صورتیں رہ جائیں گی: کوئی مناسب گاڑی یا تو سورت سے پکڑوں یا بڑوچ سے یا بڑودہ سے۔ اِن ریلوے اسٹیشنوں اور مہاتما جی کی منزل یا پڑاؤ کے درمیان فاصلہ کس کس قدر ہے اور سڑکیں کیسی ہیں، یہاں کے لوگوں کو ان باتوں کا علم نہیں ہے مگر جہاں تک گاڑیوں کا تعلق ہے صرف دو گاڑیاں مناسب ہیں۔ ایک فرنٹیر میل دوسری بمبئی دہلی اکسپریس۔ فرنٹیر میل کے لئے بڑوچ قطعاً خارج از بحث ہے، میل یہاں ٹھیرتا ہی نہیں۔ دورانِ سفر میں وقفے کے لئے اکسپریس ہی زیادہ مناسب ہے خواہ یہ وقفہ میں رتلام میں کروں خواہ جاورہ میں، جہاں سے میں یہ ٹرین پھر پکڑ پاؤں۔ اِک عارضی انتظام کی حیثیت آپ یہ فرض کرلیں کہ ۲۳ر کی صبح کو میں چھے بجے رتلام پہنچ رہا ہوں، دن بھر آپ کے ساتھ جاورہ میں رہوں گا اور پھر رات کے بارہ بجے کے قریب میں فرنٹیر میل سے الہ آباد کے لئے چل پڑوں گا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ یہ پروگرام باقی رہے گا مگر چوں کہ آپ دو دن پہلے سے اطلاع چاہ رہے تھے اس لئے آپ کو یہ خطرہ برداشت کرنا پڑے گا کہ جاورہ کے موٹر مجھے لئے بغیر رتلام سے خالی واپس ہوں۔ آپ کو کوئی تار دینا کچھ زیادہ مفید نہ ہوگا۔ تاہم میں آپ کو تار دے دوں گا، شاید وہ آپ کو وقت کے اندر مل جائے، اگرچہ اس کا امکان کم ہی ہے۔

میں صاحبزادہ کا اُن کی پُرمحبت دعوت کے لئے شکر گزار ہوں یا اوپر میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس سے اُن پر روشن ہو جائے گا کہ اُن کی دعوت قبول کرلینے میں کس قدر آرزومند ہوں، مگر یہ ایک مشتبہ اور مخدوش سا معاملہ ہے۔ ممکن ہے اُن سے ملنے کا موقع میں پھر کھو دوں جو میرے لئے ایک بڑی مایوسی کی بات ہوگی۔

آپ کا مخلص

موتی لعل نہرو

ڈاکٹر ایم۔ اے۔ انصاری

۷۵۔ از ایم۔ اے۔ انصاری

ریاست جاورہ، ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر،

میں نے مہاتما جی کو یہ خط بھیجا ہے جس کی نقل ملفوف ہے میرے خیال میں تم اور مہاتما جی یہی دو شخص ایسے ہیں جو پنڈت جی پر کچھ اثر رکھتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا مشورہ جو اُن کے جسمانی حالات پر مبنی ہے، اُن کی نظر میں اس لئے شاید بے لوث نہ ہو کہ بدقسمتی سے آج تحریک میں میں اُن کے ساتھ نہیں ہوں۔ بہ ہر حال اِس وقت اُن کی جو حالت ہے میں ضروری خیال کرتا ہوں کہ تم کو اُس سے مطلع کردوں تاکہ جس حد تک ممکن ہو تم اُنھیں سمجھا بجھا کر آرام کرنے پر آمادہ کر سکو۔ آرام کرنا اُن کے لیے ضروری ہے اور اُن کو آرام کی سخت ضرورت ہے۔

پُر محبت احترام کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم۔ اے۔ انصاری

۷۶۔ از ایم۔ اے۔ انصاری بنام مہاتما گاندھی

ریاست جاورہ، ۳۰ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء

میرے محترم مہاتما جی

میرا ارادہ آپ کو پچیسویں ہی کو خط لکھنے کا تھا، یعنی جس دن پنڈت جی مجھ سے یہاں ملے اُس کی صبح کو۔ مگر مجھے یک بہ یک بھوپال سے نواب صاحب کی والدہ کو دیکھ لینے کے لیے بُلاوا آگیا جو کچھ دنوں سے بیمار ہیں۔ اس بار میں نے پنڈت جی کی صحت بہت غیر اطمینان بخش حالت میں پائی۔ مسلسل فکر و تردّد اور حد سے زیادہ کام کا بار جو حال میں اُنھیں اُٹھانا پڑا ہے اور اُن کا آپ سے ملنے کو جانا اور گرد و غبار میں پیدل چلنا، ان باتوں نے دمے کے حملے کو از سرِ نو تیز تر کر دیا اور اُن کے پہلے ہی سے بڑھے ہوئے دل پر مزید بوجھ ڈال دیا۔ وہ اب مشکل سے چل پھر سکتے ہیں اور معمولی نقل و حرکت سے بھی ہانپنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے علم میں ہے وہ ایک غیر منتظم خون کے دباؤ کی شکایت بھی رکھتے ہیں۔

اور ایک عام دماغی اور جسمانی کمزوری اور انحطاط کے بھی مریض ہیں۔ عمر بھی اب اُن کی اتنی ہے کہ بحالی صحت کی قوت بھی اب اُن کے اندر کم ہی رہ گئی ہے۔ مگر اس پر بھی وہ محنت و مشقت کے کاموں سے باز نہیں آرہے ہیں اور نہ آئندہ باز آنے اور آرام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کا انھوں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کو اُن کی صحت کی اصلی حالت سے مطلع کر دوں اور آپ سے درخواست کروں کہ آپ اپنے اثر سے کام لیں اور اُن کو آرام کرنے پر اور ہر قسم کی جسمانی محنت سے اجتناب کرنے پر آمادہ کریں۔

میں آپ کی تمام نقل و حرکت کا بہ غور مطالعہ کر رہا ہوں اور آپ کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔

پُر محبت احترامات کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم۔ اے۔ انصاری

۷۷۔ از مہادیو ڈیسائی

(مہادیو ڈیسائی گاندھی جی کے سکریٹری اور محبوب چیلے تھے۔ یہ خط نمک ستیہ گرہ کے آغاز کے فوراً ہی بعد لکھا گیا)

آشرم، سابرمتی، ۷ / اپریل ۱۹۳۰ء

میرے عزیز ترین جواہر لعل،

دوسری جلد کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ اس کے پڑھنے کا وقت مجھے کب ملے گا، ہاں شاید جیل میں اس کا وقت مل سکے اگر میری خوبیِ قسمت نے جلد ہی مجھے وہاں پہنچا دیا۔ میں فی الحقیقت بہت پُر اُمید ہوں۔ ہم نے چھٹی کو تحریک کا آغاز کیا اور احمد آباد میں ممنوع نمک فروخت کیا اور تیرھویں تک ایسا کرتے رہیں گے۔ ہمارے سب سے اچھے کام کرنے والوں میں سے چار جا چکے۔ ویرام گام میں ہم نے چُنگی والوں کے گھیرے پر حملہ کیا، منی لال کوٹھاری اور احمد آباد کے ہمارے کچھ کام کرنے والے چلے گئے۔ اس ضلع کے دوسرے مرکز، دھولیرا، میں امرت لعل سیٹھ گئے۔ کیرا میں دربار گوپال داس کو دفعہ ۱۱۷

کے ماتحت ۲/۷ ماہ کی وحشیانہ سزا دی گئی۔ اور اب شاید یہی دفعہ ہندوستان بھر میں لگائی جائے۔ اُن کے ساتھ پانچ آدمی اور گئے۔ بڑودہ میں کل ڈاکٹر چندولعل پر مقدمہ چلے گا۔ سورت میں رام داس نے اپنے بہت سے ساتھیوں کے ساتھ یہ امتیاز حاصل کیا۔

آپ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ ہم نے اپنی استقامت کا اچھا ثبوت دیا ہے اور انشاء اللہ برابر ایسا کرتے رہیں گے۔ آج سے ایک ماہ پہلے مجھے اپنے اوپر کوئی اعتماد نہیں تھا جب ولبھ بھائی گرفتار کئے گئے تھے مگر لوگ جس طرح اس تحریک میں دل وجان سے شریک ہو رہے ہیں اُس نے مجھے خود اعتمادی سے بھر دیا ہے۔ آج کل میں روزانہ عام جلسوں میں تقریریں کر رہا ہوں، میں نے اپنی زندگی میں اتنی تقریریں کبھی نہیں کی تھیں۔ یہ عام جلسے نظم وضبط اور خاموشی کے نمونے ہوا کرتے ہیں۔ غور فرمائیے دس سے پندرہ ہزار تک کے مجمع کا ہر روز شام کو ساڑھے چھ بجے اکٹھا ہونا اور وہ میرے جیسے شخص کی ایک تقریر سننے کے لئے جس کو مقرر وخطیب ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں رہا ہے اور پھر غروب آفتاب سے کچھ پہلے منتشر ہو جانا! رضا کار ہر طرف سے ہزاروں کی تعداد میں چلے آ رہے ہیں۔ دو دن پہلے ان کی تعداد پانچ سو تھی آج ایک ہزار سے اوپر ہے۔ عورتیں بھی اپنے نام درج کراتی رہی ہیں مگر کل پچاس نئی رنگروٹ آئیں اور سب جوش وخروش سے لبریز۔ اگر یہ چیز یونہی جاری رہی، اور اس میں شک نہیں کہ جاری رہے گی، تو پھر میری آزادی کے دن بھی گنتی ہی کے ہیں۔ مگر میرے بعد کام کو سنبھال لینے والے بہت ہیں۔ اس وقت میرا وقت جن کاموں میں بٹا ہوا ہے وہ یہ ہیں: ۱) آشرم جس کا میں برائے نام سربراہ ہوں، کوئی کام اُس کا میرے ذمے نہیں ہے۔ ۲) صوبائی کمیٹی جس کا بہ یک وقت میں صدر بھی ہوں، سکریٹری بھی ہوں اور وزیر حرب بھی۔ ۳) نوجیون اور ینگ انڈیا جس کو میں اپنی استعداد بھر بہتر سے بہتر طریقے پر نکال رہا ہوں مگر سچ پوچھئے تو جب تک باپو باہر ہیں یہ پرچے بازیچۂ طفلاں ہیں اور ۴) ضلع میں دورے کرنے۔ یہ تفصیلات میں آپ کو اس لئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ اپنے کام کی نمائش کروں، بلکہ صرف اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ آپ کو اس امر کا

ایک اجمالی سا علم ہو جائے کہ ایک اوسط درجے کا آدمی بھی، جب کام اُس کے کندھوں پر آ پڑتا ہے، کیا کچھ کر سکتا ہے۔ خدا کسی کے شانوں پر اُس کی قوت برداشت سے گراں تر بوجھ نہیں ڈالا کرتا۔

میں ایک علیحدہ پیکٹ یا لفافے میں اُس نمک کی ایک چٹکی بھیج رہا ہوں جو باپو نے ۶ اپریل کو ڈنڈی میں تیار کیا تھا۔ اس کو آپ بطور ایک یادگار کے محفوظ رکھیں یا اسے نیلام کر دیں مگر سرکاری بولی ایک ہزار سے کم نہ ہو۔ وہ چھوٹا سا پیکٹ جو میرے پاس ہے پانچ سو ایک روپے میں خریدا گیا تھا۔ میں یہ خط کرشنا کے نام بھیج رہا ہوں مبادا پولیس آپ کے نام کے خط کھول لے اور اس انمول نمک کی چٹکی کو ضبط کر لے۔

آپ کا محبت کیش

مہادیو

۷۸۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام شیو پرشاد گپتا

(میرے والد کے ایک عدالت میں کام کرنے پر شیو پرشاد گپتا نے جو یو پی کے ایک سر برآوردہ کانگریسی تھے اعتراض کیا تھا۔ یہ خط میرے والد نے اسی اعتراض کے جواب میں لکھا تھا)

الہ آباد، یکم جون ۱۹۳۰ء

محترم شیو پرشاد جی

آپ کا خط مورخہ ۵ جیٹھ سمبت ۱۹۸۶ ملا۔ مجھے یہ سن کر افسوس ہوا کہ میرے ایک عدالت میں جسے آپ ایک "غیر ملکی عدالتِ قانون" کہتے ہیں پیش ہونے سے جب کہ میں بہ حیثیت صدرِ کانگریس کام کر رہا ہوں آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی، بلکہ اس کے برعکس اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں خود اپنی نظر میں حقیر ہو جاتا۔

اور جہاں تک اِس نازک وقت میں کانگریس کی "ساکھ اور شہرت" کا تعلق ہے سو یہ ساکھ اور شہرت تباہ ہو جاتی اگر میں کانگریس کا صدر ہوتے ہوئے مقدمے کے عجیب و غریب حالات کے پیش نظر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرتا۔

میں نے اس مقدمے سے رہائی پانے کے لئے ہر ممکن اور باعزت ذریعہ استعمال کر چکنے کے بعد اپنے آپ پر خود اپنے ضمیر کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور اس عدالت سے اگرچہ میں باعزت رہا کر دیا گیا تب بھی میں نے اپنے اوپر، اپنی ہر پیشی پر، ایک ہزار روپیہ جرمانہ عائد کر لیا۔ دس دن جو میں نے آگرے میں صرف کئے وہ بیشتر کانگریس کے کام میں صرف ہوئے اور کانگریس کے سرمائے کے لئے جو بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہا ہے، دس ہزار روپے کی رقم بھی لائے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ٹھیک ہو رہا ہے۔ پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

آپ کا مخلص

بابو شیو پرشاد گپتا موتی لعل نہرو

بنارس

۷۹۔ از پنڈت موتی لعل نہرو بنام کرشنا نہرو۔

(پنڈت موتی لعل نہرو نے نینی کے مرکزی جیل خانے سے ۳۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو ایک خط اپنی لڑکی کرشنا نہرو کو لکھا تھا۔ یہ اقتباس اسی خط کا ہے)

ہر شخص سے کہہ دینا کہ میں اب بالکل اچھا ہوں۔ ابتداء میں آٹھ یا نو دنوں تک میری طبیعت ناسازسی رہی، کبھی کبھی بخار بھی آجایا کرتا تھا، کچھ کھانے کو جی نہیں چاہا کرتا تھا مگر اب یہ باتیں جاتی رہیں اور میری قوت بتدریج بحال ہو رہی ہے۔ میں کسی قدر دُبلا ضرور ہو گیا ہوں مگر یہ کوئی اہم یا فکر کی بات نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ دوسرے سنیچر کو میں تم سب سے اپنی صحت کی قریب قریب اُسی حالت میں ملوں گا جس حالت میں تم لوگوں نے مجھے اخیر بار پایا تھا۔

جو کھانا اب آنند بھون سے یا نمبر ۹ کانپور روڈ سے (میں نہیں جانتا یہ کون سا ہوا کرتا ہے) آیا کرتا ہے وہ بہت خوش گوار ہوا کرتا ہے اور اُس کھانے کے مقابلے میں جو یہاں تیار ہوا کرتا تھا، مجھے بہت موافق پڑا کرتا ہے۔ مگر کھانا مجھے چند ہی دنوں تک بھجوانا ضروری ہو گا پھر میں اپنی پُرانی عادت پر آجاؤں گا جو ایسے حالات میں میں اختیار کر لیا کرتا ہوں، یعنی جو چیز کھانے کو جی چاہا کرے گا خود ہی "کوکر" میں بھر کر چولھے پر رکھ دیا کروں گا اور اپنے

معمول کے مطابق وقتاً فوقتاً نئے نئے کھانے ایجاد کرتا رہوں گا، اِن نو ایجاد کھانوں میں سے کچھ تو ہماری توقع پر پورے اُترا کریں گے۔

میں سوچتا ہوں کہ میرے لئے اس قسم کی کچھ تفریح یا دل بہلاؤ کی ضرورت ہے۔ اس وقت تو یہ حال ہے کہ ہر چیز مجھے مہیّا کر دی جاتی ہے اور میرے ذمّے صرف کھانا، سونا اور پڑھنا رہ جاتا ہے۔ ہری کے لئے مناسب ہوگا کہ میری خدمت گزاری کے معاملے میں وہ جواہر کی پیروی کرے۔ صبح کی چائے کے وقت سے لے کر رات کو سونے کے لئے بستر پر جانے کی گھڑی تک مجھے اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنی جگہ پر مل جایا کرتی ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی جزئی بات کا بھی توجہ کے ساتھ خیال رکھا جاتا ہے۔ آنند بھون میں تو اکثر ایسا ہوا کرتا تھا کہ ضرورت کی چیزوں کی نسبت پوچھنا اور کبھی کبھی چیخنا چلّانا بھی پڑا کرتا تھا مگر یہاں اس کی ضرورت کبھی پیش نہیں آیا کرتی۔ محمود بھی کبھی کبھی ہاتھ بٹا دیا کرتے ہیں مگر اصل بوجھ جواہر کے کندھوں پر آپڑا ہے۔ مجھے تو اپنی سستی و کاہلی کے سبب اپنے آپ سے نفرت سی ہو گئی ہے۔ جواہر کا بہت سا وقت میں لے لیا کرتا ہوں جو دوسری طرح بڑے مفید کاموں پر صرف ہوا کرتا۔ مگر جواہر ہر چیز کو قبل از وقت بھانپ لیا کرتے ہیں اور کوئی کام میرے لئے نہیں چھوڑا کرتے۔ کاش بہت سے باپ ایسے ہوتے جو اپنے ایسے بیٹوں پر فخر و ناز کرتے۔

جہاں تک تمھاری نقل و حرکت کا تعلق ہے ہم "پائنیر" سے، جس قدر اُس میں چھپا کرتا ہے، معلوم کرتے رہتے ہیں۔ اس اخبار سے بہت کم خبریں ملا کرتی ہیں مگر جو تھوڑی بہت اس میں آجایا کرتی ہیں اُن سے ہم باقی باتوں کا تصوّر کر لیتے ہیں۔ تم سب نے خوب کام کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ بھی اسی جوش اور قوّت کے ساتھ کام کرتی رہو گی۔ جواہر کو اور مجھے تم سب پر بہ شمول ننھّے ننھّے بچّوں کے فخر و ناز ہے۔

۸۰۔ از پنڈت موتی لعل نہرو

(میرے والد ۱۹۳۰ء کے نصف آخر میں اپنی شدید علالت کی بنا پر جیل سے رہا کر دیے گئے۔ اِس علالت سے وہ جاں بر نہ ہو سکے اور دو ہی تین مہینوں کے

بعد انتقال فرما گئے۔ ایک تجویز تھی کہ وہ ایک بحری سفر کریں مگر اُن کی صحت اِس تیزی کے ساتھ انحطاط پذیر ہوئی کہ اس تجویز پر عمل نہ کیا جا سکا اپنی علالت کے باوجود وہ برابر قومی تحریک سے دل چسپی لیتے رہے۔ اس زمانے میں میں جیل میں تھا)

آنند بھون الہ آباد

۱۱ر نومبر ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر،

یہ خط تازہ ترین خبروں پر مشتمل ہے۔ آج سہ پہر میں جب بِٹّی اور شمی، کملا، نان، اندو اور تمھاری والدہ کے ساتھ ملاکا جیل میں سُندر لعل، منظر علی اور دوسرے قیدیوں کا، جو آج سے تین دن پہلے گرفتار ہوئے تھے، مقدمہ سُننے اور دیکھنے گئیں تو جیل ہی میں یک بہ یک گرفتار کر لی گئیں۔ نان وہاں سے مجھے اطلاع دینے فوراً ہی آئی۔ میں بستر ہی پر تھا مگر بیٹھا ہوا تھا اور کھانس رہا تھا۔ میرا جانا بے سود تھا۔ اگر جانا بھی چاہتا تو جسمانی کمزوری کے پیش نظر جانے کے لائق ہی نہ تھا۔ میں نے مقدمے کی کارروائی دیکھنے کو نان کو واپس بھیجا مگر اس سے پیشتر کہ وہ جیل واپس پہنچے کارروائی ختم ہو چکی تھی۔ بِٹّی، شمی اور اُن تمام قیدیوں کو جو پہلے گرفتار ہو کر آئے تھے سب کو قانونِ تعزیراتِ ہند کی دفعہ ۱۸۸ (ایک سرکاری اہل کار کے ایک قانونی طور پر نافذ کئے گئے حکم کی خلاف ورزی) کے ماتحت پچاس روپیہ فی کس جرمانہ کی سزا ملی اور بہ صورتِ عدم ادائگی جرمانہ ایک ایک ماہ کی قید محض۔ اب یہ سب کے سب ملاکا جیل میں ایک دوسرے کی صحبت کا لطف اُٹھا رہے ہیں۔ کھانا اور کپڑے وغیرہ سب کو بھیجے جا رہے ہیں۔ جہاں تک میں معلوم کر پایا ہوں بِٹّی اور شمی نے صرف اتنا حصّہ لیا تھا کہ جب دوسرے ساتھی سڑکوں پر آلتی پالتی مارے بیٹھے گا رہے تھے یہ دونوں گانے میں اُن کی قیادت کر رہی تھیں۔ کملا اور نان ابھی آزاد ہیں، مگر کب تک آزاد رہیں گی یہ نہیں کہا جا سکتا۔ میری آرزو تو یہ ہے کہ یہ دونوں بھی جلدی کریں تاکہ میں یہ جان سکوں کہ اب گھر بار کا مجھے کیا انتظام کرنا ہے۔ سندر لعل پر کل پھر دفعہ ۱۴۴ الف کے ماتحت مقدمہ چلے گا۔ یہ بہت ممکن ہے کہ کل مزید گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ الہ آباد

میں یومِ صلح یا یومِ التوائے جنگ اِس طرح منایا گیا۔

ولبھ بھائی اور مہادیو نے دو دن یہاں قیام کیا، مگر دونوں دن زیادہ تر اپنے بستروں پر پڑے رہے، یہاں پہنچتے ہی دونوں ملیریا میں مبتلا ہو گئے۔ آج دونوں آدمی بمبئی واپس چلے گئے ہیں۔

میرا حال بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے۔ اب بلغم کے ساتھ خون کے کبھی کبھی آجانے کا سوال نہیں رہا۔ گزشتہ تین دنوں سے میں برابر بستہ و منجمد خون کے چکتے تھوک رہا ہوں۔ الٰہ آباد میں جو علاج بھی کیا جا سکتا تھا کر لیا گیا مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کل صبح میں نے بیٹی اور مدن اٹل کو ساتھ لے کر کلکتہ جانے کا فیصلہ بالآخر کر ہی لیا اور میجر اوبرائے کو ٹیلیفون کر دیا کہ وہ تم کو اپنے عزیزوں سے ملنے کی اجازت بجائے ۱۹ ر کے جس دن وہ قانوناً واجبی ہے ۱۵ ر ہی کو دے دیں۔ میں نے اُن کو اس بارے میں ضابطے کا ایک خط بھی لکھ دیا۔ وہ ازراہِ کرم اس بات پر راضی ہو گئے، سو اب ہم لوگ یعنی ہم میں سے جو لوگ پندرھویں کے دس بجے دن کو آزاد رہیں گے، تم سے ملیں گے۔ میں ۱۶ ر یا ۱۷ ر کو کلکتہ جانا سوچ رہا ہوں، ڈاکٹر جیوراج مہتا کو کلکتے میں مڈیکل اسوسی ایشن کی کسی میٹنگ میں شرکت کرنی ہے وہ مجھ سے وہیں ملیں گے۔ میرے خیال میں بیٹی کے عوض کسی دوسرے کو لے جانا ضروری نہیں ہے۔ مدن کا کوئی جواب اب تک نہیں آیا ہے لیکن اگر وہ ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گیا تو کسی دوسرے ساتھی کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ اگر اس درمیان میں کملا بھی گرفتار کر لی گئی تو پھر اندو کو میں اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا، اس لئے کہ کملا اور بیٹی دونوں کی غیر موجودگی میں وہ تنہائی محسوس کرے گی۔ مجھے مطلع کرو کہ تم بھی اس انتظام سے متفق ہو یا نہیں اس لئے کہ اندو کے واسطے اس طویل بحری سفر کے لئے سامانِ سفر مہیا کرنا پڑے گا۔

میں نے دوسری تاریخ کو کلکتے کے ٹامس کوک کو سنگاپور کے سفر سے متعلق ضروری اطلاعات کے لئے لکھا تھا۔ کل تک جب کوئی جواب نہ آیا تو میں نے جلد جواب بھیجنے کے لئے اُن کو ایک تار دیا۔ آج جواب آیا کہ اُن کو میرا کوئی خط پہنچا ہی نہیں! میرا خط آپادھیا نے ٹرین میں سپرد ڈاک کیا تھا۔ نظم و قانون کے

محافظوں نے سمجھا کہ میں مُلک سے فرار ہونا چاہ رہا ہوں یا کسی سنگین جرم کے ارتکاب کا ارادہ کر رہا ہوں اس لیئے انھوں نے میرے خط کو اُس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے ہی نہیں دیا۔ میں کل پھر کوشش کروں گا اور خفیہ پولیس کے لیئے اخیر میں ایک نوٹ بڑھا دوں گا۔

۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ء

کل رات یہ خبر میری راحت میں خلل انداز ہوئی کہ کچھ لوگ بِٹّی اور شمّی کے جُرمانے ادا کر دینے کی سازش کر رہے ہیں۔ بعد کو بتایا گیا کہ بِٹّی کا جرمانہ تو ادا کیا جا چکا ہے اور وہ اب رِہا ہونے والی ہی ہے۔ اِس خبر سے سخت اذیت پہنچی اور میں نے فوراً ہی ایک بیان پریس کو بھیج دیا۔ آج صبح یہ بیان اخباروں میں شائع ہو گیا۔ ایک تراشہ اس کا تم کو بھیج رہا ہوں۔ یہ شرارت بہر حال کی جا چکی تھی اور نصف شب کے قریب جب میں سو گیا تھا تب وہ عجیب و غریب قسم کا بیوقوف جو گوپی کنزرو کے نام سے پکارا جاتا ہے ایک موٹر پر بٹی اور شمی کو لیئے ہوئے اندر آیا۔ مجھ کو اس کی اطلاع آج صبح ملی۔ گوپی نے لڑکیوں کو بتایا کہ وہ اُس شخص کے وکیل کی حیثیت سے یہ کام انجام دے رہا ہے جس نے حقیقت میں جرمانے ادا کیئے مگر وہ اُس شخص کا نام ظاہر نہیں کر سکتا۔ اِن لوگوں نے میرا بیان اخبارات میں آج صبح کو پڑھ لیا ہوگا اور جو رائے اُن لوگوں نے خود اپنی نسبت اور میرے متعلق بھی قائم کر لی ہو گی اُسے بدل ڈالنا پڑا ہوگا۔ یہ بیان مجھے امید ہے کہ اُس وقت مفید ثابت ہوگا جب ایسی ہی اور گرفتاریاں ہوں گی اور لوگ نیک دل اور فیاض سماریٹن کا پارٹ ادا کرنے سے پہلے بار بار غور کر لینے پر مجبور ہوں گے۔

اب کہ بٹی واپس آگئی ہے میرا اصل پروگرام علی حالہ باقی رہے گا اور وہ کلکتے اور سنگاپور میرے ساتھ جائے گی۔ اندو اب اپنے لکھنے پڑھنے کی طرف مائل ہو رہی ہے اور میں اس کے لکھنے پڑھنے میں خلل انداز ہونا نہیں چاہتا۔ ہاں اگر وہ خود میرے ساتھ چلنے پر مصر ہوئی تو اور بات ہے۔

ہندو کلینڈر کے مطابق کل اور گرگیورین کلینڈر کے مطابق پرسوں تمھارا یومِ پیدائش ہے۔ مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ میں تم سے کل یا پرسوں ملوں۔ یہ تجویز بہر صورت

مجھے پسند نہیں آئی اس لئے کہ میں اپنے سفرِ کلکتہ سے قریب ترین وقت میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں سولھویں تاریخ کو ترجیح دیتا مگر سولھویں کو سارے ہندوستان میں "یومِ جواہر" منایا جا رہا ہے اور لڑکیاں سب مصروف ہوں گی۔ اس لئے میں سترھویں کو پنجاب میل سے سفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جو کتابیں تم نے کلکتے سے منگوانے کو کہا تھا اُن کے لئے ایک زمانہ ہوا کہ لکھ دیا گیا تھا مگر وہ اب تک نہیں آئیں۔ خط غالباً روک لیا گیا۔ اگر میرے سفر سے پہلے یہ کتابیں نہ آئیں تو میں کلکتے سے بھجوادوں گا۔ مزید عند الملاقات

رنجیت کو پیار۔

تمہارا محبت آگیں

باپ

(پریس میں جو بیان دیا گیا)

مس کرشنا نہرو ـــــ ایک لامعلوم شخص نے جرمانہ ادا کر دیا؟

پنڈت موتی لعل نہرو کا بیان

پنڈت موتی لعل اپنے ایک بیان کے دوران میں فرماتے ہیں:

"میں نے ابھی ابھی سُنا ہے کہ کسی لامعلوم شخص نے پچاس روپے اُس جرمانے کے جو میری لڑکی کرشنا نہرو پر آج سہ پہر کو اس کی یک بہ یک گرفتاری اور عدالتی تحقیقات کے فوراً ہی بعد عائد کیا گیا تھا ادا کر دیے ہیں۔ اگر میری یہ اطلاع صحیح ہے تو اس لامعلوم شخص نے میرے ساتھ، میری لڑکی کے ساتھ، اور ملک کے ساتھ وہ بڑی سے بڑی بدسلوکی کی ہے جو سوچی جا سکتی تھی۔ اس شخص کا نام بہت دنوں تک لامعلوم نہیں رہ سکتا۔ اگر میرے ہم وطن میرے لئے اور میری اُس تھوڑی بہت خدمت کے لئے، جو مجھ سے وطن کی بن آئی ہے کوئی احترام بھی اپنے دلوں میں رکھتے ہیں تو اس لامعلوم شخص کو میرا اپنا اور وطن کا خطرناک ترین دشمن جانیں اور اُس سے ایسا ہی سلوک کریں۔"

۸۱ - از پنڈت موتی لعل نہرو بنام سوبھاش چندر بوس

الہ آباد، ۱۴ر نومبر ۱۹۳۰ء

عزیزی سوبھاش

چونکہ ڈاک اور تار دونوں سرتاسر ناقابلِ اعتماد ہیں، اس لئے یہ خط میں ایک خاص نامہ بر کے ہاتھ تمھیں بھیج رہا ہوں تاکہ تمھیں اطلاع ہو جائے کہ میں نے دو شنبے کے دن ۱۷ر نومبر کو پنجاب میل سے کلکتے آنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے ساتھ میری چھوٹی لڑکی کرشنا ہوگی جو میری دیکھ بھال کرے گی اور ایک ڈاکٹر دوست ہوں گے۔ یہ اس غرض سے ساتھ ہوں گے کہ اگر سر نیل رتن سرکار نے مجھے سنگاپور کے بحری سفر کی اجازت دی جیسا کہ مجھے مشورہ دیا گیا ہے تو یہ ڈاکٹر سر نیل رتن کی ہدایت پر دورانِ سفر میں عمل کرتے رہیں گے۔

میں خاصی بڑی مقدار میں خون تھوک رہا ہوں اس لئے میں کسی پبلک استقبال کا بار اُٹھانے کی تاب نہ لا سکوں گا۔ تو اب تم ازراہِ کرم اس بات کا لحاظ رکھنا کہ کوئی دھوم دھڑکے کا استقبال میرا نہ ہو اور صرف میرے چند ذاتی دوست اور وہ بھی نصف درجن سے زیادہ نہیں، مجھ سے اسٹیشن پر ملیں۔

اسی سبب سے میں کام کرنے والوں کے ساتھ طویل گفت و شنید اور مشورے بھی نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر ضروری ہوا تو دو ایک سر برآوردہ کام کرنے والوں سے بات چیت کر لینے میں مجھے مسرت ہوگی۔

میں کلکتے میں سر نیل رتن سرکار اور دوسرے اطبا، کا جن کو سر نیل رتن مشورے کے لئے بلانا مناسب سمجھیں، علاج پورا کر لینے کی غرض سے غالباً ایک ہفتے کے قریب ٹھیروں گا۔ اِس عرصے میں میں قیام کے لئے فطری طور پر اِک پُرسکون جگہ پسند کروں گا کیا تم ازراہِ کرم میری پارٹی کے قیام کا مناسب انتظام کر دوگے؟ میں نے خود کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔

تمھارا مخلص

موتی لعل نہرو

شری یت سبھاش چندر بوس، نمبر ۱، ووڈ برن پارک، کلکتہ

۸۲۔ از پنڈت موتی لعل نہرو،

الہ آباد، ۲۰ جنوری ۱۹۳۰ء

عزیزی جواہر،

کملا کا یہ ملفوف خط کل شام کو ملا اور جو آج صبح تمھیں بھیج دیا جانا چاہیئے تھا۔ مگر ہمارا خط تیار نہیں تھا۔ خود اُس کے خط سے نیز اُن باتوں سے جو میں نے دوسرے ذرائع سے سُنیں، معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی دیکھ بھال اچھی طرح کی جا رہی ہے۔ راج بڑی تکلیفیں اُٹھا رہا ہے۔ ہماری پہلی ملاقات ۲۵ کو لکھنؤ میں ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ یہ ملاقات اتنی دیر بعد کیوں رکھی گئی۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اُس سے ملنے کی مسرّت سے مجھے اپنے آپ کو روکے رکھنا پڑے گا، اس لئے کہ ۲۴ تک مجھے توقع ہی نہیں ہے کہ میں سفر کے قابل ہو پاؤں گا۔ تمھاری والدہ، بٹّی اور اندو جائیں گی۔

میں کل تک کم و بیش اطمینان بخش طور پر چلا جا رہا تھا کہ کوئی خرابی پیش آگئی اور پوری رات جاگ کر بسر کرنی پڑی، پلک تک نہ جھپکی۔ حرارت بھی کسی قدر معمول سے بڑھ گئی اور تھوک کے ساتھ خون کی مقدار بھی خاصی رہی۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ آج میں اپنے آپ کو بہت ہی خستہ اور تھکا ہوا پا رہا ہوں۔ مگر مجھے امید ہے کہ رات بہتر گزرے گی۔ یہ خاص بات قابلِ اطمینان ہے کہ میرا وزن نہیں گھٹا۔ وہ یکساں طور پر آج بھی ۱۱۹ پاؤنڈ ہے۔

کویراج بابو چند روز کے لئے بنارس گئے ہوئے ہیں۔ وہ کل شام تک واپس آئیں گے اور تب آئندہ علاج کا کورس یا طریقہ مرتب کیا جائے گا۔ میں بالکل یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ علاج کس کا ہوگا۔ اس معاملے میں بہت سی باتوں کا انحصار کویراج بابو کی مرض کی آئندہ رفتار یا حالت سے متعلق پیش بینی پر ہوگا۔

انھوں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں دن کا بیشتر حصّہ دریا ہی پر صرف کیا کروں مگر رات کو سویا گھر ہی پر کروں۔ مالویہ جی کوشش کر رہے ہیں کہ بنارس سے میرے لئے ایک بجرا بھیج دیں۔

اندو بالکل اچھی اور خوش و خرم ہے۔ اُس نے اُس پُرانی لکڑی کی کوٹھری کو جس میں ہرن رکھا گیا تھا، ٹھیک ٹھاک کر کے گرمیاں بسر کرنے کا گھر سا بنالیا ہے۔ بٹّی اور وہ دونوں دوپہر کا کچھ وقت اسی کوٹھری میں گزارا کرتی ہیں۔

تمھارے باغ سے کچھ پھول "ولایتی مٹر" کے میرے لیے لائے گئے ہیں۔ میں نے انھیں محفوظ رکھ چھوڑا ہے وہ اب تک ہرے بھرے ہیں اور مرجھانے کے آثار ابھی ان پر نمایاں نہیں ہوئے ہیں۔

تم دونوں کو میرا پیار
تمھارا محبّت آگیں
باپ

۸۳۔ از رابرٹ۔ او۔ مینل

واڈن لا، کِنلی، سرّے
۹ر فروری ۱۹۳۱ء

پیارے دوست،

آخر ہفتے میں تم اِس قدر یاد آئے ہو کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ضرور خط لکھنا چاہیئے۔ تم مجھے نہیں جانتے مگر میں نے تمھارا وہ بیان پڑھا ہے جو تم نے عدالت میں دیا ہے اس بیان کو پڑھ کر مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں تمھاری طرف عقیدت اور محبت کے ساتھ کھنچا جا رہا ہوں۔

اور اب تمھارے اس درد انگیز صدمے میں میرا دل مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں تم سے اپنی عمیق ہمدردی کا اظہار کروں۔ مجھے بڑی امیدیں تھیں کہ تمھارے والد اتنے دن اور زندہ رہیں گے کہ کوئی واقعی تبدیلی اور ہندوستان کو سچ مچ آزاد دیکھ لیں گے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہاں عام رائے میں ایک بہت بڑی تبدیلی آگئی ہے مگر قوت و اختیار کے دے دینے پر ابھی آمادگی نہیں پائی جاتی۔

آئندہ چند دنوں، ہفتوں اور مہینوں میں کیا کچھ پیش آئے گا، یقین کے ساتھ کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر اس امر کا تو میں تمھیں یقین دلا سکتا ہوں کہ

ایسے لوگوں کی تعداد جو اپنے اثر و نفوذ، یا روحانی قوّت کا ایک ایک ذرّہ ہندوستان پر اعتماد اور ہندوستان کے لوگوں سے محبت کی نئی روح کو ترقّی دینے اور پروان چڑھانے پر صرف کر رہے ہیں تمہارے اندازہ وقیاس سے زیادہ ہے۔

جو اساسی اصول کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پائے ہیں وہ یقینی طور پر ایک حقیقی اور واقعی پیش قدمی کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اگر اختیارات حکومت ہندوستانیوں کو دے دیئے گئے تو یہ ایک بات کچھ کام کی انجام پا گئی، اب راستہ تمہارے لئے زیادہ صاف ہو گا کہ تم یہ دیکھو کہ کوئی دوسری سرمایہ پرستانہ دفتری حکومت، حکومت کے گھوڑے پر سوار نہیں ہو جاتی بلکہ کوئی عوامی حکومت جو عام لوگوں کی مرضی پر مبنی ہو اختیاراتِ حکومت سنبھال لیتی ہے۔

میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ تمہاری پُرسکون جرأت اور رضا کاروں کی مخلصانہ جانبازی کی خبریں میں نے کس فخر و غرور اور کس جوشِ مسرّت کے ساتھ سُنی ہیں۔ مجھے خود فوجی عدالت سے پانچ بار سزا ملی اور دورانِ جنگ میں ۲۷ ماہ جیل میں رہا۔ میرا جرم یہ تھا کہ میں نے اس پورے قابلِ نفرت معاملے (یعنی جنگ) سے کوئی سروکار رکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں تم لوگوں کے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں۔ میرا بہت کچھ لکھنے کو جی چاہا کرتا ہے مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارے پاس پڑھنے کے لئے وقت ہی نہ ہو گا۔

میں مخلصانہ امیدوار ہوں کہ حکومت بڑی وسیع النظری کے ساتھ باہر سے بدیسی کپڑوں کے درآمد کرنے اور مُنشّی چیزوں اور دواؤں کی بِکری پر غور کرے گی، یہی دو مدیں لوگوں کی زندگیاں تباہ کیا کرتی ہیں۔

مجھے توقع ہے کہ دوسرے لوگ ٹائمز کے یہ ملفوف تراشے تم کو بھیجیں گے۔ مگر اس خیال سے کہ مبادا کوئی نہ بھیجے، میں خود ہی بھیج رہا ہوں۔ ازراہِ کرم میری گرم جوشانہ اور محبّت کیشانہ ہمدردیاں اپنے اس صدمے میں قبول کرو اور میری عمیق شُکر گزاری اور عقیدت اپنے اس شاندار مقام پر۔

آپ کا نہایت ہی مخلص

رابرٹ اومبنل

پنڈت جواہر لعل نہرو

۸۴ - از راجر بالڈوِن

۱۳ر فروری ۱۹۳۱ء

محترمی جواہرلعل نہرو،

اب سے کچھ دن پہلے جب میں اپنا خط آپ کو بھیج چکا تب میں نے اخباروں میں آپ کے والد کی وفات کی غم ناک خبر دیکھی جو ہمارے یہاں پریس میں عام طور پر شائع ہوئی۔ آپ مع اپنے خاندان کے میری عمیق ترین ہمدردیاں اور میری انتہائی تحسین وعقیدت اُن کے بلند شخصی اور پبلک اوصاف کے لیے قبول کریں۔ اُن سے شرفِ ملاقات حاصل کر کے اور پھر اُن کی اپنے معاملے و مطالبے کے ساتھ اس ثابت قدمانہ اور غیر مصالحانہ وفاداری کے حالات پڑھ کر مجھے ایک روحانی فیضان سا پہنچا۔ آپ بہت سے معنوں میں خوش قسمت واقع ہوئے ہیں —— اپنے لیے ایک باپ کے انتخاب میں بھی کچھ کم خوش قسمت واقع نہیں ہوئے ہیں!

ہمیشہ آپ کا

راجر بالڈوِن

۸۵ - از راجر بالڈون

۱۰۰، فِفتھ اوِی نیو، نیویارک سٹی

۲۹ر اپریل ۱۹۳۰ء

میرے عزیز جواہرلعل،

میں ایک مدّتِ مدید تک آپ کو خط لکھنے میں پس و پیش کرتا رہا اس لیے کہ اخباروں کے بڑے مفصّل اور بے لاگ مراسلوں کے باوجود ہندوستان کی صورتِ حال پریشان کُن نظر آئی۔ میں آپ کے اور اپنے دوستوں سے باتیں کرتا رہا ہوں اور امریکی جریدوں کے ادارتی آراء وافکار پر بھی نظر دوڑاتا رہا ہوں۔ جس نتیجے تک میں پہنچ پایا ہوں اُس کا خلاصہ، جیسا کہ آپ نے خود بھی اپنی ایک صحافتی ملاقات میں جو یہاں اخبارات میں شایع ہوئی ہے، ذکر فرمایا ہے، یہ ہے کہ آپ کی یہ پوری تحریکِ آزادی کوئی سخت ٹھوکر کھا کر گر پڑنے والی

ہے۔ گاندھی کا ذاتی اور شخصی طور پر پوری ایک قوم کی نمایندگی کرنا، اس کے ساتھ وہ وسیع اختیارِ تمیزی جو اُن کو دے دیا گیا ہے اور اس پر اُن کی مسالمت پسندی کے پچھلے یادگار واقعات، اِن باتوں کو ذہن میں رکھیے تو ہندوستان سے اتنی دور رہنے والوں کو کچھ ایسا نظر آتا ہے جیسے کوئی دوسرا وِلسن پیرس میں آگیا ہے۔ وہ خواہ کتنے ہی ثابت قدم ہوں پھر بھی آپ لوگوں نے جس مقصد کے لیے جدوجہد کی ہے اُس کے لئے ایک دردناک خطرہ اُس کی تباہی کے امکانات کے ساتھ موجود ہے۔ علاوہ ازیں انگریزوں کے یہ اوصاف بھی قابلِ لحاظ ہیں: بے ایمانانہ اغراض کو اخلاقی زبان میں پیش کرنے کی استعداد و قابلیت، تملق و چاپلوسی، جبر و اکراہ اور جری سے جری اور نیک نیت سے نیک نیت انسان کو فریب دے جانا۔ میں تو اس بات کا تصوّر بھی نہیں کر سکتا کہ یہ برطانوی قوم شاہنشاہی کو طاقت و قوّت کے سوا کسی اور چیز کے بھی حوالے کر سکتی ہے خواہ وہ طاقت و قوت آپ کے غیر متشدّد ترکِ موالات ہی کی طاقت کیوں نہ ہو۔ آپ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں اُسے صرف اس طرح حاصل کر سکیں گے کہ آپ لوگوں کی جدوجہد اور سعی و کوشش برابر جاری رہے اور آپ لوگ اپنے پورے مقصود سے کم تر یا فروتر کوئی چیز قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

یہ باتیں میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اِن سے اُن بائیں بازو والوں کے نقطۂ نظر کی نمائندگی ہوتی ہے جو اس پوری تحریک پر کمیونسٹوں کی یہ تنقید نہیں مانتے کہ یہ تحریک ہندوستان کے متوسط طبقے کے بنیوں اور دُکان داروں کی برطانوی لوگوں کے ساتھ ایک پیچ کھوچ اور سودا بازی ہے تاکہ وہ اپنی جائدادیں اور املاک بچالیں۔ مگر آپ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اگر دستکاروں، مزدوروں اور کسانوں کا لوٹنا کھسوٹنا اسی طرح برابر جاری رہا اور اُس میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا تو پھر اس آزادی کے خود کوئی معنی نہیں رہ جاتے۔ یہ آقاؤں کی اُدلا بدلی ایک معاشرتی انقلاب کو آسان تر بنا سکتی ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور ایک سیاسی انقلاب کے ساتھ اراضی اور صنعتی اصلاح کا ایک دور رس پروگرام بھی چل سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اِس کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

میں جو رائے ظاہر کر رہا ہوں امریکا میں اس کو کوئی تائید حاصل نہیں ہے۔ امریکی پریس یہاں تک کہ وہ آزاد خیال اخبارات و رسائل بھی جو آزادی کے مؤید رہے ہیں بہ یک آواز گاندھی کی پشت پر ہیں۔ نہ تو ان کی زبانوں پر اس ناقابلِ یقین عارضی صلح کی نسبت تنقید کا ایک لفظ آیا اور نہ اس پُر خطر منصوبے کی نسبت کہ ہندوستان کی قسمت کسی ایک شخصِ واحد کے حوالے کر دی جائے۔ مگر ہم اس سے مختلف رائے کے لئے بھی کچھ تائید حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس رائے کو معقولیت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم رزمی کو گاندھی سے ملنے کی غرض سے لندن بھیجیں۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ مزدور پارٹی میں جو ہمارے دوست و احباب ہیں اُن کے نام سیکڑوں خط اور تار اس مضمون کے بھجوائیں اور اُن پر زور ڈالیں کہ وہ ہندوستان کے مطالبات پورے پورے منظور کر لیں۔ اگر گاندھی اپنے مطالبات پر اڑے رہے اور آپ ہندوستان واپس جا کر انھیں سختی کے ساتھ آگے بڑھاتے رہے تو ممکن ہے ہم یہاں سے کچھ غیر متوقع اور مؤثر اندرونی تائید حاصل کر لیں۔ کیا آپ ہمیں بحری تار کے ذریعے مطلع فرمائیں گے کہ ہم آپ کی اس مدد پر اعتماد کر سکتے ہیں یا نہیں، نیز یہ کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اُس سے آپ اور آپ کے یہاں کے بائیں بازو کے دوسرے اصحاب متفق ہیں یا نہیں؟

شاہنشاہیت دشمن لیگ سے حال ہی میں مجھے اس جُرم پر نکال دیا گیا ہے کہ میں نے انڈین نیشنل کانگریس کی حمایت کی ہے! بہت اچھا، یونہی سہی۔ یہ امر کوئی اہمیت نہیں رکھتا مگر یہ بات ضرور اہمیت رکھتی ہے کہ کانگریس اپنے شاہنشاہیت دشمن مقام پر بغیر کسی مصالحت اور سمجھوتے کے اس طرح جمی رہے کہ اُس سے مشرقی شاہنشاہیت میں ایسی تمام بغاوتوں کی ہمت افزائی ہو۔

ہمیشہ بہترین خواہشیں اور تمنائیں

راجر بالڈوِن

۸۶ - از اِی - اسٹاگڈن

ویکاریج، ہارو،
۳۱ر مئی ۱۹۳۱ء

پیارے نہرو،

کیا آپ وہی اچھے نہرو ہیں جو ۱۹۰۶ء میں یہاں ہارو میں ہیڈ ماسٹر کے گھر میں رہا کرتے تھے؟ اگر یہ صحیح ہے تو میں چاہوں گا کہ آپ کے والد ماجد کی وفات پر ہمدردی کا ایک خط لکھوں۔ کسی کے والد کا وفات پا جانا ایک شدید نقصان ہوا کرتا ہے میرے والد نے بھی جو ہارو میں ایک ماسٹر تھے اور نہایت قابل آدمی تھے اسّی سال کی عمر میں وفات پائی مگر میں اس صدمے کو اب تک نہیں بھول سکا ہوں۔ اب جس بات سے مجھے تسکین ہو جایا کرتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں انھیں اتنی اچھی طرح جانتا تھا اور اُن سے اتنی محبت کیا کرتا تھا کہ ایک معنی میں وہ اب بھی میرے پاس معلوم ہوتے ہیں۔

اگر آپ کبھی انگلستان آئیں تو مجھ سے ضرور ملیں اور کچھ پُرانے دوستوں کی باتیں کریں۔ میں ہارو میں کس قدر خوش رہا کرتا تھا۔ میں نے ہارو کا مدرسہ چھوڑ دیا ہے اور اب صرف ایک پادری ہوں اور شہر کے لوگوں کو نیکی پر استوار رکھنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔

بہترین تمنائیں
اِی - اِسٹاگڈن

۸۷ - از مہاتما گاندھی،

بورساد، ۲۸ر جون ۱۹۳۱ء

عزیزی جواہر لعل،

مجھے تمھارا لفافہ اور تمھارا پوسٹ کارڈ دونوں مل گئے۔ یہ سُن کر مجھے مسرت ہوئی کہ رائے بریلی سے دفعہ ۱۴۴ کا نوٹس واپس لے لیا گیا۔ اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ یہ نتیجہ ہے تمھارے اُس واضح خط کا جو تم نے چیف سکرٹیری کو لکھا۔ جب تک تم مجلسِ عاملہ میں شرکت کے لیے بمبئی پہنچو گے۔ کمیٹی متعین اور یقینی

ہدایات دینے کے لئے تیار رہے گی۔ مجھے اس سے بالکل اتفاق ہے کہ اپنا معاملہ مکمل کر لینے کے لئے ضروری ہے کہ تم گورنر سے ملاقات کے لئے وقت طلب کرو۔ جب ملاقات کی درخواست کرو تب اُن کو بتادو کہ تم صوبے کے اونچے سے اونچے عہدے دار کے سامنے صورت حال کے واضح شکل میں رکھنے کی سعی و کوشش میں کوئی دقیقہ فروگزاشت کرنا نہیں چاہتے۔ ہو سکتا ہے کہ تم گورنر سے کچھ نہ لا سکو مگر تمھاری اُن سے ملنے کی کوشش سے نیز تکمیل معاہدے کی سعی سے ہماری پوزیشن محکم تر ہو جائے گی۔ تم اگر اُن سے ملنے پر آمادگی ظاہر کرتے ہو اور بہ صورت اُن کے منظور کر لینے کے اُن سے ملتے ہو تو اس سے ہماری گرہ سے کچھ نہیں جاتا۔

ضلع اُناؤ کے حوادث کی نسبت ینگ انڈیا میں میں نے جو کچھ لکھا وہ تمھاری نظر سے گزرا ہوگا۔ اب جو مسالہ تم نے اور دوسروں نے بھیجا ہے اُسے سامنے رکھ کر میں پھر لکھوں گا۔

یہ افسوس کی بات ہوگئی کہ مجلسِ عاملہ کے اجلاس کو ملتوی کر دینا پڑا۔ الہ آباد کے موجودہ حالات میں ولبھ بھائی وہاں جانے کے سخت مخالف تھے۔ میرا بھی یہی خیال ہے کہ کانپور کے واقعے اور یو۔پی کے موجودہ اضطراب کے پیشِ نظر اس وقت الہ آباد سے دور رہنا ہی اچھا تھا۔

باپو

پنڈت جواہر لعل،

آنند بھون، الہ آباد

۸۸۔ از مہاتما گاندھی،

بورساد، یکم جولائی ۱۹۳۱ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارا خط مورخہ ۲۷ جون جو باردولی سے مجھے واپس بھیجا گیا ہے، ملا۔ تم کو شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ میں بمبئی سے بورساد کو اس لئے واپس آگیا تھا کہ ولبھ بھائی اور میرے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ ہم دونوں بیٹھ کر اپنا کام باہم تقسیم کر لیں۔ برابر موجود اور نگراں رہ کر خطرے کو ٹالا جا رہا ہے۔ مگر کسی دن بھی بورساد میں طوفان برپا ہو جا سکتا ہے۔ جنوبی افریقہ میں باہمی تصفیوں پر عمل درآمد کرنے کرانے کے

مجھے مشکل تجربے ہو چکے ہیں اور اپنی طرف سے سو فی صد عمل درآمد کا ثبوت دینے میں مجھ غریب کا سر بھی ٹوٹ چکا ہے اور پھر اپنے آپ کو اس غرض سے گرفتار کرانا پڑا ہے کہ حکومت بھی ان تصفیوں پر عمل درآمد کا کوئی خاصا اچھا ثبوت پیش کرے۔ مگر میں یہ خیال کر رہا تھا کہ تصفیوں پر عمل درآمد کرنے کرانے کی نسبت تمام باتیں میں بھول چکا ہوں۔ بہر صورت اب میں پرانی یاد تازہ کر رہا ہوں اور بہت سے پرانے تجربے دہرائے جا رہے ہیں۔ سب سے بڑی تشفی بخش بات بہر حال میرے لئے یہ ہے کہ خواہ جنگ ہو خواہ کوئی تصفیہ، اگر ہم خدّامِ وطن ہیں تو قوم کو آگے ہی بڑھتے رہنا چاہیئے۔

تم نے چیف سکریٹری کو جو خطوط لکھے ہیں مجھے پسند آئے۔ مجھے امید واثق ہے کہ گورنر تم سے ملنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

اب اپنے خلاف ایک شکایت بھی سن لو۔ یہ ٹائپ شدہ تختہ کاغذ اپنے پاس رکھ لو۔ اگر تم اس کے متعلق کچھ لکھو تو یہ تختہ کاغذ مجھے واپس کر دو، یا اسے اپنے ساتھ لاؤ اور بہ وقتِ ملاقات اس کے متعلق مجھے سب کچھ بتاؤ۔

باپو

۸۹۔ از سروجنی نائیڈو

گولڈن تھریشہولڈ، حیدر آباد دکن
۷ ستمبر ۱۹۳۱ء

عزیزی جواہر،

میری آخری فہرست ملفوف ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ مسٹر مینن کی فہرست دیکھ کر جو بہت ہی نامکمل معلوم ہوتی ہے، مجھے کس قدر حیرت ہوئی۔ مگر مجھے یہ خیال ہوا کہ یا تو لوگ ہم سے علیحدہ ہو گئے یا انھوں نے اپنے ذمے کی رقمیں ادا نہیں کیں اور اس لیئے وہ ووٹ دینے کے حق سے محروم ہو گئے۔ یہ فہرست اچھی ہے۔ میرا تو جی چاہ رہا تھا کہ میں چار نام اور بڑھا سکتی مگر یہ ممکن نہیں ہے۔

زبان سے متعلق تمھارا رسالہ معجز نما ثابت ہو رہا ہے۔ جو لوگ نہایت ہی

آزردہ خاطر و برہم تھے اس رسالے نے اُن کے اندر بھی جو نیا بار سکون پیدا کر دیا ہے وہ قابلِ دید ہے۔ میں نے ایک نسخہ مولوی عبدالحق کو بھی بھیجا تھا جن کی رائے اردو ادبی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ وہ اُسی وقت سے راجن بابو سے مشورے کر رہے تھے۔ اور اب واپس آئے ہیں تو نہایت خوش اور مطمئن ہیں۔ یہ اُس دوسرے تصفیہ کی جانب، جسے اب ہو جانا چاہیئے اور جلد ہی ہوگا، ایک بڑا عمدہ اور ضروری قدم اٹھا ہے۔ کیا مجھے چند نسخے اور مل سکتے ہیں (اگر ہمارا دفتر روپیہ پیدا کرنے پر مصر ہے تو وی۔پی ہی سہی)، پنجاب اور بعض دوسرے مقامات کے جن لوگوں سے اس مسئلے پر مجھ سے باتیں ہوئی ہیں میں اُن کو بھی یہ رسالہ بھیجنا چاہتی ہوں۔

مجھے بڑی سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ اب میں اپنے صوفے پر واپس جانا چاہتی ہوں۔ اُس پُراسرار درد کے مارے جس کا کسی سے کوئی ایسا علاج ظاہر بن نہیں پڑ رہا ہے جس سے کچھ زیادہ افاقہ محسوس ہو۔ میرا پیر رہ سا گیا ہے۔ بے بی بہت ہشاش بشاش نظر نہیں آ رہی ہے مگر یہ ایک عارضی شکل ہے کچھ تو رطوبت اس پر اثر انداز ہوئی ہے اور کچھ ضرورت سے زیادہ مشقت۔ میں اندو کو خط لکھ رہی ہوں۔

بہت سا پیار

سروجینی

تکملہ: سی۔ ایل۔ یو کے لئے میرے پاس تھوڑے سے روپئے اور ہیں،

(سی۔ ایل۔ یو سے مراد سول لبرٹیز یونین ہے جو میری تحریک پر قائم ہوئی تھی اور سروجینی نائیڈو جس کی صدر تھیں)

۹۰۔ از راجر بالڈون،

۲۴ ستمبر ۱۹۳۱ء

محترم جواہر لعل،

مجھے خیال نہیں کہ میں نے آپ کے اُس تار کا شکریہ ادا کیا جو آپ نے ازراہِ کرم مجھے جینیوا بھیجا۔ میں نے تجویز پر عمل کیا اور گاڑی کو دیکھنے کی غرض سے

پیرس گیا اور پھر وہاں سے سوار ہو کر بولون گیا اور یہ اس لئے کہ میں اب تک برطانوی سیاہ فہرست میں درج ہوں اور گاندھی سے ملنے کو انگلستان نہیں جا سکتا تھا۔ حسنِ اتفاق یا میری خوبیِ قسمت کہ مسز نائیڈو نے مجھے ریلوے پلیٹ فارم پر دیکھ کر اپنے ڈبے میں بلا لیا اور اس طرح میرے لئے اُس ٹرین میں سفر کرنے کا انتظام ہو گیا جو جہازی مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔

میں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلسل تحریک جاری رکھنے کی ضرورت پر پوری پارٹی سے بات چیت کی، خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ وال اسٹریٹ کے ساہوکاروں نے برطانیہ کو اپنی تولیت میں لے لیا ہے اور میکڈانلڈ ٹوری ہو کر رہ گیا ہے۔ میں نے مسز این کو بھیجنے کا ایک معاہدہ کر لیا کہ اگر یہ کانفرنس ناکام ہوئی اور جیسی کہ مجھے توقع ہے کہ وہ ضرور ناکام ہو گی اِلّا یہ کہ گاندھی میرے علم و اطلاع سے زیادہ مفاہمت و مصالحت پر آمادہ ہو جائیں۔ میں اتنا ضرور کہوں گا کہ پارٹی کی فضا مجھے مطلق نہیں پسند آئی، نہ واضح اور متعین مطالبے ہیں، نہ وہ یک دل و یک آواز ہے اور نہ کافی عزم و ارادے کی مالک۔ اور گاندھی میں وہ اتنا ایمان و اعتماد رکھتی اور اُن میں اس درجہ مرتکز ہے کہ اُس کی سلامتی معرضِ خطر میں ہے! مجھے اُن کی تمام ہدایتیں معلوم ہیں اور میں اُن کی قوتِ استقامت اور اُن کے حس و شعور کو بہ نظرِ تحسین دیکھتا ہوں۔ مگر......!

بہر صورت، میں مفاہمت سے نہ گھبراؤں گا اور یہ مان کر کہ آزادی کا مغز اور نچوڑ ہی قابلِ قبول ہو گا —— اور مغز و حقیقتِ آزادی کا حاصل یہ ہے کہ فوج پر، مالیات پر اور تعلقاتِ خارجہ پر پورا اختیار ملے —— میں یہ مان کر اپنا وہ کام پورا کروں گا جو "یو۔ اِس" میں کرنے کا مجھے صاف طور پر دکھائی دے رہا ہے۔ گاندھی نے یقیناً یہ بات صاف طور پر مجھے بتا دی تھی کہ وہ یہی مقام اختیار کریں گے اور انھوں نے یہ بات بھی پسند کی تھی کہ ہم اپنا کام جاری رکھیں۔ چارلی انڈریوز نے بھی یہی باتیں کہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ پارٹی میں وہ سب سے زیادہ نہ صرف اُس تمام پیچ و خم اور اُن تمام نتائج کو سمجھتے ہیں جو یو۔ ایس (ریاستہائے متحدہ) کے ساہوکاروں کے مقابلے میں برطانیہ کی

بدلی ہوئی صورتِ حال کے سبب پیدا ہو گئے ہیں بلکہ اُن اقتصادی مسائل کو بھی سمجھتے ہیں جو ہندوستان میں سیاسی انقلاب کے پیچھے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ کمیونسٹوں کا یہ کہنا کہ موجودہ تحریک ایک بورژوا طرز کی تحریک ہے سرتاپا غلط ثابت ہوگا، اگرچہ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس تحریک کے اصل معنی اُس وقت تک منظرِ عام پر نہ آئیں گے جب تک کہ وقت یہ نہ دکھا دے گا کہ زمینداروں اور بڑے بڑے کارخانہ داروں کا اس پر کہاں تک قابو ہے۔ ظاہر ہے کہ ریاستہائے متحدہ (یو۔ ایس) میں ہم لوگ ہندوستان میں کسی معاشرتی انقلاب کے متعلق اعلانیہ باتیں نہیں کر سکتے۔ ہم لوگ تو بس "۱۷۷۶ء کی روح" کے نمایندے یا مؤید ہیں۔ مگر میں اپنے اور آپ کے درمیان نجی حیثیت سے کہہ رہا ہوں کہ یہ معاشرتی انقلاب ہی اس پوری تحریک کا قلب و جگر ہے۔ دھان کا بھی یہی خیال ہے۔

آپ کے تار کا مکرر شکریہ، اور اس کے ساتھ یہ یقین دہانی کہ ایک صبح کی کانفرنس میں جو کچھ کیا جا سکتا ہے کیا گیا، اور جو کچھ ریاستہائے متحدہ میں کیا جا سکتا ہے کیا جائے گا۔

ہمیشہ گرمجوشں تسلیمات کے ساتھ آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے۔

راجر بالڈون

۹۱۔ از میری خان صاحب

(میری خان صاحب ڈاکٹر خان کی بیوی تھیں جو شمالی مغربی سرحدی صوبے کے لوگوں کے مشہور راہنما اور خان عبد الغفار خاں کے بھائی تھے مسز خان صاحب ایک انگریز خاتون تھیں)

۲ کیمبنی روڈ پشاور،
یکم اکتوبر ۱۹۳۱ء

محترم جواہر لعل،

میں آپ کو خط لکھنا سچ مچ اپنا فرض جانتی ہوں۔ خان تو بس خط لکھنے میں بڑے ہی تکلیف دہ واقع ہوئے ہیں۔ صرف اِسی خط نہ لکھنے کے باعث وہ

بہت سے اچھے لوگوں سے رسم و راہ کھو بیٹھے ہیں اور کبھی اس قابل ہی نظر نہیں آتے
کہ بیٹھیں اور لکھنا شروع کریں۔ سچ پوچھئے تو وہ کبھی گھر پر رہتے ہی نہیں۔ صبح
تڑکے ہی گھر سے نکل جاتے ہیں اور رات گئے اتنے خستہ اور تھکے ہوئے واپس
آتے ہیں کہ کوئی کام کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتے، کچھ غپ شپ بھی نہیں
کرسکتے۔ آپ کو خط لکھنے کے بارے میں وہ ہمیشہ باتیں ہی کیا کرتے ہیں، کبھی باتوں
سے آگے بڑھنے کی نوبت نہیں آتی۔ اُن کی دراز میں آپ کے بہت سے
خط پڑے ہوئے ہیں۔ ایک خط تو ۱۹۲۱ء کا ہے جو آپ نے چلتی گاڑی میں
لکھا تھا۔ جب آپ کی تصویر پہنچی تو انھوں نے اُسی وقت مجھے بتایا کہ وہ آپ کو
کیا لکھنے والے ہیں۔ اس پر میں نے اُن سے کہا کہ تو آؤ بیٹھ جاؤ اور قلم ہاتھ میں
لو۔ یہ سُن کر وہ وعدۂ فردا کر کے خوش ہو رہے۔ کہنے لگے اس وقت مجھے اِک
ضروری کام کرنا ہے، خط پر توجہ نہ دے سکوں گا۔ آج میں جلد ہی واپس آؤں گا
اور آج خط لکھ ہی کر اُٹھوں گا، مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ جان نے بھی آج سے
تقریباً ایک سال پہلے ایک خط مجھے لکھا تھا۔ کیا وہ سچ مچ میرے والد ہیں؟
وہ مجھے کبھی خط نہیں لکھا کرتے۔ میں کوشش اور سخت کوشش کروں گی کہ
اُن کو آپ کے اس خط کے جواب لکھنے پر مجبور کر دوں جو آج صبح آیا ہے اور
جس کو میں ہی نے کھول کر اُنہیں دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایک دن ہم آپ کے
پاس آئیں گے یا آپ ہمارے یہاں۔

میری پُر محبت احترامات آپ کی بیوی کے لئے۔

آپ کی مخلص

میری خان صاحب

۹۲۔ از مہادیو ڈیسائی

(یہ خط اُس وقت لکھا گیا تھا جب گاندھی جی گول میز کانفرنس میں شرکت
کے لئے لندن گئے تھے)

۸۸۔ نائٹس برج لندن، ایس۔ ڈبلیو۔ آئی
۲۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء

میرے محترم جواہر بھائی،

ہوائی ڈاک کا دن آپہنچا اور اس نے حسبِ معمول مجھے اسی حالِ بد میں پایا۔ ایف۔ ایس کمیٹی میں ایک ہلچل مچ گئی تھی جب باپو نے ایک سخت سی تقریر کی تھی اور فرمایا تھا کہ وہ "تاج کے ماتحت"، "تاج کے زیر اقتدار" جیسے فقرے سنتے سنتے اکتا گئے ہیں۔ کانگریس نے ایک زمانہ ہوا کہ اس پیرائے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ یہ لوگ اب جس قدر جلد اِس ذہنیت سے نجات پالیں اتنا ہی بہتر ہے۔ لارڈ سانکی نے اس صاف گوئی اور بے باکی پر باپو کو مبارک باد دی اور میرا خیال ہے کہ یہ مبارک باد بالکل مخلصانہ تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ ستائیس تاریخ کے بعد ہی کسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے۔ مسلمانوں سے جو بات چیت ہو رہی تھی وہ آج کل بند ہے اور اب جب تک کہ مسلمان خود باپو سے ملنے کی خواہش نہ کریں گے وہ ان سے خود نہ ملیں گے۔ دتّا (ڈاکٹر ایس۔ کے) نے ہم لوگوں سے ایک قصّہ بیان کیا جس سے آپ بھی ضرور لطف اندوز ہوں گے۔ کچھ دن ہوئے کہ ایک انگریز دوست، کیمپبل روڈس، کے یہاں وہ جناح کے ساتھ شام کے کھانے پر مدعو تھے۔ جب اقلیتوں کے سوال پر گفتگو ہو رہی تھی تو جناح شیمپین کی تیسری بوتل ختم کر چکے تھے۔ مسٹر روڈس نے اثنائے گفتگو میں کہا: آپ لوگ اس سوال کا کوئی متفقہ حل سامنے رکھ کر حکومت کو جھکنے پر مجبور کیوں نہیں کر دیتے؟ شیمپین کے سنجیدہ بنا دینے والے اثر سے اثر پذیر جناح نے جواب دیا: ٹھیک یہی وہ مقام ہے جہاں آپ غلطی پر ہیں۔ جب تک کہ ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ ہمیں کیا ملنے والا ہے تب تک کسی متفقہ حل تک پہنچ جانا ناممکن ہے۔ حکومت تو الٹی چال چل رہی ہے"۔ یہ ٹھیک وہی بات ہے جو باپو برابر فرماتے رہے ہیں اور مسلمان جس سے انکار کرتے رہے ہیں۔ (بر سبیل تذکرہ، یہ واقعہ شراب بندی کے مخالفین کو ایک محکم سی دلیل فراہم کر دے گا!)

لارڈ اِروِن باپو سے ملے (یا باپو خود ان سے ملے)، اور اس پر مصر ہوئے کہ جب تک وہ واپس جانے کی اجازت باپو کو نہ دیں تب تک باپو واپس

جانے کا خیال تک دل میں نہ لائیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صورتِ حال یاس انگیز نہیں ہے اور اگر اس میں یاس انگیزی کا کوئی شائبہ ہو بھی تو وہ بہر صورت انتخابات کے ختم ہوتے ہی دور ہو جائے گا۔ اور وہ بہر نوع اس بات کی انتہائی کوشش کریں گے کہ دوسرے لوگوں کو بھی دکھا دیں کہ کانگریس کے اکثر مطالبات قابلِ قبول ہیں۔ اگر قدامت پسندوں نے انتخابات میں فتح پائی (جیسا کہ بالکل ظاہر ہے)، تو ارون کابینہ میں لئے جا سکتے ہیں۔ مگر باپو اِن اتفاقات پر امیدوں کا کوئی قلعہ تعمیر نہیں کر رہے ہیں اور ہر موقع پر اور ہر جگہ صاف گوئی سے کام لے رہے ہیں۔ چاتھام ہاؤس میں جو نشست ہوئی وہ بہت کامیاب رہی۔ نشست کی صدارت اگرچہ لوتھین نے کی مگر یہ جگہ قدامت پسندوں کا ایک مستحکم قلعہ ہے۔ اس نشست میں اگرچہ یوسف علی اور کرنل گڈنی نے بہت کچھ لغو بکا مگر باپو اپنی بلندی ہی پر رہے اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ مورخ جی۔پی گوچ کو آپ جانتے ہیں انہوں نے کہا کہ چاتھام ہاؤس میں اس نشست سے بلند تر کوئی نشست انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نشست نے بہت سے لوگوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ اسد انند کی معرفت میں نے یہ تمام باتیں بذریعہ تار باہر بھیج دی تھیں۔ آپ نے ضرور دیکھی ہوں گی۔ میں چاتھام ہاؤس کا نام بصراحت نہیں لے سکا اس لئے کہ اس نشست کے منعقد کرنے والوں کے خیال میں یہ نشست بند کمرے میں ہوئی تھی!

باپو بہت سا وقت بشپوں اور آرچ بشپوں کو دے رہے ہیں! میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ اس کو کیسا خیال کریں گے۔ مگر مجھے اپنی جگہ پر یقین ہے کہ باپو کا اُن سے ملنا اُن لوگوں کے حق میں ایک بہت عمدہ تعلیم کا درجہ رکھتا ہے اور یہ لوگ اس موقع کو ضائع کرنا نہیں چاہتے۔ پارلیمنٹ یا کابینہ کو (مجھے ٹھیک طور پر یاد نہیں کہ کس کو)، اس مضمون کا ایک محضر نامہ بھیجنے کی تجویز پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جا رہا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کوئی ایسا معاہدہ کر لیا جائے جو دونوں فریق کے لئے باعزت ہو۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ دونوں آرچ بشپ بھی اس محضر نامہ پر دستخط کریں گے۔

آپ کا تار باپو نے ہور کو بھیج دیا ہے۔ ہور نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا ہے۔ جو خط میکڈانلڈ کو بھیجا گیا ہے اُس کی اور اُن کے جواب کی نقلیں ہیں آپ کو بھیجنا بھول گیا۔ اس خط میں کچھ زیادہ نہیں لکھا گیا تھا مگر میں کوشش کروں گا کہ اِن دونوں خطوں کی نقلیں آپ کو اپنے اسی خط کے ساتھ بھیج دوں۔ کچھ دن ہوئے باپو نے مسٹر بھوپال کے نام ایک خط لکھ کر شعیب کو دے دیا تھا جس میں وہ عام اصول بیان کر دئے تھے جن پر ریاستوں کو جہاں تک وفاقی مالیات کا تعلق ہے، باہم رضامند ہو جانا چاہیے۔ اِس خط پر دو دن تک بحثیں ہوتی رہیں مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ میں نے ایک "پرائیویٹ تھیٹر" میں ایک ڈراما دیکھا۔ یہ سُن کر آپ کو ضرور تعجب ہوگا بھئی، میں تو جانتا ہی نہ تھا کہ "پرائیویٹ تھیٹر" کیسا ہوتا ہے۔ جو ڈراما دکھایا گیا اس کا لائسنس نہیں لیا گیا تھا۔ مجھے اس بات کی تو مطلق کوئی پرواہی نہیں کرنی چاہیے تھی، مگر مناظر جس قدر تھے، (تقریباً دس منظر)، وہ سب کے سب بلا استثناء شب خوابی کے کمرے کے تھے، اور انتہائی بیہودہ اور مبتذل۔ مگر اتنی بات کا پھر بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ اداکاری بڑی لاجواب تھی۔ جو چیز بہ ہر حال مجھے پسند آئی وہ "وِم پول اسٹریٹ کے بیرٹس" یعنی کرائیکل کا وہ کھیل تھا جس کی نسبت آپ کو لکھ چکا ہوں۔ یہ کھیل اپنے تخیل میں بھی حسین تھا اور اپنی اداکاری میں بھی۔ نقش کشی، اسٹیج کے اثرات اور ہر چیز نہایت نازک طور پر پاکیزہ تھی۔ لفظ "پاکیزہ" میں نے دانستہ اور عمداً استعمال کیا ہے۔ میرے خیال میں ایک "پرائیویٹ تھیٹر" کا پاکیزہ ہونا بھی ممکن ہے اس لئے میں "بیرٹس" کو دیکھنے دوبارہ گیا۔ ملفوف تراشہ پڑھ کر آپ کو بڑا لطف آئے گا۔ ایک غریب قوم کے نمائندے کے سکریٹری حضرات کے کارنامے یہ ہیں!

آج رات ہم ایٹن جا رہے ہیں اور وہاں سے آکسفورڈ کو جائیں گے۔ میں ایٹن اور آکسفورڈ جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

آپ کا پُر محبت

مہادیو

ہاں، لگے ہاتھوں کچھ مزیدار خبریں سپرو اینڈ کو کے بارے میں بھی سُن لو۔ وہ بھرو چا کی طرح باپو سے کہہ رہے ہیں کہ باپو بتا دیں کہ فوج پر پورے اختیارات سے اُن کا منشا کیا ہے! "مہاتما جی، اگر کوئی خانہ جنگی چھڑ گئی تو آپ فرما دیں گے: اوہ کوئی پروا کی بات نہیں ہے، ہم تھوڑا سا خون بہہ جانے دیں گے۔ مگر میں کوئی خانہ جنگی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں تو فوج کا طلب کر لینا ضروری سمجھوں گا خواہ وہ برطانوی ہی فوج کیوں نہ ہو۔"

کیا آپ اس خط کی ایک نقل انصاری کو بھی بھجوا دیں گے؟ مجھے ان کا ایک بڑا عمدہ خط ملا تھا۔ اُن سے کہہ دیجیے کہ اُن کا خط مجھے مل گیا تھا اور نیز یہ کہ اس خط میں آپ کے ساتھ وہ بھی مخاطب ہیں۔

ایم۔ ڈی۔

۹۳۔ از مہاتما گاندھی،

۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء

عزیزی جواہر،

اندو نے تمھارا خط مجھے دیا۔ وجہ خواہ کچھ بھی ہو تمھاری گرفتاری پر مجھے تعجب نہیں ہوا۔ میں اب تک کملا کے پاس نہیں جا سکا ہوں، مگر آج شب میں یا کل یقیناً جاؤں گا۔ تم کو یہ سُن کر مسرت ہوگی کہ اندو کو جو خطوط تم نے لکھے ہیں اُن کا دوسرا سلسلہ بھی میں نے پڑھ لیا۔ مجھے کچھ مشورے دینے تھے مگر شاید یہ باتیں اُس وقت مناسب ہوں گی جب ہم اپنے آپے میں ہوں گے۔

اس اثنا میں تمھارے اور شیروانی کے لئے محبت

باپو

۹۴۔ از مہاتما گاندھی،

۲۹ جنوری ۱۹۳۲ء

عزیزی جواہر،

مجھے تمھارا خط پا کر مسرت ہوئی۔ تم ہم غریبوں پر جو باہر ہیں رشک کرنے کی کوئی وجہ نہیں رکھتے۔ رشک تو ہم باہر والوں کو تم پر ہے کہ تمام ناموری تمھارے

حصے میں آئی اور محنت و مشقت ہم باہر والوں کی قسمت میں۔ مگر ہم بدلہ لینے کا بندوبست کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تمھیں کچھ اخبارات منگوانے کی اجازت مل گئی ہوگی۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اُس میں تم ہماری آنکھوں کے سامنے برابر رہا کرتے ہو۔

کچھ دنوں پہلے میں کملا سے ملا تھا۔ اُس کو آرام کی ضرورت ہے میں اس سے ایک بار اور ملنے کی کوشش کروں گا اور اس کو تاکید کروں گا کہ جب تک وہ بالکل اچھی نہ ہو جائے، اپنے کمرے سے باہر قدم نہ رکھے۔ ڈاکٹر محمود کے متعلق جو اقدام کیا گیا ہے امید ہے کہ تم اُسے پسند کروگے۔

مجھے یقین کی سے کہ آنند بھون کی تشخیص کی رقم ادا کرنے کا وعدہ ایفا ہو جانا چاہیے۔

محبت دونوں کے لئے

باپو

خدا نے اور حکومت نے چاہا تو میں کل آشرم جاؤں گا اور دو تین دن وہاں ٹھیر کر واپس آجاؤں گا۔

۹۵۔ بنام سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل، دہرادون

(اس خط و کتابت کا تعلق جیل کے ایک واقعے سے ہے۔ جیل خانوں میں ہماری پالیسی یہ تھی کہ وہاں کے قواعد و ضوابط کی، جب تک کہ ہم اُن کو اہانت آمیز یا اور کسی طرح نامناسب نہ پائیں، پابندی کی جائے۔ اِس پر بھی وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ حوادث رونما ہوتے ہی رہتے تھے۔ ایک موقع پر جب میں نینی سنٹرل جیل میں تھا؛ ہم میں سے کچھ لوگوں نے پورے تین دن (بہتر گھنٹوں) کی احتجاجی بھوک ہڑتال کی۔ جیلوں میں عام اور معمولی حالات میں ہمیں اپنے عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کی اجازت مل جاتی تھی۔ ایک زمانے میں یہ اجازت تین مہینوں میں ایک بار ملا کرتی تھی، پھر ہر مہینے ملنے لگی اور اس خط و کتابت کے زمانے میں مجھے ہر پندرھویں دن ملاقات کی اجازت تھی۔ مجھ کو چونکہ دہرادون کی ڈسٹرکٹ جیل میں رکھا گیا تھا، میری والدہ اور میری بیوی کو مجھ سے ملنے کے لئے ہر بار الہ آباد سے دہرادون تک کا ایک طویل سفر کرنا پڑتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ

جب میری والدہ اور میری بیوی مجھ سے ملنے کے لئے دہرادون پہنچیں تو اُن سے کہہ دیا گیا کہ وہ مجھ سے ملاقات نہیں کر سکتیں۔ اس حادثے کے بعد بہ طور احتجاج کئی ماہ تک میں نے تمام ملاقاتیں بند کر دیں۔ اُس وقت میں کم و بیش ایک قسم کی قید تنہائی میں تھا اور میرے ساتھ کوئی اور نہیں رہا کرتا تھا)

ڈسٹرکٹ جیل، دہرادون
۲۲ جون ۱۹۳۲ء

سپرنٹنڈنٹ،
ڈسٹرکٹ جیل
دہرادون

جناب عالی

آپ نے آج مجھے اطلاع دی کہ آپ کو افسرانِ اعلیٰ کے دفتروں سے اس مضمون کی ہدایتیں آئی ہیں کہ مجھ کو ایک ماہ تک اپنی والدہ اور اپنی بیوی سے ملنے کی اجازت نہ ملے گی۔ میرے علم میں جیل خانوں کے قواعد وضوابط کے تحت ملاقاتیں اُس وقت بند کر دی جاتی ہیں جب ان قواعد وضوابط کی کوئی خلاف ورزی ظہور میں آتی ہے۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ لوکل گورنمنٹ سے یا انسپکٹر جنرل سے یا جس کسی دوسرے افسر نے آپ کو یہ ہدایتیں بھیجی ہوں اُن سے پوچھ کر مجھے یہ بتائیں کہ جس جُرم کی مجھے سزا دی گئی ہے اُس کی نوعیت کیا ہے۔ لوکل گورنمنٹ نے میرے ساتھ یہ کج خلقی برتی ہے کہ اُس نے یہ ہدایتیں جاری کر دیں مگر مجھ کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ شایستگی اور معقولیت کی حدوں کے اندر جیل کے قواعد وضوابط کی پابندی کرنا ہمارا طرزِ عمل رہا ہے۔ اگر حکومت نے کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس میں ہم نے معقولیت اور شائستگی کی کمی پائی تو پھر ہمارے لئے بھی اپنے موجودہ طرزِ عمل کا باقی رکھنا دشوار ہو جائے گا۔

یہ بات مجھے صاف طور پر معلوم نہیں ہوئی کہ آیا میری تمام ملاقاتیں ایک ماہ کے لئے بند کر دی گئی ہیں یا یہ بندش صرف میری والدہ اور میری بیوی کی ملاقاتوں

کے لئے ہے۔ بہرصورت یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اگر دوسروں سے ملنے کی اجازت مجھے دے بھی دی گئی تو میں اس اجازت سے کوئی فائدہ اٹھانے کا خیال نہیں رکھتا ہوں۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے میری والدہ اور میری بیوی خاص طور پر مجھ سے ملنے ہی کے لئے دیہرادون آئی ہوئی ہیں اور میری دوسری ملاقات کے دن کا انتظار کر رہی ہیں۔ مگر اُن نئی ہدایتوں کی وجہ سے جو آپ کو ملی ہیں اُن کے منصوبے بالکل درہم برہم ہو جائیں گے اور اُن کا یہاں ٹھیرنا بالکل بے سود ہوگا۔ مگر میرا خیال ہے کہ پالیسی کے اونچے اونچے معاملات سے نپٹنے والی حکومتیں تہذیب و شائستگی اور معقولیت و حسنِ اخلاق کے معمولی آداب سے کوئی سروکار نہیں رکھا کرتیں۔

آپ کا صادقانہ

جواہر لعل نہرو

از لفٹننٹ کرنل جی۔ ہالرائیڈ، آئی۔ ایم۔ ایس

قائم مقام انسپکٹر جنرل آف پریزنس یو۔ پی۔

بنام سپرنٹنڈنٹ، ڈسٹرکٹ جیل دیہرادون

موضوع: پنڈت جوہر لعل نہرو، اے کلاس قیدی کی درخواست

اُن کی توثیق نمبر ۸۱۸/۴۶ مورخہ ۲۳-۶-۳۲

درخواست دہندہ کو اطلاع دے دی جائے کہ ۲۷ رمئی ۱۹۳۲ء کو اس کی والدہ، اُس کی بیوی اور لڑکی نے الہ آباد کے ڈسٹرکٹ جیل میں مسٹر آر۔ ایس پنڈت سے ملاقات کی تھی۔

اُس کی بیوی نے مسٹر آر۔ ایس پنڈت کو اس موقع پر ایک خط دیا۔ سپرنٹنڈنٹ کی اجازت کے بغیر جیلر اس بات کو جائز نہیں سمجھتا تھا۔ اس پر اس کی والدہ نے جیلر سے اہانت آمیز کلمات استعمال کئے اور گستاخی کی۔

ان وجوہ کی بنا پر گورنمنٹ نے احکامات جاری کر دئے ہیں کہ مسز جوہر لعل نہرو اور مسز موتی لعل نہرو کو ایک ماہ تک درخواست دہندہ سے ملنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

(دستخط)........

لفٹننٹ کرنل آئی۔ ایم۔ ایس

قائم مقام انسپکٹر جنرل آف پریزنس یو۔پی

۹۶۔ بنام سپرنٹنڈنٹ ڈسٹرکٹ جیل،

دیہرادون جیل، ۱۱ر جولائی ۱۹۳۲ء

سپرنٹنڈنٹ،

ڈسٹرکٹ جیل، دیہرادون۔

جناب عالی،

آپ نے آج ازراہِ کرم میرے خط مورخہ ۲۲ر جون کا جو جواب قائم مقام انسپکٹر جنرل آف پریزنس کے دفتر سے آیا ہے مجھے دکھایا۔ اس خط میں مجھے بتایا گیا ہے کہ ۲۷ر مئی کو آر۔ ایس پنڈت سے ایک ملاقات کے دوران میں میری بیوی نے ایک خط مسٹر پنڈت کے حوالے کیا۔ مگر جب جیلر نے اس بات کی اجازت نہیں دی تو میری والدہ نے "جیلر سے اہانت آمیز کلمات استعمال کئے اور گستاخی کی۔"

چونکہ ۲۷ر مئی کو جو کچھ پیش آیا تھا اُس کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اور واقعات کی ایک غلط تعبیر ہے، مزید بریں، چونکہ گورنمنٹ نے جو اقدام کیا ہے اُس سے وسیع تر مسائل پیدا ہو گئے ہیں، اس لئے اس موضوع پر میں آپ کو پھر لکھ رہا ہوں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ میرا یہ خط گورنمنٹ کو بھیج دیں۔

۲۷ر مئی کی ملاقات کے دوران میں مسٹر پنڈت کو اُن کی تین چھوٹی چھوٹی بچیوں کے متعلق جن کی عمریں تین سال، پانچ سال اور آٹھ سال ہیں اور جو پونا کے ایک اسکول میں زیر تعلیم ہیں، ایک اطلاع دی گئی تھی۔ یہ اطلاع اسکول کے ایک خط یا رپورٹ کی شکل میں تھی۔ میری لڑکی جو پونا کے اسی اسکول میں زیر تعلیم ہے اور الٰہ آباد میں چھٹیاں گزار رہی تھی، یہ خط یا رپورٹ پونا سے لے آئی تھی اُس نے پہلے خود یہ رپورٹ پڑھ کر مسٹر پنڈت کو سنائی اور پھر اُنھیں دے دی کہ وہ خود بھی دیکھ لیں۔ جیلر نے اس بات پر اعتراض کیا اور بڑی سختی اور درشتی

کے ساتھ اہانت آمیز طریقے پر پیش آئے خصوصاً مسٹر پنڈت کے ساتھ۔ مسٹر پنڈت کے ساتھ اس اہانت آمیز سلوک کے علاوہ جیلر کا برتاؤ میری والدہ اور میری بیوی کی برملا اہانت تھی۔ میری والدہ نے تو جیلر سے کوئی بات ہی نہیں کی۔

تین دن بعد، ۳۰ مئی کو میری والدہ، بیوی اور لڑکی سے بریلی ڈسٹرکٹ جیل میں پندرہ روزہ معمولی ملاقات کا دن تھا۔ اُس وقت انھوں نے جو واقعہ پیش آیا تھا مجھے بتایا۔ مجھے یہ سُن کر حیرت ہوئی کہ میری والدہ سے اس کج خلقی کے ساتھ پیش آنے پر کوئی شخص آمادہ ہو گیا۔ مجھے امید تھی کہ جیل خانے کے اہل کار اس حادثے پر کچھ اظہارِ افسوس کریں گے۔ مجھے اب معلوم ہوا کہ اظہارِ افسوس کے بجائے حکومت نے میری والدہ اور میری بیوی کو سزا دینا پسند کیا۔ میرا گمان ہے کہ جیلر نے جو بیان حکومت کو بھیجا ہے۔ اُسی کی بنیاد پر یہ اقدام کیا گیا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے ان واقعات سے متعلق میری والدہ یا میری بیوی سے کچھ نہیں پوچھا گیا۔ بغیر کسی مزید تحقیق اور حقیقتِ واقعی کے جاننے کی کوشش کے، گورنمنٹ نے میری والدہ اور میری بیوی کی تحقیر و اہانت میں کوئی پس و پیش نہیں کیا اور اس کو بھی اِس طرح انجام دیا کہ اس واقعے سے تعلق رکھنے والے سب ہی لوگوں کو انتہائی اُذیت و تکلیف پہنچی۔

ہو سکتا ہے کہ جیل کے قواعد و ضوابط کے ماتحت کسی کو اُس کے اپنے بچوں سے متعلق اسکول کی رپورٹ کا دکھانا بھی جُرم ہو۔ اگر یہ جُرم کوئی بڑا جُرم نہ بھی ہو تو بھی وہ کسی نئے آرڈیننس (ضابطے) کے ذریعے آسانی کے ساتھ بڑا جرم بنایا جا سکتا ہے۔ اس لئے اگر گورنمنٹ اِس چھوٹی سی بات کو بھی سخت سزا قرار دیتی ہے تو مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اور نہ مجھے اس بات پر اعتراض ہو گا کہ میری ملاقاتیں ایک ماہ یا ایک سال کے لئے بند کر دی جائیں۔ میں اپنی صحت بنانے یا عیش و عشرت کی جستجو میں جیل نہیں آیا ہوں۔

مگر کچھ معاملات ایسے ہیں جن پر میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ میں اپنی والدہ کی اہانت یا ان کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کا کوئی شائبہ بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں نے گہرے رنج و افسوس کے ساتھ اس بات کو دیکھا ہے کہ گورنمنٹ

میری والدہ سے اُس حسنِ خلق کے ساتھ پیش نہیں آئی جس کی توقع میں اس سے ہر حال میں رکھتا تھا۔ انسپکٹر جنرل کا یہ کہنا کہ میری والدہ نے "اہانت آمیز کلمات استعمال کیے اور گستاخی و بدتمیزی" کی، ظاہر کرتا ہے کہ انسپکٹر موصوف حسِ تناسب سے عاری، ہندوستانی معاشرے کے آداب سے بے خبر اور موقع و محل کے لحاظ سے موزوں و مناسب زبان کے استعمال سے قاصر ہیں۔

گورنمنٹ نے جو اقدام کیا ہے اور جس طریقے پر کیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ جو لوگ مجھ سے جیل میں ملنا چاہتے ہیں وہ حکومت یا حکومت کے ملازمین کے ہاتھوں ہمیشہ ذلیل ہو سکتے ہیں۔ اب میں کسی حال اور کسی صورت میں بھی اپنی والدہ یا اپنی بیوی کے مزید ذلیل کیے جانے کا خفیف سے خفیف خطرہ بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ ان حالات میں وہ تنہا راہ جو اب میرے لئے کھلی رہ گئی ہے یہ ہے کہ جب تک میں یہ محسوس نہ کروں کہ یہ ملاقاتیں عزت و وقار کے ساتھ کی جا سکتی ہیں اور ملاقات کرنے والوں کے ساتھ کسی بدتمیزی یا بدخلقی کا کوئی اندیشہ نہیں رہ گیا ہے تب تک میں کسی سے ملاقات نہ کروں۔ اس لئے میں اپنے عزیزوں کو مطلع کر رہا ہوں کہ آئندہ وہ مجھ سے ملنے کے لئے یہاں آنے کی زحمت گوارا نہ کریں، خواہ وہ سزا کا مہینہ گزر جانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو۔

مجھے مسرت ہو گی اگر قائم مقام انسپکٹر جنرل تکلیف فرما کر آئندہ میرے نام کی صحیح ہجے لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

آپ کا وفادار

جواہر لعل نہرو۔

۹۷۔ از مہاتما گاندھی،

یراودا اسنٹرل جیل، پونا

۳۱ دسمبر ۱۹۳۲ء

عزیزی جواہر لعل،

کچھ دن ہوئے، چھوت چھات سے متعلق اپنی تجویز پر بحث و تحیص کی غرض سے سروپ میرے پاس آئی تھی اُس نے مجھے بتایا کہ تم نے اس کو سیلون

میں آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں اس کو غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ ہر طرح سے کام کرنے کے لائق ہے اور چھوت چھات سے متعلق کچھ کام کرنے پر بالکل آمادہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ جب تک وہ اس کام کو کرنا چاہے اُس کو اس کی اجازت دے دینی چاہیئے۔

اُس نے مجھے بتایا کہ تم نے اپنے کچھ اور دانت نکلوا دیئے ہیں اور وہ خود اپنے بال سپید کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ مگر کچھ عینی گواہوں نے مجھے بتایا کہ تم بالکل تندرست ہو۔ لیکن تم اب بھی ملاقاتیوں سے ملنے سے انکار کرتے دکھائی دے رہے ہو۔ میری خواہش ہے کہ اگر کسی طرح ممکن ہو تو تم اُن سے مل لیا کرو۔ ملاقاتیوں کو اس سے تسکین ہو جایا کرے گی۔

یہاں اب ہماری چار آدمیوں کی ایک خوش و خرم ٹیم ہے۔ چھگن لعل جوشی بھی ہمارے ساتھ رکھ دیئے گئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم ہریجنوں کے لیئے کچھ کام کرنے میں دلچسپی لیا کرتے ہو یا نہیں۔ میرا وقت شاستریوں کے ساتھ بہت ہی خوب گزر رہا ہے۔ شاستروں کے لفظی معنی سے میری واقفیت ضرور کچھ بہتر ہے مگر سچے مذہب کی روح سے متعلق یہ لوگ مجھے جو کچھ دے پائے ہیں وہ نہیں کے برابر ہے۔

ہم سب کی طرف سے پیامِ محبت

باپو

۹۸۔ از مہاتما گاندھی

یراودا سنٹرل جیل، پونا

۱۵ فروری ۱۹۳۳ء

عزیزی جواہر لعل،

تمہارے شاندار خط کے جواب میں تم کو ایک اچھا سا خط لکھنے کی امید میں تمھیں خط لکھنا ملتوی کرتا رہا ہوں۔ مگر اب میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ کام روزانہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس لئے مجھے اب لکھ ہی ڈالنا چاہیئے اور بہتر سے بہتر جو مجھ سے بن آئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہریجن جیسا معصوم و بے ضرر پرچہ

پڑھنے کی بھی تمھیں اجازت ہے یا نہیں۔ میں اس امید میں یہ پرچہ بھیجتا رہتا ہوں کہ تمھیں مل جاتا ہوگا۔ اگر یہ پرچہ تمھیں مل جاتا ہے تو اس کے متعلق اپنی رائے مجھے ضرور لکھو۔ سناتنیوں کے خلاف ہماری جنگ دشوار تر مگر دلچسپ ہوتی جارہی ہے۔ ایک اچھی بات یہ ہوئی ہے کہ ایک مدت کے خوابِ غفلت کے بعد یہ سناتنی بیدار کردئے گئے ہیں۔ یہ لوگ جن گالیوں کی مجھ پر بوچھار کر رہے ہیں وہ نہایت ہی فرحت بخش ہوتی ہیں۔ اِس روئے زمین پر نجاست و خباثت جس قدر بھی ہے وہ سب میرے اندر موجود ہے۔ مگر یہ طوفان فرو ہو جائے گا۔ اس لئے کہ میں علاج ول کے شاہکار یعنی اہمسا یا عفو و درگزر سے کام لے رہا ہوں جس قدر میں ان کی گالیوں کو نظر انداز کرتا ہوں اُسی قدر ان کا غیظ و غضب بڑھتا جارہا ہے۔ مگر یہ چراغ کے گرد پروانوں کا رقصِ بسمل ہے۔ ہائے، بیچارے راج گوپال آچاریہ اور دیوداس! ان دونوں کی بھی شامتیں آگئی ہیں۔ یہ لوگ لکشمی سے جنگ و پیکار کو طول دے رہے ہیں اور اس پر غلط الزامات منڈھ رہے ہیں۔ چھوت چھات کی تائید یوں کی جارہی ہے۔

کچھ دن ہوئے سروپ اور کرشنا چھوت چھات کے متعلق مجھ سے ملی تھیں۔ اندو بھی آئی تھی مگر اُس کا آنا گھریلو ملاقات کا ایک جزو تھا۔ اندو کی صحت بہت اچھی تھی اور بہت خوش نظر آرہی تھی۔ سروپ چھوت چھات کے خلاف پروپاگنڈے کی غرض سے کاٹھیاواڑ اور گجرات کا ایک مختصر سا دورہ کر رہی ہے اور کرشنا والہ آباد واپس جانے والی تھی۔ دیوداس دہلی میں ہے اور ممبرانِ اسمبلی کو چھوت چھات کے خلاف مسودہ ہائے قانون کی تائید کے لئے ہموار کرنے میں راجا کی مدد کر رہا ہے۔ ہمارا تمام تر وقت اسی چھوت چھات کے خلاف کام کرتے رہنے پر صرف ہو رہا ہے۔ سردار و لبھ بھائی اُن روز افزوں خطوط کے لئے لفافے فراہم کر دیتے ہیں جو باہر بھیجے جاتے ہیں۔ وہ بڑے محنتی اخبار بین ہیں جو گوشے گوشے سے چھوت چھات سے متعلق متفرق خبریں وغیرہ اکٹھی کر دیتے ہیں۔ ہنسی مذاق کی کبھی نہ ختم ہونے والی رسد کی تیاری کا وہ ایک کارخانہ بھی ہیں۔ اُن کے لئے معائنے کا دن بھی اور دنوں ہی جیسا ایک دن ہوتا ہے۔

اُن کو کبھی کوئی درخواست نہیں کرنی ہوتی۔ میرا یہ حال ہے کہ مجھ پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب مجھے کوئی نہ کوئی درخواست نہ کرنی پڑتی ہو۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں سے کون سا طرزِ عمل زیادہ پُرمسرت ہے۔ اگر میں اپنی شکستیں بغیر منہ لٹکائے ہوئے برداشت کر سکتا ہوں تو میں بھی اُتنا ہی خوش و خرم کیوں نہیں رہ سکتا جتنے خوش و خرم وہ رہا کرتے ہیں!

ہم سب تمھاری تنہائی اور تمھارے درس و مطالعے پر رشک کیا کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم جو بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہیں وہ خود ہمارے ہی، یا زیادہ صحیح لفظوں میں، میرے ہی پیدا کردہ ہیں۔ ولبھ بھائی کی اِس امید کو کہ وہ سنسکرت کے کوئی بڑے عالم فاضل ہوجائیں گے میں نے پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ ہریجن تحریک کے جوش و خروش میں اور اپنی آئے دن کی چٹ پٹی مسالہ دار تنقیدوں کی لذتوں میں، جن سے وہ اُسی طرح لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح بنگال کے فٹ بال کے کھلاڑی اپنے کھیل سے، وہ یکسوئی کے ساتھ اپنا درس و مطالعہ جاری نہیں رکھ سکتے۔ مہادیو بیچارہ اب تک، بہ قول شوکت کے، پارٹی کا حمّال ہے۔ کوئی کام بھی ہو، نہ وہ اس کے لئے بہت زیادہ ہوتا ہے اور نہ اس کی طاقت سے باہر۔ چھگن لال جوشی اب تک اس نئے ماحول میں تجربے کر رہے ہیں مگر وہ پوری قوت سے پھل پھول رہے ہیں، موسم بہار کی آمد آمد ہے، وہ بھی کھِل ہی کر رہیں گے۔ ہمارا یہ بھانت بھانت کے لوگوں کا مجموعہ کچھ بُرا نہیں ہے۔ ہم لوگ کھیل کے قواعد کی پابندی کیا کرتے ہیں، اس نئے ایک خاصے شائستہ خاندان کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں جس پر ورناشرم کے ضوابط کی پوری پابندی لازم ہے۔ میرے اور ڈاکٹر امبیدکار کی ورناشرم کے ضوابط کی یہ پابندی سناتینوں میں جلد ہی ایک نئی کھلبلی پیدا کر دے گی۔ میری مصیبتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر یقین کرو میں اس طرح کے اضافوں کا جویا نہیں ہوں۔ اب اس خط میں اتنا ہی کہنے کی جگہ اور وقت باقی ہے کہ ہم سب امید کرتے ہیں کہ تمھاری ترقی ہر طرف برابر جاری ہو گی۔

ہم سب کی طرف سے پیام محبت

باپو

۹۹ - از مہاتما گاندھی،

یراوداسنٹرل جیل پونا، ۲ مئی ۱۹۳۳ء

عزیزی جواہر لعل،

جب میں آنے والے برت کے خلاف جدو جہد کررہا تھا تب تم گویا مجسّم میری آنکھوں کے سامنے رہتے تھے۔ مگر اس سے حاصل کچھ نہیں ہوا۔ کاش میں یہ محسوس کرسکتا کہ اس برت کی ناگزیر ضرورت تم نے سمجھ لی ہے۔ ہریجن تحریک محض فکری و دماغی سعی وکوشش کے بس کی چیز نہیں ہے۔ دُنیا بھر میں اس سے بدتر کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ پھر بھی میں مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا اور اس لئے ہندو مذہب کو ترک نہیں کرسکتا۔ اگر ہندو مذہب میرا ساتھ نہ دے سکا تو زندگی مجھ پر ایک بارِ گراں ہو جائے گی۔ مسیحیت، اسلام اور بہت سے دوسرے مذاہب کے ساتھ مجھے جو محبت ہے وہ اسی ہندو مذہب کی توسط سے ہے۔ ہندو مذہب کو مجھ سے لے لو تو پھر میرے لئے کچھ نہیں رہ جاتا۔ مگر اس کے باوجود چھوت چھات کے ساتھ میں اس مذہب کو برداشت نہیں کرسکتا، یعنی اونچ نیچ والا عقیدہ۔ خوش قسمتی سے ہندو مذہب میں اس درد کے لئے ایک تیر بہدف علاج موجود ہے۔ میں اس علاج کو کام میں لے آیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اس بات کو سمجھ لو کہ اگر اس برت کے بعد میں زندہ رہا تو اچھا ہے اور اگر زندہ رہنے کی سعی وکوشش کے باوجود یہ جسم تحلیل ہوگیا تو بھی بُرا نہیں۔ یہ جسم آخر ہے ہی کیا چیز ___ شیشے کے ایک بے لوچ ٹکڑے سے بھی زیادہ سریع الزوال۔ اس شیشے کے ٹکڑے کو تو تم دس ہزار برس تک سالم ومحفوظ رکھ سکتے ہو، مگر اس جسم کو تم ایک منٹ بھی محفوظ رکھنا چاہو تو اس کوشش میں ناکام ہو جاؤ گے۔ یقیناً موت پر تمام سعی وکوشش کی انتہا نہیں ہو جاتی۔ اگر ٹھیک ڈھنگ سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو یہ ایک بہتر سعی وکوشش کی ابتدا کا باعث بھی ہو سکتی ہے۔ اگر تم نے اپنے وجدان سے یہ سچائی نہ پائی تو میں تم کو دلائل سے مطمئن کرنے کی کوشش نہ کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ اگرچہ تمھاری تائید میرے ساتھ نہ ہوگی مگر ابتلاو آزمائش کے ان دنوں میں تمھاری قیمتی محبت ضرور میرے ساتھ باقی رہے گی۔

مجھے تمہارا خط مل گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ اطمینان سے اُس کا جواب لکھوں گا۔ مگر خدا کی مرضی کچھ اور تھی۔ کرشنا سے میں نے باتیں کی تھیں۔ سروپ نے کاٹھیاواڑ میں جو کام کیا اُس کی نسبت میرا خیال ہے کہ میں تم کو لکھ چکا ہوں۔ کملا نے مجھے اپنا پتہ تک نہیں بھیجا۔ بہت دنوں سے اُس کا کوئی خط نہیں آیا ہے۔ جب تم اُس سے ملو تو اُس کو اور اندو کو میرا پیامِ محبت پہنچا دو۔ برت سے کملا کو ہرگز پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ ممکن ہو تو مجھے تار دو۔

پیامِ محبت ہم سب کی طرف سے
باپو

۱۰۰۔ از مہاتما گاندھی،

۲۲ جولائی ۱۹۳۳ء

عزیزی جواہر لعل،

میں نے اکثر تمھیں خط لکھنا چاہا مگر میں مجبور تھا۔ نئی حاصل کردہ قوت کا ایک ایک ذرہ اُس ضروری کام پر دھیان دینے میں، جو میرے سامنے ہے، خرچ ہو رہا ہے۔

والدہ اور کملا کے ساتھ میرا وقت خوب گزرا۔ سروپ اور رنجیت سے میں زیادہ نہیں مل سکا۔ والدہ، کرشنا کے لیئے فکرمند ہیں۔ کرشنا نے اپنے مستقبل کے بارے میں مجھ سے بڑی طویل باتیں کیں۔ اگر اس بارے میں تم مجھے کوئی مشورہ دے سکتے ہو تو مجھے اس سے مطلع کرو۔ میری نقل و حرکت بظاہر کچھ یقینی نہیں ہے۔ مگر یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔

دیوداس اور لکشمی کو میں نے پونا میں چھوڑا تھا۔ اُن کو اب یہاں آجانا چاہیئے۔ دیوداس غالباً وقتی طور پر دہلی ہی میں مقیم ہو جائیں گے۔ مہادیو، با اور پربھاوتی میرے ساتھ ہیں، مگر توقع ہے کہ ان سب کو جلد ہی منتشر ہو جانا پڑے گا۔

مجھے اپنی برت سے پہلے کی قوت بحال کرنے میں دیر لگی ہے مگر میں آہستہ آہستہ بہتر ہو رہا ہوں۔

پیار اور محبت
باپو

۱۰۱۔ از مہاتما گاندھی،

(یہ خط میری منجھلی بہن کرشنا کی راجہ ہتھی سنگھ کے ساتھ شادی کے موقع پر لکھا گیا تھا)

۱۸ / اکتوبر ۱۹۳۳ء

عزیزی جواہر لعل،

لو میں یہ دو ہار بھیج رہا ہوں۔ یہ اُس سوت سے بنائے گئے ہیں جو میں نے آج ہی دولہا اور دولھن کے لئے خاص طور پر کاتا ہے۔ یہ دونوں ہار میری دعاؤں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کیا تم میری طرف سے یہ ہار ان دونوں کے گلوں میں ڈال دوگے۔ امید ہے کہ یہ ہار تمھیں وقت سے پہلے ہی مل جائیں گے۔

میں افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مسٹر ہتھی سنگھ نے شادی کی رسموں کی ممانعت کر دی۔ مگر ان معاملات میں میں اخباروں کے پُرانے شماروں کی حیثیت رکھتا ہوں۔

دیپک کے بارے میں تم جو کچھ کہہ رہے ہو اُسے میں سمجھتا ہوں میں سرلا دیوی کو جس قدر نرمی بھی مجھ سے ممکن ہو گی اُس نرمی کے ساتھ لکھوں گا۔

سب کے لئے پیامِ محبت

باپو

میں چاہتا ہوں کہ جب شادی کے سب ہنگامے ختم ہو جائیں تو مجھے تار سے مطلع کرو کہ والدہ نے اس ہنگامے کے بوجھ کو بخوبی برداشت کر لیا۔

۱۰۲۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا

۱۰ / اگست ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

خان صاحب کو بمبئی کی میٹنگوں میں شرکت کی ضابطے کی اطلاع مل گئی ہے۔ وہ ان میں شریک ہونا نہیں چاہتے اور میں اُن کو اس کے لئے مجبور کرنا نہیں چاہتا۔ بمبئی میں اُن کو جلسوں اور تقریبوں میں شریک ہونا پڑے گا۔ جہاں

اُن سے تقریر کے لئے کہا جائے گا۔ مگر اس وقت میں نہیں چاہتا کہ وہ ایسا کریں۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ سال وہ میرے ساتھ گزاریں۔ اُن میں اتنی طاقت بھی ابھی نہیں آئی ہے کہ بیماری کے حملوں کو روک سکیں اور نہ وہ ان حملوں سے ابھی محفوظ ہیں اس لئے کیا تم ازراہ کرم ان کو حاضری اور میٹنگوں میں شرکت سے معاف کردو گے؟

پیار

باپو

(خان صاحب سے مراد خان عبدالغفار خاں ہیں)

۱۰۲ بنام مہاتما گاندھی۔

(اپنی بیوی کی سنگین علالت کے سبب میں یک بہ یک جیل سے رہا کردیا گیا۔ مگر یہ رہائی وقتی تھی اور واقعتاً دس ہی دن کے اندر مجھے پھر جیل پہنچادیا گیا۔ یہ خط میں نے گاندھی جی کو اپنی رہائی کے فوراً ہی بعد لکھا تھا)

آنند بھون، الہ آباد

۱۳ر اگست ۱۹۳۴ء

میرے محترم باپو،

ٹھیک چھ مہینوں کی مکمل تنہائی اور کم محنت کے بعد، گزشتہ ۲۷ گھنٹوں کے فکر و تردد، جوش و اضطراب اور حرکت و عمل میں میں کچھ کھویا ہوا سا محسوس کر رہا تھا۔ میں اپنے آپ کو بہت تھکا ہوا پا رہا ہوں۔ یہ خط میں آپ کو رات کے بارہ بجے لکھ رہا ہوں۔ دن بھر لوگوں کے آنے کا تانتا بندھا رہا۔ اگر مجھے موقع ملا تو میں آپ کو پھر لکھوں گا مگر مجھے شبہہ ہے کہ چند مہینوں تک شاید ہی لکھ پاؤں۔ اس لئے میں اختصار کے ساتھ آپ پر یہ ظاہر کردینا چاہتا ہوں کہ گزشتہ تقریباً پانچ ماہ کے کانگریس کے بڑے بڑے اور اہم فیصلوں سے میں کیوں کر متاثر ہوا ہوں۔ میرے وسائلِ اطلاع فطرتاً بہت ہی محدود رہے ہیں تاہم میرا خیال ہے کہ وہ مجھے اس قابل بنادینے کے لئے کافی تھے کہ میں ایک خاصی صحیح رائے معاملات اور حوادث کے عام رجحان کی نسبت قائم کرسکوں۔

جب میں نے سُنا کہ آپ نے سِول نافرمانی کی تحریک بند کر دی تو مجھے صدمہ ہوا۔ پہلے میرے علم میں صرف ایک مختصر سا اعلان آیا۔ بہت دنوں کے بعد میں نے آپ کا بیان پڑھا جس سے مجھے اپنی زندگی کا ایک سب سے بڑا صدمہ پہنچا۔ میں اس بات پر آمادہ تھا کہ اپنے آپ کو اس تحریک کے واپس لے لینے پر راضی کروں۔ مگر اس تحریک کے بند کر دینے کے جو اسباب آپ نے بیان فرمائے ہیں اور آئندہ کام کے لئے جو تجویزیں آپ نے پیش فرمائی ہیں اُنھوں نے مجھ کو سخت حیرت میں ڈال دیا۔ میں نے یک بہ یک شدت کے ساتھ ایسا محسوس کیا جیسے میرے اندر کوئی چیز ٹوٹ گئی ہو اور وہ رشتہ اور تعلق جس کو میں نے بہت قیمتی جانا تھا ٹوٹ گیا ہو، اس وسیع دنیا میں میں نے اپنے آپ کو شدید طور پر یکہ و تنہا محسوس کیا۔ میں نے بچپن سے لے کر آج تک اپنے آپ کو ہمیشہ کسی قدر تنہا ہی محسوس کیا ہے۔ مگر کچھ رشتے ایسے تھے جن سے مجھے قوت پہنچا کرتی تھی، کچھ سہارے تھے جو مجھے سنبھالے رہتے تھے۔ اس احساسِ تنہائی نے میرا پیچھا کبھی نہیں چھوڑا مگر اس میں کمی ضرور آگئی تھی۔ لیکن اب میں نے اپنے آپ کو بالکل ہی تنہا پایا، جیسے مجھ کو پانی سے دُور ایک ویران سے جزیرے میں چھوڑ دیا گیا ہو۔

انسان اپنے آپ کو اپنے گرد و پیش کے حالات کے مطابق بنا لینے کی بڑی زبردست استعداد رکھتا ہے۔ میں نے بھی اپنے آپ کو کسی حد تک نئے حالات کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ اس موضوع پر میرے احساسات کی شدت جو قریب قریب جسمانی تکلیف کی حد تک پہنچ گئی تھی، مدھم پڑ گئی یعنی اُس کی دھار کُند ہو گئی۔ مگر پیہم صدموں اور حوادث کے تسلسل نے اس دھار کو پھر نہایت ہی نازک اور باریک بنا دیا اور میرے دماغ اور میرے احساسات کو چین و سکون سے یکسر محروم کر دیا۔ میرے اندر پھر اسی روحانی تنہائی کا احساس تازہ ہو گیا اور پھر میں نے اپنے آپ کو ایک قطعی اجنبی پایا جو نہ صرف اُس بھیڑ سے کوئی میل یا تطابق نہیں رکھتا جو اس کے پاس سے گزرتی رہتی ہے بلکہ ان لوگوں سے اک بیگانگی سی محسوس کرتا ہے جن کی وہ اپنے عزیز اور قریب رفقائے کار کی

حیثیت سے بڑی قدر کیا کرتا تھا۔ اس بار کا میرا جیل میں رہنا پچھلی دفعوں کے مقابلے میں میرے اعصاب کے لیئے زیادہ تر ابتلا و آزمائش کا سبب بن گیا۔ میں تقریباً یہ چاہنے لگا ہوں کہ مجھے اب کوئی اخبار پڑھنے کو نہ ملا کرے تاکہ میں ان پیہم صدموں سے نجات پا جاؤں۔

جسمانی اعتبار سے میں خاصا تندرست رہا۔ میں جیل میں ہمیشہ ہی تندرست رہا کرتا ہوں۔ میرے جسمانی قویٰ نے میرا خوب ساتھ دیا ہے اور بہت سی بدسلوکیوں اور محنت و مشقّت کا بار برداشت کر سکتے ہیں اور چوں کہ خاصا بر خود غلط سا واقع ہوا ہوں اس لیئے سوچا کرتا ہوں کہ شاید میں اِس سرزمین میں جس سے قسمت نے مجھے وابستہ کر دیا ہے اب بھی کوئی نتیجہ خیز اور مفید کام انجام دے سکتا ہوں اور اس خیال سے میں نے اپنے قویٰ کی معقول دیکھ بھال رکھی ہے۔

مگر میں نے اکثر یہ بھی سوچا ہے کہ کہیں میں اس کام کے لیئے ناموزوں تو نہیں ہوں، یا خود فریبی و خود بینی کا ایک بُلبلا تو نہیں ہوں جو سطحِ سمندر پر مارا مارا پھر رہا ہے اور سمندر نے اُسے حقارت سے ٹھکرا دیا ہے؟ مگر بے جا غرور اور خود بینی ظفریاب رہی اور ذہنی و دماغی آلات جو میرے اندر کام کر رہے تھے انھوں نے ہار مان لینے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ مطامحِ نظر جنھوں نے مجھ کو عمل پر اُبھارا تھا اور جنھوں نے طوفانی موسموں میں بھی میری ہمّت و جراُت برقرار رکھی تھی صحیح تھے ـــــ اور اُن کی صحت و حقّانیت کا یقین میرے اندر ہمیشہ بڑھتا ہی رہا ـــــ تو وہ فتحیاب ہو کر ہی رہیں گے خواہ موجودہ نسل ان کی فتح یابی کا مشاہدہ کرنے کو زندہ نہ بھی رہے۔

مگر آخر اِس سال کے اِن طویل اور اُکتا دینے والے مہینوں میں جب کہ میں صرف دُور سے دیکھنے والا ایک ایسا تماشائی رہ گیا تھا جو اپنی مجبوری اور بے بسی پر جُز بُز رہا کرتا تھا، ان مطامحِ نظر کو ہو کیا گیا تھا؟ ہر بڑی جدوجہد میں رکاوٹیں اور وقتی و عارضی شکستیں بہت عام سی باتیں ہیں۔ اُن سے صدمہ ضرور پہنچتا ہے مگر انسان ان صدموں کے اثر سے جلد ہی نجات پا لیتا ہے بشرطیکہ ان مطامحِ نظر

کی روشنی کو مدھم نہ پڑ جانے دیا جائے اور اصول کا لنگر سالم و قائم رہے۔ مگر جو کچھ میں نے دیکھا وہ کوئی عام رُکاوٹ یا شکست نہ تھی بلکہ وہ ایک ایسی روحانی شکست تھی جو تمام شکستوں میں خطرناک ترین شکست ہوتی ہے۔ یہ خیال نہ کیجئے گا کہ میں کاؤنسلوں میں جانے کے سوال کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ میں اس سوال کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔ بعض مخصوص حالات میں میں خود قانون ساز مجالس میں جانے کا خیال دل میں لا سکتا ہوں۔ مگر میں خواہ مجالس قانون ساز کے اندر رہ کر کام کروں یا اُن سے باہر رہ کر، کام بہر صورت ایک انقلابی ہی کی حیثیت سے کروں گا۔ انقلابی سے میری مُراد وہ شخص ہے جو بنیادی اور انقلاب آور تبدیلیوں کے لئے کام کر رہا ہو، وہ سیاسی ہوں خواہ معاشرتی۔ اس لئے کہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ ہندوستان اور دُنیا کو امن و امان یا تسلی و تشفی ایسی ہی تبدیلیوں کے ذریعے میسّر آسکتی۔

یہ تھا میرا خیال۔ مگر وہ رہنمایانِ ملک جو جیل سے باہر کام کر رہے تھے بہ ظاہر وہ اس خیال کے نہیں تھے۔ ان حضرات نے اُس عہد کی زبان میں باتیں کرنی شروع کیں۔ جو ترکِ موالات اور سول نافرمانی کی شراب تُند سے ہمارے دماغوں کے سرشار ہو جانے سے پہلے بیت چکا تھا۔ بعض اوقات یہ حضرات یہی فقرے اور یہی کلمات استعمال کر جاتے ہیں، مگر یہ مردہ اور بے جان فقرے یا کلمات ہوا کرتے ہیں، حقیقی معنوں سے خالی یا گرمیِ حیات سے عاری۔ کانگریس کے سر برآوردہ و ممتاز اصحاب یک بہ یک اُن لوگوں جیسے ہو گئے جنھوں نے ہماری راہ میں رکاوٹیں ڈالی تھیں، ہمیں پیچھے گھسیٹا تھا، ہماری جد و جہد سے دامن کشاں رہے تھے بلکہ ہماری شدید ترین حاجت و ضرورت کی گھڑیوں میں بھی ہمارے مخالفین سے تعاون کیا تھا۔ اب یہ لوگ ہمارے معبدِ آزادی کے بڑے پروہت ہو گئے، اور بہت ایسے بہادر سپاہیوں کو، جنھوں نے لڑائی کا اصل بوجھ لڑائی کی گرمی و غبار میں اپنے کندھوں پر اٹھایا تھا، معبد کے قرب و جوار میں بھی قدم رکھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

اور اس طرح ہندوستان کی آزادی کا پرچم بڑے کرّوفر اور شان و شوکت

کے ساتھ ان بزرگوں کے حوالے کر دیا گیا جنھوں نے دشمن کے ایماء پر اُس کو ہمارے جہادِ آزادی کے عین شباب کے موقع پر کھینچ کر سرنگوں کر دیا تھا؛ ہاں اُن بزرگوں کے حوالے کر دیا جنھوں نے گھروں کی چھتوں سے چیخ چیخ کر اعلان کیا تھا کہ اب وہ سیاسیات سے دست کش ہو چکے ہیں ـــــ اس لئے کہ یہ کوچہ اُس وقت محفوظ نہیں تھا ـــــ مگر پھر یہی بزرگانِ قوم، جب سیاسیات میں کوئی خطرہ نہ رہا، اپنے حجروں سے باہر تشریف لائے، اور ایک جست میں صفِ اوّل میں تھے۔

اور وہ مطامحِ نظر تھے کیا جن کو ان بزرگوں نے، جب وہ کانگریس اور قوم کی نیابت و نمایندگی فرما رہے تھے، اپنا نصب العین بنایا تھا؛ ایک سزاوارِ نفرت ملغوبہ، اصل مسائل سے گریزاں، جس حد تک وہ جرأت کر سکتے، کانگریس کی سیاسی غایت کو بھی نرم تر کر دینا، ہر مستقل مفاد یا صاحبِ مفاد کے لئے ایک دردمندانہ اظہارِ فکرمندی، بہت سے کھلے ہوئے دشمنانِ آزادی کے سامنے گردن خم کر دینی مگر کانگریس کے پیش رفتہ اور لڑنے والے عناصر کے مقابلے میں بڑی جرأت اور تُند خوئی کا مظاہرہ کرنا۔ یہ تھے اُن کے بلند مطامحِ نظر۔ کیا کانگریس تیزی کے ساتھ ایک شاندار ایڈیشن اُس شرمناک تماشے کا، یعنی گزشتہ چند سالوں کے کلکتہ کارپوریشن کا، نہیں بنتی جا رہی ہے؛ کیا بنگال کانگریس کے غلبہ یافتہ حصے کا نام "نلینی رنجن سرکار کو اچھالنے کی انجمن" نہیں رکھا جا سکتا؛ وہ نلینی رنجن سرکار جو اس زمانے میں بھی حکومت کے اہل کاروں، فنڈ رائے داخلہ اور اسی قسم کے اور لوگوں کی دعوتیں کر کے خوش ہوا کرتے تھے جب ہم میں سے اکثر جیلوں میں تھے اور جب سول نافرمانی زور پکڑتی خیال کی جاتی تھی۔ اور دوسرا حصہ بھی غالباً ایک ایسی ہی انجمن، ایک ایسے ہی قابلِ تعریف مقصد کے لئے نہیں بن چکا ہے؛ مگر قصور تنہا بنگال کا نہیں ہے۔ جہاں دیکھئے، جدھر دیکھئے قریب قریب ایسی ہی فضا آپ کو نظر آئے گی۔ کانگریس سرتاپا مفاد پرستوں کا ایک اڈا یا ایک نظام بن گئی ہے جس میں موقع پرستی کا بول بالا ہے۔

معاملات اور حالات کی اس صورت کی ذمّے داری براہِ راست مجلسِ عاملہ پر نہیں ہے۔ تاہم مجلسِ عاملہ کو یہ ذمّے داری لینی پڑے گی لیڈروں اور لیڈروں کی

پالیسی ہی سے متبعین کی سرگرمیاں صورت پذیر ہوا کرتی ہیں۔ نہ یہ عدل وانصاف کی بات ہے اور نہ درست و صحیح کہ الزام متبعین پر رکھا جائے۔ ہر زبان میں اس مضمون کی کہاوتیں پائی جاتی ہیں کہ دست کار اپنے آلات پر الزام رکھتا ہے۔ کمیٹی نے دانستہ اور عمداً ہمارے مطامح نظر اور مقاصد کی تعریف و تحدید میں ابہام و اجمال کی ہمت افزائی کی تھی۔ اس سے لازمی طور پر نہ صرف پراگندگی اور برہمی پیدا ہوتی ہے بلکہ اس سے ردِ عمل کے زمانے میں بد دلی اور شکست خوردگی کی ذہنیت بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سے بازاری قسم کے شورش پسند لیڈروں اور رجعت پسندوں کو بھی ظہور و نمود کے موقعے مل جاتے ہیں۔

میں خصوصیت کے ساتھ سیاسی مقاصد کی طرف اشارہ کر رہا ہوں جو کانگریس کے مخصوص حلقۂ کار کی چیزیں ہیں۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ وقت کب کا آچکا ہے کہ کانگریس معاشرتی اور اقتصادی تنقیح طلب امور پر صفائی کے ساتھ غور و فکر کرے مگر میں اس بات سے واقف ہوں کہ ان امور پر لوگوں کو تعلیم دینے میں وقت لگے گا، نیز اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ممکن ہے 'کانگریس' بہ حیثیت مجموعی، اتنی دور تک نہ جا سکے جہاں تک میں اس کو لے جانا چاہتا ہوں، مگر ظاہر یہ ہو رہا ہے کہ مجلسِ عاملہ اس موضوع کے بارے میں کچھ جانتی ہو یا نہ جانتی ہو وہ اس بات پر بالکل آمادہ ہے کہ اُن لوگوں کو مردودِ بارگاہ قرار دے دے اور برادری سے خارج کر دے جن لوگوں نے اتفاق سے اس موضوع کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے اور جو اس موضوع پر کچھ رائیں رکھتے ہیں۔ ان رایوں کے سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی حالانکہ یہ ایک بہت ہی مشہور بات ہے کہ یہ رائیں دنیا کے بہت سے قابل ترین اور ایثار کرنے والے لوگوں کی ہیں۔ یہ رائیں، صحیح یا غلط ہو سکتی ہیں، مگر بہ ہر صورت، اس سے پیشتر کہ مجلسِ عاملہ انھیں مردود قرار دے دینے پر کمربستہ ہو جائے، وہ کم از کم اس کی مستحق ضرور ہیں کہ اُن پر کچھ غور و فکر کر لیا جائے۔ ایک مبنی بر دلائل دعوے کا جواب جذباتی اپیلوں سے دینا یا چلتی ہوئی اور ارزاں سی یہ بات کہہ کر اُس سے پیچھا چھڑا لینا کہ ہندوستان کے حالات دوسرے ملکوں سے بالکل مختلف

ہیں، اور جو اقتصادی قوانین دوسرے ملکوں میں عمل پیرا ہیں وہ اس ملک میں عمل پیرا نہیں ہیں، مشکل ہی سے زیب دیتا ہے۔ اِس موضوع پر مجلس عاملہ کی قرارداد اشتراکیت کے مبادی سے بھی ایسی حیرت انگیز جہالت و بے خبری کا پتہ دیتی ہے کہ اُس کو پڑھ کر اور یہ خیال کر کے کہ یہ قرارداد ہندوستان سے باہر بھی پڑھی جائے گی تکلیف ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ مجلسِ عاملہ کی سب خواہشوں سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی نہ کسی طرح مستقل ذاتی اغراض و مفادات کے خداوند عالی تبار کو مطمئن کر دیا جائے خواہ اس سعی و کوشش میں مجلس کو بیہودہ ہی کیوں نہ بکنا پڑے۔

اِس موضوع پر غور و فکر اور بحث و تحیص کا ایک عجیب و غریب طریقہ یہ ہے کہ لفظ سوشلزم یا اشتراکیت کو، جو انگریزی زبان میں اپنے ایک واضح طور پر محدود و معین معنی رکھتا ہے، ایک بالکل ہی مختلف مفہوم میں استعمال کیا جائے۔ لوگ اگر لفظوں کا استعمال ایسے معنوں میں کرنے لگیں جو ان ہی کی ذات تک محدود ہوں تو یہ انوکھا طریقہ تبادلۂ افکار و خیالات میں کچھ ممد و معین ثابت نہ ہوگا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو انجن کا چلانے والا بتائے اور پھر یہ بھی کہہ دے کہ اس کا انجن لکڑی سے بنایا گیا ہے اور اس کو بیل کھینچتے ہیں تو وہ لفظ "انجن چلانے والا" کا غلط استعمال کرتا ہے۔

خط میری توقع سے کہیں زیادہ طویل ہو چکا ہے اور رات کا ایک بڑا حصہ اس پر صرف ہو چکا ہے۔ غالباً میں نے یہ خط پراگندہ اور غیر مربوط طور پر لکھ مارا ہے اس لئے کہ میرا دماغ تھکا ہوا ہے۔ پھر بھی اس خط سے میرے ذہن و دماغ کی اک تصویر، خواہ وہ نامکمل ہی سی کیوں نہ ہو، آپ کے سامنے آجائے گی۔ گزشتہ چند مہینے میرے لئے بہت ہی تکلیف دِہ رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اور بہت سے لوگوں کے لئے بھی یہ ایسے ہی تکلیف دہ ثابت ہوئے ہوں گے۔ میں نے بعض اوقات کچھ ایسا محسوس کیا ہے کہ آج کی دنیا میں، اور شاید دنیائے قدیم میں بھی، دوسروں کی جیبوں کو ہاتھ لگانے پر کچھ لوگوں کے دلوں کے توڑ دینے کو اکثر ترجیح دی جاتی ہے۔ جیبیں واقعی دلوں، دماغوں،

جسموں اور انسان کی عزّت و وقار اور اس کے ساتھ عدل و انصاف سے بھی زیادہ قیمتی اور عزیز ہیں۔

ایک اور موضوع بھی ہے جس کا میں ذکر کر دینا چاہتا ہوں اور وہ ہے وقفِ سوراج بھون۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مجلسِ عاملہ نے حال ہی میں سوراج بھون کی نگہداشت کے مسئلے پر غور کیا اور اس نتیجے پر پہنچی کہ وہ اس کی نگہداشت کی ذمہ دار نہیں ہے۔ بہر حال چونکہ تین سال ہوتے ہیں کہ سوراج بھون کی نگہداشت کے لئے مجلسِ عاملہ نے ایک امدادی رقم منظور کی تھی (اور اسی منظوری پر اعتماد کر کے کچھ مصارف کئے بھی گئے تھے۔ حالانکہ یہ رقم اب تک ادا نہیں کی گئی) اس لئے ایک رقم پھر منظور کی گئی۔ یہ رقم غالباً چند ماہ کے لئے کافی ہو گی۔ مستقبل کے لئے مجلسِ عاملہ کو بہ ظاہر یہ فکر و تردّد لاحق تھا کہ بھون اور اس کے میدانوں کی دیکھ ریکھ کا بار اُس کے کندھوں پر نہ ڈالا جائے۔ یہ بار سو روپئے ماہوار کا ہے جس میں ٹیکس وغیرہ بھی شامل ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس وقف کے متولی بھی، اِس بار سے کسی قدر خوف زدہ ہیں۔ ان لوگوں نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ بھون کا کچھ حصّہ معمولی طریقے پر کرائے پر دے دیا جائے تاکہ دیکھ ریکھ کے مصارف نکل آئیں۔ اس سلسلے کی دوسری تجویز یہ تھی کہ اس غرض کے لئے میدانوں کا کچھ حصّہ فروخت کر دیا جائے۔ ان تجویزوں کو سن کر مجھے حیرت ہوئی، اس لئے کہ ان میں بعض تجویزیں تو مجھے وقف نامے کی شرطوں کے خلاف نظر آئیں اور مجموعی طور پر یہ سب کی سب وقف نامے کی روح کے خلاف دکھائی دیں۔ اس معاملے میں منفرد متولی کی حیثیت سے صرف میری ہی ایک آواز ہے۔ مگر میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ مجھے وقفی جائداد کے کسی ایسے ناجائز استعمال پر نہایت ہی شدید اور سخت اعتراض ہے۔ اپنے والد کی خواہشوں کے اس طرح روند ڈالے جانے کا خیال بھی میں برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ وقف نہ صرف ان کی خواہشوں کی نمایندگی کرتا ہے بلکہ وہ اُن کی ایک مختصر سی یادگار بھی ہے، اور اُن کی خواہشیں اور اُن کی یادگار مجھے سو روپئے ماہوار سے زیادہ عزیز ہے۔ اس لئے میں مجلس عاملہ اور وقف کے

متولیوں کو یقین دلا دینا چاہتا ہوں کہ وقف کی جائداد کی دیکھ ریکھ کے لئے، جو رقم مطلوب ہے اُس کے لئے اِن لوگوں کو مطلق فکر مند رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔
مجلسِ عاملہ نے حال میں چند مہینوں کے لئے جو رقم منظور کی ہے جب وہ رقم ختم ہو جائے گی تو دیکھ ریکھ کی ذمہ داری میں خود ہی سنبھال لوں گا اور مجلسِ عاملہ کو کسی مزید امدادی رقم کے منظور کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ میں متولیوں سے بھی التجا کروں گا کہ اس معاملے میں وہ میرے احساسات اور جذبات کا احترام کریں اور وقفی جائداد کے ٹکڑے ٹکڑے نہ کریں اور نہ اُس کو محض کرائے پر دینے کی خاطر کرائے پر دیں۔ میں اُس وقت تک سوراج بھون کی دیکھ ریکھ کرتے رہنے کی کوشش کروں گا جب تک کہ وہ کسی اچھے اور معقول کام کے لئے نہ دے دیا جائے۔

اعداد و شمار تو اس وقت میرے پاس نہیں ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ اب تک سوراج بھون کسی معنی میں بھی مجلسِ عاملہ کے کندھوں پر مالی بار نہیں رہا ہے۔
بھون کے جو حصے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے لئے استعمال میں ہیں اگر اُن کا معقول کرایہ لگا لیا جائے تو مجلسِ عاملہ کی دی ہوئی امدادی رقمیں غالباً اس سے کچھ بہت زیادہ نہ ہوں گی۔ اگر کچھ چھوٹے اور ارزاں تر حصے اس کام میں لائے جاتے تو کرائے کی رقم کم ہو جاتی۔ اسی کے ساتھ اس بات کو بھی پیشِ نظر رکھئے کہ پچھلے دنوں آل انڈیا کانگریس کمیٹی صرف ایک بالائی منزل کے لئے مدراس میں ڈیڑھ سو روپئے ماہوار ادا کرتی رہی ہے۔
اس خط کے بعض حصوں سے ممکن ہے آپ کو کچھ تکلیف پہنچے۔ مگر آپ اس بات کو پسند نہ کریں گے کہ میں اپنے دل کی بات آپ سے چھپائے رکھوں۔

آپ کا محبت کیش

جواہر

۱۰۴۔ از مہاتما گاندھی،

۱۷؍ اگست ۱۹۳۴ء

عزیزی جواہر لعل،

تمہارا پُرجوش اور دردانگیز خط جس قدر طویل جواب کا مستحق ہے میری قوت اُتنا لمبا خط لکھنے کا تحمل نہیں کر سکتی۔

مجھے حکومت سے اس سے بڑی نوازش کی توقع تھی۔ بہرصورت تمہاری موجودگی سے جو فائدہ کملا کو اور ضمناً ماما کو پہنچا وہ کسی دوا یا کسی ڈاکٹر سے نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مجھے امید ہے کہ تم کو گنتی کے اُن چند دنوں سے زیادہ ٹھیرنے دیا جائے گا جس کی تمہیں توقع ہے۔

میں تمہارے گہرے رنج و الم کو سمجھتا ہوں۔ تم اپنے جذبات اور احساسات کو پورے طور پر اور آزادی کے ساتھ ظاہر کر دینے میں حق بجانب ہو۔ مگر مجھے اس بات کا یقین کامل ہے کہ جو کچھ قیدِ تحریر میں آچکا ہے جب تم اس کا مطالعہ ہمارے مشترک زاویے سے زرا قریب سے کرو گے تب تم دیکھ لو گے کہ تمہارے اِس تمام غم و الم اور اِس تمام مایوسی کے، جو تم نے محسوس کی ہے، معقول اور کافی اسباب نہیں پائے جاتے۔ مجھے اجازت دو کہ میں تمہیں اس امر کا یقین دلادوں کہ ایک رفیق کار کی حیثیت سے تم اب بھی مجھے اپنے پہلو ہی میں پاؤ گے۔ اپنے اس رفیقِ کار کو تم نے کھویا نہیں ہے۔ میں اب بھی وہی ہوں اور ویسا ہی ہوں جیسا تم نے مجھے ۱۹۱۷ء میں اور اس کے بعد پایا۔ مقصود اور غایتِ مشترک کے لئے میرے اندر اب بھی وہی جوش و خروش موجود ہے جو تم نے میرے اندر ہمیشہ پایا ہے۔ میں اپنے وطن کے لئے کامل آزادی اِس انگریزی لفظ "کمپلیٹ انڈیپنڈنس" کے پورے معنوں میں چاہتا ہوں۔ اور وہ تمام قراردادیں جن سے تم کو تکلیف پہنچی ہے اسی غایت کو پیشِ نظر رکھ کر ترتیب دی گئی ہیں۔ یقیناً میں ان تمام قراردادوں کے لئے اور اُن تمام ذہنی تصورات کے لئے جو ان قراردادوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں پورے طور پر ذمے دار ہوں۔

مگر اپنی نسبت میرا یہ گمان ہے کہ میں وقت کی ضرورت کو بھانپ لینے کا اِک سلیقہ رکھتا ہوں۔ اور یہ قرار دادیں میرے اسی سلیقے یا وجدان کا جواب یا ردِّ عمل ہیں یہیں سے یقیناً ہمارا اختلاف طریقِ کار یا وسائلِ کار پر زور دینے میں رونما ہوتا ہے۔ میرے نزدیک وسائل کار اُتنے ہی اہم ہوتے ہیں جتنے خود مقاصد بلکہ ایک معنی میں وسائل زیادہ اہم ہوتے ہیں بہ اس لحاظ سے کہ وسائل تو کسی حد تک ہمارے قابو میں ہوتے ہیں اور اگر وسائل ہمار قابو سے باہر چلے جائیں تو پھر مقاصد پر ہمارا کوئی قابو نہیں چلتا۔

جو قرار داد "غیر ذمّے دارانہ گفتگو" پر منظور ہوئی اُس کو تم ٹھنڈے دل سے پڑھو۔ اس قرار داد میں "اشتراکیت" کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اشتراکیوں کا تو خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ اِن میں سے کچھ کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا میں اُن کی قربانیوں سے بے خبر ہوں؟ مگر میں نے اُن کو بہ حیثیت ایک جماعت کے جلد باز پایا۔ انھیں جلد باز ہونا بھی چاہیے۔ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ اگر میں ان تیز گاموں کی رفتار سے نہ چل سکوں تو میں اُن سے ضرور کہوں گا کہ اِک زرا ٹھیر کر چلو اور مجھے بھی اپنے ساتھ رکھو۔ حقیقت میں یہی میرا طرزِ عمل ہے۔ میں نے اشتراکیت کے معنی لغت میں دیکھے۔ مگر میری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ لغت دیکھنے اور اُس میں اشتراکیت کی تعریف پڑھنے کے بعد بھی میں جہاں تھا وہیں رہا۔ اشتراکیت کا پورا مفہوم و معنی سمجھنے کے لئے مجھے کیا پڑھنے کا مشورہ دیتے ہو؟ مسانی نے جو کتابیں مجھے دی تھیں اُن میں سے ایک کتاب میں پڑھ چکا ہوں اور اب میں اپنا تمام فاضل وقت اُس کتاب کے پڑھنے پر صرف کر رہا ہوں جس کی صلاح مجھ کو نریندر دیو نے دی تھی۔

مجلسِ عاملہ کے ممبروں کے حق میں تم بہت سخت ہو۔ وہ جیسے کچھ بھی ہیں ہمارے رفقائے کار ہیں۔ بہ ہر حال ہم ایک آزاد ادارے کے ارکان ہیں اگر وہ قابلِ اعتماد نہیں ہیں تو اُن کو ہٹا دینا چاہیے۔ مگر یہ درست نہیں ہے کہ ہم انھیں اس لئے بُرا بھلا کہیں کہ یہ لوگ وہ مصیبتیں برداشت نہیں کر سکے جو بعض دوسرے

لوگوں نے برداشت کیں۔

تخریبی دھماکے کے بعد میں تعمیر چاہتا ہوں۔ اس لئے، مبادا ہم مل نہ سکیں، مجھے ٹھیک ٹھیک یہ بتاؤ کہ تم مجھے کیا کرنے کا مشورہ دیتے ہو اور یہ کہ کون شخص تمہارے افکار کی سب سے بہتر نمایندگی کر سکتا ہے۔

جہاں تک وقف کا تعلق ہے مجھے یہ کہنا ہے کہ میں موجود نہیں تھا، لیکن بھائی البتہ شریک تھے۔ تمہارے انداز سے غصّہ ٹپکتا ہے۔ تمہیں متولیوں پر اعتماد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے فرض سے غافل نہ رہیں گے۔ میرا خیال نہیں تھا کہ کوئی بے جا بات ہوئی ہے، جو کام میرے سامنے تھے اُن میں میں اس قدر منہمک تھا کہ اس مسئلے پر پوری توجہ دے ہی نہ سکا۔ اب میں کاغذات وغیرہ سب دیکھوں گا۔ دوسرے متوّلی یقیناً تمہارے احساسات کا پورا پورا احترام کریں گے۔ اس یقین دہانی کے بعد میں تم سے یہ درخواست کروں گا کہ تم اس معاملے کو اس قدر شخصی اور ذاتی نہ بناؤ جتنا تم نے اسے بنا لیا ہے۔ تمہاری فیاض طبیعت کے لئے مناسب یہ ہے کہ تم اپنے ساتھ کے دوسرے متولیوں کے دلوں میں بھی اپنے والد کی یاد کے لئے وہی عزّت و احترام تسلیم کرو جو خود تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ پوری قوم کو والد کی یاد کا پاسبان و محافظ جانو اور اپنے آپ کو قوم کا صرف ایک فرد۔

مجھے امید ہے کہ اندو بخیر ہو گی اور اپنی اس نئی زندگی کو پسند کرتی ہو گی۔ کرشنا کا کیا حال ہے؟

پیار اور محبّت

باپو

۱۰۵۔ از مہاتما گاندھی،

واردھا

۲۲ نومبر ۱۹۳۴ء

عزیزی جواہر لعل،

چند دن ہوتے ہیں میں نے تمہیں ایک خط لکھا تھا اور صرف تمہاری صحت

کی حالت دریافت کی تھی۔ ممی جو کل آئی ہیں کہہ رہی ہیں کہ تمھیں صرف وہی خط ملا کرتے ہیں جو کملا کے پیکٹ میں بھیجے جاتے ہیں۔ میں اُن قواعد کو جاننا چاہتا ہوں جو تمھاری خط و کتابت پر عائد ہیں۔ از راہِ محبت مجھے بتاؤ کہ تم کیسے ہو اور اپنا وقت کیوں کر گزارا کرتے ہو۔

محبت اور پیار

باپو

۱۰۶۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

(جس تیزی کے ساتھ میری بیوی کی صحت انحطاط پذیر ہو رہی تھی اُس کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا تھا کہ اُن کو بہ غرض علاج یورپ بھیج دیا جائے۔ اِس زمانے میں میں الموڑہ جیل میں تھا اور برابر اسی جیل میں رہا، کملا کو خدا حافظ کہنے کے لئے مجھے ایک دن کی چھٹی ملی تاکہ بھوالی کی سینی ٹوریم میں اُن سے مل آؤں میری لڑکی اندرا جو شانتی نکیتن میں تھی اپنی والدہ کے ساتھ یورپ گئی تھی)

اُتراین

شانتی نکیتن، بنگال

۲۰ اپریل ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہر لعل،

اندرا کو ہم لوگوں نے بڑے رنج و ملال کے ساتھ خدا حافظ کہا۔ ہمارے یہاں اُس کا وجود بہت ہی قابلِ قدر تھا۔ میں نے اُس کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور جس طرز پر تم نے اُس کو تربیت دی ہے میں نے اُس کو بہ نظرِ استحسان دیکھا۔ اُس کے اساتذہ بہ یک آواز اُس کے مدّاح ہیں اور میرے علم میں وہ طلبا میں بھی غایت درجہ ہر دل عزیز تھی۔ مجھے امیدِ واثق ہے کہ حالات بہتر رُخ اختیار کریں گے اور وہ جلد ہی یہاں واپس آکر اپنے درس و مطالعے میں لگ جائے گی۔

میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ تمھاری بیوی کی مصیبتوں کا دھیان کر کے میں کس قدر رنجیدہ ہو جاتا ہوں، مگر مجھے یقین ہے کہ بحری سفر اور

یورپ کا علاج اُنھیں بہت فائدہ پہنچائے گا اور بہت دن نہ گزریں گے کہ وہ پھر پہلی جیسی ہو جائیں گی۔

میری پُر محبت دُعاؤں کے ساتھ

تمھارا

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۰۷۔ از مہاتما گاندھی،

(یہ خط اور بعد کے کچھ خط مجھے جرمنی بھیجے گئے تھے۔ میری بیوی کی صحت کی روبہ تنزّلی کے سبب مجھے الموڑہ ڈسٹرکٹ جیل سے یک بہ یک رہا کر دیا گیا تھا۔ اس زمانے میں وہ جرمنی میں بلیک فارسٹ کی ایک صحت گاہ میں تھیں۔ رہا ہوتے ہی میں جرمنی روانہ ہو گیا تاکہ اُن کے پاس پہنچ جاؤں)

واردھا، ۳ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارے خطوط گھڑی کی سی باضابطگی کے ساتھ آیا کرتے ہیں اور میرے لیے کس قدر باعثِ رحمت و راحت ہوا کرتے ہیں۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ کملا جانبازانہ سعی و کوشش کر رہی ہے۔ اس سعی و کوشش کا صلہ ضرور ملے گا۔ فطری علاج کے طریقوں کی طرف میرے میلان سے تم واقف ہو۔ خود جرمنی میں بھی اس طریقِ علاج کے بہت سے مرکز ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کملا کی بیماری اس منزل سے گزر چکی ہو۔ مگر کوئی کیا جانے۔ میں ایسے بہت سے مریضوں کو جانتا ہوں جن کے لیے آپریشن تجویز کیا جا چکا تھا مگر ان کی بیماریوں نے فطری طریقِ علاج کا اثر قبول کیا۔ میں اپنا یہ تجربہ تم سے بیان کر رہا ہوں۔

دوسرے سال کا تاج پہننے کی نسبت تمھارا خط بڑا پُر لطف تھا تمھاری رضامندی پا کر مجھے مسرت ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے بہت سی مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ اور ملک کے لیے یہی صحیح ترین بات تھی جو توقع میں آ سکتی تھی۔ لاہور میں تمھاری صدارت اُس صدارت سے بالکل مختلف تھی جو اب لکھنؤ میں

ہوگی۔ میرے خیال میں لاہور کی صدارت ہر اعتبار سے نسبتاً ایک سیدھا سادہ سا آسان کام تھا۔ لکھنؤ کی صدارت کسی اعتبار سے ویسی نہ ہوگی۔ مگر ان حالات سے نپٹنے کی تم سے بہتر صلاحیت و قابلیت رکھنے والا کوئی دوسرا شخص میرے دھیان میں نہیں آتا۔ خدا اس بوجھ کے اُٹھانے کی تم کو پوری قوت عطا کرے۔

میں تمھارے بھیجے ہوئے ابواب پڑھ رہا ہوں اور اس تیزی کے ساتھ جو میرے لئے ممکن ہے۔ یہ ابواب میرے لئے نہایت ہی دل چسپ ہیں۔ اس وقت اس سے زیادہ مجھے کچھ نہ کہنا چاہیے۔

میرا یہ خط ہم سب کا پیامِ محبت تم سب کے لئے لے جا رہا ہے۔

باپو

۱۰۸۔ از سبھاش چندر بوس

پوسٹ لاگرنڈ، ہوف گسٹائن
۴ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہر،

تمھارے دوسری اور تیسری تاریخ ماہِ رواں کے خطوط ملے۔

فرائی برگ سرجن کی رپورٹ پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ مجھے قوی امید ہے کہ اُن کے فنِ طب سے مریضہ کو کچھ ایسی مدد ملے گی جس سے وہ اپنی پلورل تکلیف پر قابو پا لینے کے قابل ہو جائیں گی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تم نے مسز نہرو کو کسی اور جگہ لے جانے کے امکان سے متعلق اُن کی رائے لی یا نہیں۔ اگر تمھاری اس تکلیف میں کوئی خدمت میں کر سکتا ہوں تو مجھے امید ہے کہ مجھے بلانے میں تم کوئی پس و پیش نہ کرو گے۔

میری کتاب کی ایک غلطی تم نے مجھے بتائی اس کے لئے میں تمھارا شکر گزار ہوں۔ جیسا کہ تم کہہ رہے ہو یہ بالکل ممکن ہے کہ چند غلطیاں واقعاتی بھی ہوں مگر کوئی بڑی سنگین غلطیاں نہیں ہیں۔ بدقسمتی سے مجھے بہت بڑی حد تک اپنے حافظے ہی پر اعتماد کرنا پڑا۔ اور تاریخوں کے معاملے میں خصوصیت کے ساتھ میری راہ میں بڑی رکاوٹیں پیش آئیں۔ جس عہد کے متعلق میں نے لکھا ہے

اُس کے متعلق مجھے کوئی کتاب نہیں ملی اور نہ قرب و جوار میں کوئی ایسا شخص ملا جو میری مدد کر سکتا۔ پنڈت موتی لعل جی کی وفات کی ٹھیک تاریخ معلوم کرنے کے لئے میں نے اِک مدت تک بہت سر مارا مگر بے سود۔ طباعت میں بھی تمھیں غلطیاں نظر آئیں گی۔ (مطبع کا شیطان) یہ غلطیاں کسی حد تک ٹھیک طور پر پروف نہ پڑھنے کا نتیجہ ہیں۔ میں پروف صرف ایک بار پڑھ سکا، اور وہ بھی اِس طرح کہ بہت سے حصے میں نے بڑی عجلت میں پڑھے اس لئے کہ مجھے جلدی ہی ہندوستان واپس جانا تھا۔ مزید بریں کتاب بڑی تیزی کے ساتھ لکھی گئی اور ایسے وقت میں جب کہ میری صحت بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ میں ان تمام غلطیوں کی ایک یادداشت تیار کروں گا جو تم نے مجھے بتائی ہیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ضروری تصحیح کی جا سکے۔

میں اُس خط کی ایک نقل ملفوف کر رہا ہوں جو میں نے مانچسٹر گارجین کو بھیجا تھا۔ یہ خط پہلی اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

یہ خبر تمھیں پہنچ چکی ہوگی کہ حبش میں جنگ شروع ہو گئی۔ اب جو سوال رہ جاتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ آیا یہ جنگ اٹلی اور انگلستان کی جنگ بھی بن جاتی ہے یا نہیں۔

تمھارا محبت کیش

سبھاش

۱۰۹۔ از رابندر ناتھ ٹیگور،

شانتی نکیتن

۹ر اکتوبر ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہر لعل،

روزناموں میں ہم سب تمھاری بیوی کی علالت کی خبریں بڑی بے چینی اور فکر کے ساتھ پڑھتے اور رو بہ صحت ہونے کی کچھ امید افزا علامتوں کے منتظر رہتے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ ذہن و ارادہ کی جس حیرت انگیز قوت کا انھوں نے اپنی زندگی کے تمام انقلابات میں ثبوت دیا ہے وہ

قوّت اس علالت میں بھی اُن کے آڑے آئے گی۔ ازراہِ کرم میری پُرمحبت تمنائیں اُن کو پہنچا دو۔

ہر موسمِ سرما مجھے وشوابھارتی کے ذرائعِ آمدنی کی قلت بُری طرح یاد دلاتا ہے اِس لئے کہ یہی وہ موسم ہے جب مجھے فراہمی سرمایہ کے لئے باہر جانا پڑتا ہے۔ میرے لئے یہ دھندا ایک نفرت انگیز ابتلاء و امتحان ہوتا ہے۔ یہ بھیک مانگنے کا دھندا، خواہ وہ لوگوں کو اپنے یہاں بلا کر اُن کے لئے گرمیِ محفل کا سامان مہیّا کرنے کے روپ میں ہو خواہ اُن لوگوں کی فیّاضی سے اپیل کرنے کی صورت میں ہو، جن کو فیّاضی کہیں سے چھو بھی نہیں گئی ہے۔ میں یہ محسوس کرکے خوش ہونے کی کوشش کرتا ہوں کہ تحقیر و اہانت اور ہرزہ گردی کا جو پُرخار تاج میں بے چون و چرا اوڑھ لیتا ہوں یہ ایک شہادت ہے جو میرے نصیب میں آتی ہے۔ کیا میں اپنی تسلّی کے لئے اُن مصیبتوں کو اپنے ذہن میں نہ رکھوں جن کو تم اپنے اُس مقصدِ بلند کے لئے برداشت کر رہے ہو جس کو تم اپنی جان اور اپنی شخصی آزادی سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہو؟ مگر جو سوال میرے دماغ کو اکثر پریشان کیا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا یہ میرے اوقات کا کوئی صحیح مصرف بھی ہے کہ میں کنجوس سرپرستوں کی میزوں سے اُن کے لطف و کرم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو محنت کے ساتھ چنتے رہنے پر اپنی تمام قوّت صرف کر دیا کروں یا میرے حق میں یہ بہتر ہے کہ نااُمیدیوں اور مایوسیوں کا ذخیرہ جمع کرتے رہنے کی ذلّت و رسوائی سے دور رہ کر اپنے قلب و دماغ کو تازہ رکھا کروں؟ مگر یہ خیال شاید ناگواریوں سے جان بچا کر بھاگنے کا ایک بہانہ ہے۔ میں نے مہاتماجی سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنی آواز ہمارے لئے بلند کریں اور انھوں نے ازراہِ کرم میری یہ درخواست منظور بھی کر لی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن کے اثر و نفوذ سے جو کامیابی میسّر آنا ممکن ہے وہ اُس کامیابی سے کہیں بہتر ہوگی جس کے حصول کی امید میں کبھی کر سکتا ہوں۔ مجھے اِس بات کا ذکر تم سے ضرور کر دینا چاہیے کہ سر تیج بہادر سپرو نے بھی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

ازراہِ محبت عزیزہ اندرا کو میری یاد ضرور دلا دینا۔ مجھے امید ہے کہ کسی نہ کسی دن وہ ہمارے آشرم میں پھر آنے کا موقع پائے گی اور اُن چند مہینوں کی یاد تازہ کرے گی جو اُس نے یہاں گزارے تھے اور ہم لوگوں کو اپنی موجودگی سے مسرور کیا تھا۔

محبت کے ساتھ

تمہارا

رابندرناتھ

۱۱۰۔ از ای۔ اسٹاگڈن

وی کاریج، ہارو

۵ رنومبر ۱۹۳۵ء

محترم نہرو،

کیا اس کا کوئی موقع نکل سکے گا کہ آپ یہاں بھی آسکیں اور چاشت کا کھانا سنیچر کے دن ایک بجے یہاں تناول فرمائیں؟ آپ سے دوبارہ ملاقات کس قدر پرلطف ہوگی۔ میں آپ کی اُس زمانے کی ایک تصویر دکھاؤں گا جب آپ ہارو سکول میں ایک بچے تھے۔ آپ بہت خوب صورت تھے میرا "وکاریج" اُس پہاڑی کی چوٹی پر ہے جو بل یارڈ کے اوپر واقع ہے۔ میری بیوی آپ سے مل کر بہت ہی خوش ہوں گی۔

آپ کا مخلص

ای۔ اسٹاگڈن

یہاں اب میں ایک وکار ہوں۔ اسکول میں ماسٹر نہیں ہوں۔

۱۱۱۔ از ایچ۔ جے۔ لاسکی،

لندن مدرسۂ اقتصادیات وسیاسیات

لندن، ڈبلیو سی۔ ۲

۶ رنومبر ۱۹۳۵ء

نجی بصیغۂ راز۔

عزیزی نہرو،

مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہالیفکس سے ملنے اور ہندوستان کی صورتِ حال پر اُن سے گفتگو کرنے کے لئے آپ پر دباؤ ڈالا گیا ہے۔ مجھے امید کیا یقین ہے کہ جب تک ہالیفکس کی طرف سے اس غرض کے لئے خاص طور پر تحریری دعوت نہ آئے آپ ایسا نہ کریں گے۔

ورنہ مجھے کچھ ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ آسانی کے ساتھ غلط بیانیوں کے لئے موقع نکل آئے گا جو سخت نقصان پہنچائے گا۔

گرم جوش احترام کے ساتھ
آپ کا نہایت مخلص
ایچ۔ جے۔ لاسکی

۱۱۲- از سی۔ ایف۔ آنڈریوز

پمبروک کالج کیمبرج
۶ر نومبر ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہرلعل،

میں نے دونوں جلدوں پر کام شروع کر دیا تھا اور سُرخیوں کی مدد سے یہاں وہاں سے اقتباسات شروع کر دئے تھے مگر اب میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس کے ساتھ انصاف یوں ہی ہو سکتا ہے کہ میں پوری کتاب باقاعدہ پڑھ جاؤں اور تب میں اُس کی وہ تلخیص تیار کروں جو آلن اینڈ اَن وِن کو دینے کے لئے میرے خیال میں ایک عمدہ انتخاب ہو گا۔ میں حقیقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کام کو کر ڈالنا چاہیئے۔ اِیڈن برا آنے جانے میں تقریباً دو دن پورے ٹرین میں صرف ہوں گے اس اثنا میں آسانی کے ساتھ وقت مل جائے گا۔

شام کا پورا وقت میں نے اِن دونوں جلدوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے پر صرف کیا۔ اِن جلدوں سے اقتباس و انتخاب نہایت ہی دشوار ہو گا، اور پھر منتخب مواد کے لئے کوئی قرار واقعی موزوں نام تجویز کرنا بھی نہایت مشکل ہو گا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے اپنے خود نوشتہ حالات کا جو مواد آلن اینڈ اَن وِن کو دیا ہے اُس میں ہندوستان کی حال کی تاریخ پر آپ کے آراء و افکار کس حد تک آگئے ہیں۔ دیر سویر آلن اینڈ اَن وِن والے یقیناً مجھ سے رُجوع کریں گے۔ اور تب مجھے آپ کے مسودے پڑھنے کا موقع ملے گا جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ خود بھی مجھ سے اس کی خواہش کریں گے۔ بالکل فطری طور پر انتخاب و اقتباس کا یہ تمام کام اخیر میں آپ کے پاس واپس آئے گا، اور یہ بھی یہ نہایت ہی اہم بات کہ آپ خود محسوس کرلیں کہ آخری انتخاب واقتباس میں آپ اپنی اصل اور واقعی شخصیت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ آپ کی اپنی پسند ہو گی۔ میں صرف اپنی تجویزیں آپ کے سامنے رکھ سکتا ہوں۔

آپ کی اِس تصنیف سے ہندوستان کو بڑے قیمتی فائدے پہنچیں گے! جیساکہ میرا خیال ہے کہ میں نے پونا میں آپ سے عندالملاقات عرض کیا تھا، کہ سربرآوردہ ہندوستانیوں میں آپ تنہا وہ شخص ہیں جو اس بات کو وجدانی طور پر جانتے ہیں کہ مغرب کیسی باتیں آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا اور اُن کے معانی و مطالب پر حاوی ہو سکتا ہے۔ باپو کی نگارشوں کی بار بار تلخیص و تشریح کرنی پڑی اور ابتدا میں تو رومین رولان جیسے غیر معمولی طور پر اوّل درجے کے ذکی اور ذہین شخص ہی نے باپو کو مغرب کے لئے واقعی قابلِ فہم بنایا۔ اور جب اتنا ہو چکا تب میرے لئے کچھ اور آگے بڑھنا آسان ہو گیا۔ مگر باپو کو سمجھنا ہمیشہ ہی دشوار ہوا کرتا ہے۔ گرودیو بھی، جب وہ نظم سے ہٹ نثر کی طرف آجاتے ہیں، بہت دشوار فہم ہو جاتے ہیں۔ آج کل ڈاکٹر سیتارمیا کانگریس کی پچاسویں سال گرہ کے لئے کانگریس کی ایک تاریخ لکھ رہے ہیں، مگر انگریز پڑھنے والوں کے لئے یہ کتاب بھی ناقابلِ فہم ہی ہو گی! وہ فرض کر لیتے ہیں کہ بہت سے ہندوستانی لفظوں کے معنی لوگ پہلے ہی سے جانتے ہیں، دوسرے وہ بڑے طویل البیان ہیں۔ دوسری طرف میں نے جیسے ہی "جیل خانے کی کھڑکی سے" پڑھا تو یہ بات میرے لئے اتنی روشن اور صاف تھی، جتنا کہ کسی بات کا روشن اور صاف ہونا ممکن ہے، کہ یہ نگارش یورپ میں آسانی کے ساتھ قابلِ فہم ہے، اور

میں بہ یک نظر اس بات کو دیکھ سکتا ہوں کہ ان دو جلدوں میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اگر وہ سلسلے وار طریقے پر منتخب کیا سکے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ جب آپ باڈن وائلر واپس آئیں گے تو سخت محنت سے سابقہ پڑے گا! فوراً ہی نہیں: اس لئے کہ انگلستان میں جو وقت آپ گزاریں گے وہ آپ کی بہت سی قوت صرف کرا چکا ہوگا، اور ایسے انتخابی کام کے لئے آپ کو اپنی بہترین حالت میں ہونا ہوگا!

میں بہت زیادہ لکھ گیا ہوں: مگر اس سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ مجھے اس کام سے کس قدر عمیق دل چسپی ہے اور میں اس کام کو کس قدر اہم اور ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں جیسے ہی ایڈن برا سے واپس آؤں گا آپ کو باڈن وائلر کے پتے پر خط لکھوں گا۔ آپ کے ساتھ کیمبرج میں نہ ہونے پر بڑی مایوسی ہوئی۔ کچھ نو عمر ماہرین اقتصادیات ہیں جن سے میں آپ کو خاص طور پر ملانا چاہتا تھا۔ مگر جب آپ دوسری بار آئیں گے تب اس بات کا جان لینا اور بھی زیادہ آسان ہوگا کہ جو نو عمر یہاں موجود ہیں ان میں سب سے زیادہ کون اس قابل ہے کہ اس سے ملاقات کی جائے۔

آپ کا پُر از محبت

چارلی

۱۱۳۔ از سی۔ ایف۔ انڈریوز

پمبروک کالج، کیمبرج،

۷ر نومبر ۱۹۳۵ء

عزیزی جواہر لعل،

جب میں آپ کی تاریخ عالم پڑھ رہا تھا تب ایک اہم خیال میرے دماغ میں آیا، اور میرا جی چاہا کہ یہ خیال میں آپ کے سامنے رکھوں۔

(الف) وہ دو تمدن جنھوں نے حیوانی یا مادی قوت کو نامہذب اور سوقیانہ قرار دے کر ایک پست تر مقام دیا — یعنی ہندوستان اور چین — اپنے منتہائے عروج کے زمانے میں — ان دونوں پر زوال آیا اور دونوں

کو دبایا اور ستایا گیا، اور یہ اس لئے کہ ان دونوں میں کہیں کوئی بنیادی کمزوری رہ گئی تھی۔

(ب) وہ دو تمدّن جنھوں نے حیوانی یا مادّی قوّت کو قبول کیا—— یورپ اور اسلام —— یہ دونوں بھی زوال پذیر ہوئے مگر اور طریقوں پر اور جب امن دوست تمدّنوں میں کوئی کمزوری آئی تب ان مادّی قوّت کے قائل تمدّنوں نے ان کو مغلوب کرلیا۔

کیا کوئی ایسا امن دوست تمدّن وجود میں آسکتا ہے جو اپنی امن دوستی کے باوجود زوال پذیر نہ ہو اور جس کو زیادہ بہیمیت پرست قومیں دبا نہ سکیں؟ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے!

آپ نے شاید اس سوال پر کہیں بحث کی ہے۔ کتنا اچھا ہوتا اگر اس مسئلے پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کے ساتھ میں بھی کیمبرج میں ہوتا۔ غالباً یہ سوال خود بہت ہی عام سا ہے۔ باپو کا جواب میں نے "ہریجن" میں دیکھا ہے مگر میں حکیمانہ اور غیر متعین طور پر پورے ایک تمدّن کی نسبت غور کر رہا ہوں، کسی محدود شے کی نسبت کسی چھوٹے سے پیمانے پر غور نہیں کر رہا ہوں۔ کیا مسولینی کا یہ قول صحیح ہے کہ امن پسندانہ اصول اور عقیدے اخلاقی کمزوری تک لے جاتے ہیں؟

آپ کا پُراز محبّت

چارلی

اس وقت جواب دینے کی فکر نہ کیجئے گا، بلکہ بعد کو جب آپ مجھے خط لکھیں تب بتائیں کہ آپ کا کیا خیال ہے۔

۱۱۴۔ از لارڈ لوتھین،

۸۸، سینٹ جیمس اسٹریٹ، لندن ایس۔ ڈبلیو۔ آئی۔

۸ر نومبر ۱۹۳۵ء

محترم پنڈت جواہر لعل نہرو،

میں نے اپنے دوست، ایڈورڈ تھامپسن، سے سُنا ہے کہ آج کل آپ

انگلستان میں ہیں۔ کیا یہ ممکن ہوگا کہ میں آکر آپ سے ملوں یا آپ خود ہندوستان واپس جانے سے پہلے میرے ساتھ چائے نوش فرمائیں؟ میں کئی سال سے آپ کی نگارشیں اور آپ کے مقالے بہ غور پڑھ رہا ہوں اور اب میں اس بات کو بہت پسند کروں گا کہ ہندوستان کی صورتِ حال پر آپ سے گفتگو کروں۔ بدقسمتی سے آج کل میں عام انتخابات کی ہنگامہ خیزیوں میں تا بہ گلو غرق ہوں۔ آج شب میں مجھے کارنوال جانا ہے۔ اتوار کی صبح کو میں لندن سے گزروں گا مگر سہ شنبہ کی شام کو اور چہار شنبہ کی صبح کو یہیں ہوں گا۔ کیا ان دنوں میں سے کسی دن میں آپ سے مل سکتا ہوں، یا آپ نارفاک میں انگلستان کے تقریباً حسین ترین ایلز بیتھین گھر، 'بلک لنگ ہال' میں ایک رات گزارنے کی غرض سے یہاں آنا پسند کریں گے؟ میں وہاں اکیلا ہی ہوں گا، اور ہر شام کو دیہاتوں میں جاکر ایک انتخابی تقریر کرنے کے سوا مجھے کوئی دوسرا کام نہ ہوگا۔ اس مکان میں آپ کو بڑا پُر سکون آرام ملے گا۔ بڑا حسین ماحول ہے۔ سر تیج بہادر سپرو میرے ساتھ ہمیشہ یہیں آکر ٹھیرا کرتے ہیں۔ یہ مکان نارویچ سے پندرہ میل کی دوری پر ہے۔ میں ایک موٹر آپ کے لئے نارویچ بھیج دوں گا۔ بدقسمتی سے میرا دفتر کل بند ہے، مگر کوئی پیغام آپ وھائٹ ہال نمبر ۲۲۵۱ کو بھیجیں تو وہ مجھے اتوار کی صبح کو مل جائے گا، یا دوشنبہ کی صبح کو دس بجے کے بعد آپ واٹرلو پلیس میں میرے سکریٹری کو کسی وقت بھی پکڑ سکتے ہیں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو	آپ کا مخلص
ماؤنٹ رائل، ماربل آرچ	لوتھین
ڈبلیو۔ ۲	

۱۱۵۔ از لارڈ لوتھین،

بلک لنگ ہال، آیل شام، نارفاک

۶ر دسمبر ۱۹۳۵ء

محترم پنڈت جواہر لعل نہرو،

مجھے بڑی امید ہے کہ آپ کے ہندوستان واپس جانے سے پہلے ہمارے

لئے باہم گفتگو کر لینا ممکن ہو گا۔ بدقسمتی سے جنوری میں حسب قدر بھی جلد ممکن ہو میرا ریاستہائے متحدہ امریکا جانا طے ہے۔ اس لئے اب میں سوچ رہا ہوں کہ آغازِ سال میں آپ کے انگلستان میں ہونے کا کوئی امکان بھی ہے یا نہیں۔ اگر اس بات کا امکان ہے تو میری تجویز یہ ہے کہ آپ چند راتوں کے لئے مس اگاتھا ہیرسن کو ساتھ لے کر یہاں چلے آئیں۔ یہ مکان اور یہ باغ انگلستان کی خوبصورت ترین جگہوں میں سے ایک جگہ ہے، یہاں ہم لندن کی ہماہمی سے دور رہیں گے۔ کل لارڈ ہالیفکس سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر پنڈت جواہر لعل آرہے ہوں تو اُن کو بھی یارک شایر سے بلِک لنگ آنے اور رات وہیں گزارنے میں مسرت ہوگی۔

مجھے بڑی امید ہے کہ ہمارے لئے باہم ملنا ممکن ہو گا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کے حالیہ حوادث اور عام سیاسی مسائل سے متعلق ہماری رایوں میں بڑا اختلاف ہو گا، مگر خواہ وہ نفع کے لئے ہو خواہ نقصان کے لئے، ہندوستان اور انگلستان کی قسمتیں اب بھی گہرے طور پر باہم دِگر جڑی ہوئی ہیں اور میں محسوس کرتا ہوں کہ انگلستان میں ہم میں سے کچھ لوگوں کے لئے جو ہندوستان کے معاملات کا فکر رکھتے ہیں ہندوستان کے کچھ ایسے نوعمر لیڈروں کا شخصی طور پر جاننا نہایت اہم ہے جو آگے چل کر ہندوستان کے ذہن و دماغ اور اُس کی پالیسی کو کسی خاص سانچے میں ڈھالنے والے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو شخصی طور پر جاننا آپ کے لئے بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ مجھے اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ آج مشیتِ الٰہی کسی مہتم بالشان غرض و غایت کی تکمیل نوعِ بشری کے ہاتھوں کرانا چاہ رہی ہے۔ قدیم بین الاقوامی نظم اور پرانا اقتصادی نظام دونوں ٹوٹ رہے ہیں۔ اور جیسا کہ انقلابی ادوار میں ہمیشہ دیکھا گیا ہے، معدودے چند ہی اشخاص ایسے ہوا کرتے ہیں جو نئے نظامِ عالم کے ایک گوشے سے کچھ زیادہ دیکھ سکتے ہیں، یا نئے نظام تک رسائی پانے کا صحیح راستہ متعین کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کسی مسئلے پر باہم اتفاق اس قدر دشوار اور ترقی کی رفتار اس درجہ سست اور دردانگیز ٹکروں اور جھڑپوں سے

اتنی پُر ہوتی ہے۔ دوستانہ اور غیر رسمی شخصی ملاقاتیں کسی فوری اتفاق تک ہماری رہبری نہ بھی کریں تب بھی آگے چل کر مفاہمت کو ممکن بنا سکتی ہیں۔

اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ اُس وقت آپ کا انگلستان آنا ممکن ہوگا۔ میں فکرمند ہوں کہ اگر ہو سکے تو میں اپنا بحری سفر چوتھی جنوری سے آگے کے لئے ملتوی نہ کروں۔ اس لئے کہ پھر مجھے دس دن تک کوئی اچھا جہاز نہ ملے گا۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ میں پہلی جنوری کے قریب یہاں آجاؤں اور لارڈ ہالیفکس کو دوسری جنوری کو جمعرات کی شب کے لئے بلاؤں اور پھر ہم سب جمعہ کے دن سہ پہر میں لندن واپس چلے جائیں تاکہ میں دوسرے دن اپنا جہاز پکڑ لوں۔ یا مجھے بڑی مسرت ہو اگر آپ، مس ہارسین اور دوسرے اصحاب آخر ہفتے تک یہاں قیام کر سکیں۔ میں نے تو یہ امید باندھ رکھی تھی کہ آپ اپنی صاحبزادی کو بھی ہمراہ لائے ہوں گے مگر اب مجھے معلوم ہوا کہ اُن کو کہیں باہر جانا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ اپنے فیصلے کی اطلاع جس قدر جلد ممکن ہوگا دے سکیں گے یا نہیں تاکہ میں اپنے منصوبے متعیّن کر سکوں۔

آپ کا مخلص

لوتھین

جواہر لعل نہرو صاحب

پنشن ارہارٹ، باڈن وائلر

تکملہ: کیا آپ جرمنی جواب ۱۷ واٹرلو پلیس، لندن، ایس۔ ڈبلیو ۱ کے پتے پر بھیج سکیں گے۔

۱۱۶۔ بنام لارڈ لوتھین

پنشن ارہارٹ، باڈن وائلر

۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء

محترم لارڈ لوتھین،

آپ کا چھٹی تاریخ کا خط مجھے آج ہی ملا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہوائی ڈاک کے خطوط بھی اتنا وقت کیوں لے لیتے ہیں۔ بہ ہر صورت میں فوراً ہی

جواب لکھ رہا ہوں۔

میں آپ سے ملنے کا بہت آرزومند رہا ہوں، اور آپ کی مختلف نگارشیں جو مجھے مل سکی ہیں میں نے خاصی دلچسپی و انہماک کے ساتھ پڑھی ہیں۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کسی سوال پر آپ کے اندازِ بحث سے میں نے اپنے آپ کو آپ سے متفق نہیں پایا ہے اور نہ آپ کے ماخوذ و مستنبط نتیجے سے، مگر بایں ہمہ میں نے اُن کو اپنے حق میں ہمیشہ غور و فکر پر برانگیخت کرنے والا پایا ہے اور بعض اوقات تو میں نے اپنے آپ کو ایک حد تک آپ سے متفق بھی پایا ہے۔ ایسے لوگوں سے ملنا ہمیشہ وجہ مسرت ہوتا ہے جو غور و فکر کی نئی راہیں کھولتے اور دیکھنے والے کو اُس ننھے سے گوشۂ عالم سے جو ایک اوسط درجے کے انسان کی فکری و دماغی زد کے اندر ہوتا ہے کسی قدر زیادہ دیکھ سکنے میں مدد دیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ کا قول ہے کچھ ہی لوگ اِس تنگ یا چھوٹے سے گوشے سے زیادہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور آج کل کی درد انگیز ٹکریں اور جھڑپیں اُن کو یقیناً یہی تنگیِ اندازِ بحث و نظر بد سے بدتر بنا دیتی ہے۔ یہ تنگیِ اندازِ بحث ہمیشہ ہی قابلِ افسوس ہوتی ہے، مگر اِس موجودہ انقلابی دور میں تو یہ بہت زیادہ قابلِ افسوس ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ان ٹکروں اور جھڑپوں کو کوئی شخص صرف نیک نیت اشخاص کی باہمی دوستانہ ملاقاتوں کے منتر سے نابود کر سکتا ہے۔ یہ ٹکریں اور جھڑپیں صریحی طور پر زیادہ گہری ہیں اور جب اساسی اور بنیادی قوتیں باہم ایک دوسری سے ٹکرا رہی ہوں تو میرے خیال میں بہتر سے بہتر اشخاص بھی نسبتاً غیر اہم ہی پارٹ ادا کر پاتے ہیں۔ اپنے مقدور بھر ہم ان ٹکروں اور آویزشوں کے بنیادی اسباب و علل کے سمجھنے کی سعی و کوشش کر سکتے ہیں اور سمجھ کر اُن کے دُور کرنے کے جتن کر سکتے ہیں۔ مگر اپنے اپنے مخصوص تعصبات اور طبعی رجحانات اور فرقہ وارانہ مفادات سے علیحدہ رہ کر ان اسباب و علل پر غور کرنا انتہائی دشوار ہے۔ دل آویز ترین تبسم بھی ان پختہ اور رگ و پے میں جاری و ساری تعصبات اور طبعی رجحانات اور اُن مختلف عالمگیر نظریات کو جو ان تعصبات اور رجحانات سے پیدا ہوتے ہیں مغلوب و مفتوح نہیں کر سکتا پھر بھی دوستانہ

مُلاقاتوں اور صحبتوں کو فروغ دینے کی کوشش تو کی ہی جانی چاہیئے۔ اِن دوستانہ مُلاقاتوں اور صحبتوں کے بغیر تو دنیا اب سے بھی زیادہ ایک اُجاڑ اور بے کیف سی جگہ ہو جائے گی۔ یہ دوستانہ ملاقاتیں اور صحبتیں ایک ایسی فضا کے پیدا کرنے میں ایک حد تک یقیناً مدد دیا کرتی ہیں جو آگے چل کر مفاہمت کو ممکن بنا دیتی ہے، ان سے اشخاص اور جماعتوں کی تلخیاں کم ہو جاتی ہیں، اشخاص کے آفاقِ نظر وسیع ہو جاتے ہیں اور زندگی کی خاص مسرّتوں میں، ملنے جلنے کے قابل لوگوں سے ملنا جلنا بھی ایک خاص مسرّت ہے۔

یہ سب کچھ یقیناً اس قابل ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے اور اس لئے میں دل سے ایسی ملاقاتوں اور صحبتوں کا مؤید ہوں۔ ذاتی طور پر، اپنے محکم و راسخ تیقّنات کے باوجود، میں زندگی اور مسائلِ زندگی پر بحث و نظر کے طالبِ علمانہ انداز سے بے بہرہ نہیں ہوں۔ تحکّم و ادّعا مجھے برافروختہ خاطر کر دیتے ہیں وہ خواہ مذہبی عقائد سے متعلق ہوں خواہ سیاسی و اقتصادی مسائل سے متعلق ہوں اور میرا دماغ ہمیشہ اُس راہ کی جستجو میں رہا کرتا ہے جس پر مجھے گامزن ہونا چاہیئے۔ میں اپنی اس جستجو کو ہمیشہ جاری رکھنے کی کوشش کیا کرتا ہوں، میری یہ اُفتادِ طبع مجھے ایسی شخصی ملاقاتوں اور صحبتوں کو خوش آمدید کہنے پر اور بھی زیادہ آمادہ رکھا کرتی ہے۔ کتابیں میری مدد کرتی ہیں اور سالہا سال سے وہ میرے لئے ایک دائمی وجہِ تسکین رہی ہیں۔ مگر جو لوگ کہ کتابوں، افکار و آراء اور اعمال کی پشت پر ہوتے ہیں اُن سے شخصی ارتباط و انصال اپنے اندر ایک ایسی قوّت رکھتا ہے جو کتابیں بھی نہیں رکھتیں۔

میں آپ سے ملنا پسند کرتا مگر آپ کے دوستانہ اور خوش آیند خط نے میری اس خواہش کو تیز تر کر دیا اور مجھے آپ سے ملنے کا اور بھی خواہش مند بنا دیا۔ میں انگلستان کے دیہاتوں اور اُن کے خوب صورت مکانوں کو پسند کرتا ہوں اور بلک لنگ کی آپ نے جو انتہا درجے کی تعریفیں کی ہیں وہ میرے لئے بہت دل کش ہیں مگر حقیقت میں میں مکان کو نہیں دیکھنا چاہتا، خود صاحبِ مکان سے ملنے کا آرزو مند ہوں۔ میں لارڈ ہالیفکس سے بھی ملنا پسند کرتا،

اگرچہ مجھے یہ بھی صاف صاف آپ سے کہہ دینا چاہیے کہ گذشتہ بھیانک زمانے میں جو لوگ سرکاری طور پر حکومتِ ہند سے وابستہ رہ چکے ہیں اُن سے ملنے میں مجھے کسی قدر پس و پیش سا ہے۔ یہ زمانہ ہمارے لیے نفرت انگیز یوں سے پُر رہی، اور میرے لیے تو اس بات کا سمجھنا سخت دُشوار ہے کہ کوئی ذکی الحس شخص ایسی بربریّت کو برداشت کیوں کر کر سکا، اُسے پسند کرنا اور اُس کی منظوری دینا تو ایک طرف رہا۔ ہندوستان کی اچھی سے اچھی باتوں کے کچلنے اور مٹنے کا میں اتنا زیادہ ذِکر نہیں کر رہا ہوں۔ میں ذِکر کر رہا ہوں اُس طریقے کا جو کچلنے اور مٹنے میں برتا گیا۔ اس طرزِ کار میں جو ابتذال اور سوقیانہ پن تھا اور ہے اُس کا میں مشکل ہی سے تصوّر کر سکتا ہوں۔ اور اس معاملے میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انگلستان میں مشکل ہی سے کوئی شخص اس کو محسوس کرتا ہے یا مشکل ہی سے کسی شخص کو یہاں اس بات کا کوئی تصوّر بھی ہے کہ ہندوستان کے دل و دماغ پر کیا گزر رہی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بالآخر یہ تلخی باقی نہ رہے گی۔ مگر اس بے قابو اور بے اختیار کر دینے والے پسِ منظر کے ساتھ شخصی ملاقاتوں کا خیال دل میں لانا کچھ مشکل ہی سا ہے۔ جو شخص آپ کا گلا گھونٹ دینے کے جتن کر رہا ہو آپ کے لئے اس سے ہاتھ ملانا آسان نہیں ہے۔ باوجود ان باتوں کے مجھے یقین ہے کہ وہ وقت آئے گا جب ہم ہاتھ ملائیں گے، اور اب یہ ہمارا کام ہے کہ اُس وقت کو جلد لے آئیں۔ آپ کی تجویز سے اتفاق کر لینے اور آغاز جنوری میں آپ سے ملنے کی غرض سے خاص طور پر انگلستان واپس آنے کو بُری طرح میرا جی چاہ رہا ہے اور یہ آپ کی بہت بڑی نوازش ہے جو آپ اپنا امریکا جانا صرف مجھ سے ملنے کی غرض سے چند دنوں کے لیے ملتوی کر دینے پر آمادہ ہیں۔ مگر اپنے اس تمام شوقِ ملاقات کے باوجود میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے لیے ایسا کرنا اسی وقت ممکن ہو گا جب میں اپنے بہت سے انتظامات، جو کیے جا چکے ہیں، درہم و برہم کر دوں۔ ایسا نہ کر سکنے کی بڑی وجہ میری بیوی ہیں۔ میں نے اُن سے بالخصوص وعدہ کر لیا تھا کہ اس زمانے میں اُن کے پاس رہوں گا اور یہ اس لیے کہ

میری لڑکی بھی اسی زمانے میں ہمارے ساتھ ہوگی۔ یورپ کے دوسرے مقامات سے کچھ دوستوں کے آجانے کی امید ہے۔ علاوہ بریں اگر میں اوائل جنوری میں انگلستان جاتا ہوں تو میں اپنے منصوبے وارادے کے مطابق آخر ماہ میں پھر انگلستان واپس نہیں جا سکتا اور اس سے وہاں بہت سے دوستوں کو مایوسی ہوگی۔ میں غالباً شروع فروری میں ہندوستان جاؤں گا۔

اس لئے آپ کے امریکہ جانے سے پہلے آپ سے ملنے کا خیال مجھے افسوس کے ساتھ چھوڑنا پڑے گا۔ میرے لئے یہ بڑی محرومی ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ میں اواخر موسمِ گرما میں واپس آؤں۔ اگر میں ایسا کر سکا تو آپ جہاں بھی ہوں گے آپ کو ڈھونڈھ نکالنا میں اپنے پیش نظر رکھوں گا۔

مس آگاتھا ہیرسین مجھے لکھتی ہیں کہ آپ کے یہاں میں الکزینڈر فریزر سے بھی مل لیتا۔ اُن سے بھی نہ مل سکنا میرے لئے مزید رنج وافسوس کا سبب ہوگا۔ اس لئے کہ میں اُن کے مغربی افریقہ والے بے مثل کالج کے عمدہ اور نفیس کام کا مطالعہ دل چسپی سے کرتا رہا ہوں اگرچہ دور سے اور غیر واضح ومبہم طور پر۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

لارڈ لوتھین

۱۷۔ واٹرلو پلیس، لندن، ایس۔ ڈبلیو۔ ۱

۱۱۷۔ از لارڈ لوتھین،

سیمور ہاؤس،

۱۷۔ واٹرلو پلیس، لندن

ایس۔ ڈبلیو۔ ۱

نجی ۳۱ دسمبر ۱۹۳۵ء

محترم مسٹر نہرو،

آپ کے پُر از محبت خط کا بہت شکر گزار ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس وقت کوئی ملاقات قابلِ عمل نظر نہیں آتی۔ مگر مجھے امید ہے کہ آئندہ کسی

اور تاریخ میں اس کا کوئی موقع نکل سکتا ہے۔ اس اثنا میں میں ہندوستان اور برطانیہ سے متعلق اپنے چند افکار سپردِ قلم کر رہا ہوں جو میرے دماغ میں ہیں، شاید آپ اُن پر ایک نظر ڈال لینا پسند کریں۔

ہم اس وقت تاریخِ انسانی کے ایک بڑے تخلیقی دور کے وسط میں ہیں۔ اس وقت ہم ایک طرف تو انجمنِ اقوام کے نصب عین مقاصد کے نشان دادہ خط پر بتدریج اس غایت کی طرف بڑھ رہے ہیں کہ ہم پلہ وہم رُتبہ خود مختار حکومتوں کے درمیان ایک قانونی حکومت کا قیام عمل میں لا کر لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا جائے اور تنہا لڑائیوں ہی کا خاتمہ نہ کر دیا جائے بلکہ اُن مصائب کا بھی جو تقریباً لڑائیوں سے بھی بدتر ہیں یعنی باہم نفرتوں کا، خوف و اندیشے کا، شکوک و شبہات کا، جہالتوں کا، افلاس و ناداری کا اور بے روزگاری کا جو اس دَور کی فرماں روا اور خود مختار حکومتوں کے مزاج یا طوائف الملوکی سے وجود میں آتی یا اُس سے زور و قوت پاتی ہیں۔ دوسری طرف ہم اُن مطامحِ نظر کو حقیقت کا لباس پہنانے کی طرف قدم اُٹھا رہے ہیں جن کی تعبیر یا ترجمانی سوشیلزم یا اشتراکیت کے لفظ سے کی جاتی ہے، سوشیلزم یا اشتراکیت عبارت ہے اُس نظام سے جس کے ماتحت زمین اور اُس کی تمام پیداوار معاشرے یا سماج کے تمام افراد کے نفع کے لئے اُن خدمات کے تناسب سے کام میں لائی جائیں جو یہ افراد معاشرے یا سماج کی انجام دیں، پیداوار کی اس تقسیم میں ملکیتِ جائداد کے اتفاقی حادثے کا کوئی لحاظ یا اعتبار نہ کیا جائے گا اور نہ اس کے مطابق زمین اور زمین کی پیداوار کی تقسیم عمل میں آئے گی۔ دونوں حالتوں میں مقصد کی تکمیل کے لئے جو طریقے کام میں لائے جائیں گے وہ ایک طرف تو انجمن اقوام کے معاہدے سے بہت مختلف ہوں گے اور دوسری طرف آلاتِ پیداوار اور تقسیم پیداوار کو عمومی طور پر قومی ملکیت قرار دے دینے اور ان کا انتظام حکومت کے حوالے کر دینے سے بھی بالکل جُدا ہوں گے۔

ان مقاصد کی تکمیل میں ممکن ہے دسیوں سال یا شاید صدیاں لگ جائیں، اس لئے کہ کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس سے پیشتر کہ نئے قوانین

اور اُن کی تنفیذ کے لئے نئی مشینیں وجود میں لائی جا سکیں، طرزِ فکر اور اندازِ سیرت کی زیادہ گہری عادتوں میں ایک دور رَس تبدیلی پیدا کی جائے اور ذمّے داریوں کے لئے نئی استعدادیں "برروئے کار لائی جائیں"۔ مگر بالآخر یہ مقاصد پورے ہو کر ہی رہیں گے، اس لئے کہ ان مقاصد کا خواب بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے اگرچہ ان کی تکمیل کے ذرائع تک رسائی پانے والے اگر ہیں بھی تو وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

اس وقت برطانیہ اور ہندوستان کو مختلف پارٹ ادا کرنے ہیں۔ برطانیہ پُرانی شہنشاہیت کو چھوڑ رہا ہے اور عملی طور پر کوشاں ہے کہ ایک ایسا راستہ ڈھونڈھ نکالے جو اُس نراج یا طوائف الملوکی کو جو قوموں کو عام طور پر حقِ خود ارادیت دے دینے میں لازمی طور پر مضمر ہے، نئی جنگوں یا اک نئے طوفان شہنشاہیت پر منتہی ہونے سے بچالے۔ وہ عنقریب اس علمی سوال کے حل کرنے کی سعی و کوشش کا آغاز کرنے والا ہے کہ سوشیلزم یا اشتراکیت کو شخصی آزادی اور پہل کرنے کی حرّیت پسندانہ روایات کے ساتھ کیوں کر تطبیق دے۔ ہندوستان کے سامنے اپنی خود مختار حکومت کی ذمّے داری سنبھالنے اور معاشرتی اور اقتصادی اصلاحات کے لئے، جو نہایت ضروری ہیں، قوانین وضع کرنے کا عظیم الشان کام درپیش ہے اور یہ قوانین اس کو اس نہج پر وضع کرنے ہیں کہ اس کی وحدت و سالمیّت باقی رہے اور وہ یورپ کی طرح مذہبی اور قومی جنگوں کی طوائف الملوکی میں مبتلا نہ ہو جائے جو جدید تمدّن کے انحطاط اور زوال پذیری کا خاص سبب ہوئی۔

آپ مجھ سے سوال کریں گے کہ ہندوستان اپنے مقاصد کی تکمیل اُس دستورِ اساسی کے ماتحت کیوں کر کر سکتا ہے جو منظور ہو چکا ہے۔ یہ دستورِ اساسی یقیناً ناقص ہے، خصوصاً آپ کے زاویۂ نگاہ سے، مگر میں آپ سے یہ کہوں گا کہ آیا ہندوستان کے لئے اپنے مقاصد کی تکمیل اس دستور اور ان ترقیات کو چھوڑ کر جو اس میں لازمی طور پر مضمر اور سموئی ہوئی ہیں دوسری کس راہ سے ممکن ہے؟

بدقسمتی سے سیاسیات میں ہم میں سے کوئی بھی کسی صاف وسادہ سلیٹ سے کام کا آغاز نہیں کر سکتا۔ ہمیں ہمیشہ کام کا آغاز اُن واقعات سے کرنا پڑتا ہے جو تاریخ سے اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ سیاسی تدبّر کا کام یہ ہے کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ کس موقع پر اور کس وقت واقعہ اور تصوّریت یا تخیّل پرستی کے درمیان کہاں تک ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے۔ ہندوستان کے عوام کی ہیبت ناک غربت اور اس غربت کے نتائج اور اُس کے فوری علاج کی دشواری کے باوجود ہندوستان اس وقت جس ایک سب سے بڑے خطرے سے دوچار نظر آ رہا ہے وہ اُس کے نظامِ حکومت کا ٹوٹ جانا اور اُس کی دستوری وحدت کا درہم و برہم ہو جانا ہے۔ اس سے بھی بڑا خطرہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ برطانیہ یا کسی دوسری طاقت کی بالادستی و تسلّط قبول کر لیا جائے۔ ہندوستان اگر ایک خود مختار جماعت کی حیثیت سے اپنی اندرونی وحدت باقی رکھنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہی نہ ہو تو اور بات ہے ورنہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کے پیشِ نظر یہ دوسرا خطرہ نابود ہو چکا ہے۔ ان دو چیزوں میں پہلی خود ہندوستان کی قومی تحریک کی قوت ہے اور دوسری انگلستان کے کٹّر قسم کے رجعت پسندوں کے علی الرغم برطانیۂ عظمیٰ کا یہ فیصلہ کر لینا کہ قوّت و اقتدار کی آخری کُنجیاں، اُس دستوری ایکٹ کے ذریعے جو گزشتہ ماہ اگست میں منظور ہوا، ہندوستانیوں کو منتقل کر دی جائیں۔ میں جن دلائل کی بنا پر دستور کی یہ تشریح کرتا ہوں وہ میں نے اپنے اُس مقالے میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دئے ہیں جو میں نے ہندوستان کے رسالۂ بیسویں صدی کے لئے لکھا تھا (جس کی ایک نقل میں اس خط کے ساتھ ملفوف کرنے کی جرأت کرتا ہوں) ان دلائل کو میں یہاں نہ دُہراؤں گا۔ مگر پہلا خطرہ اب بھی باقی ہے۔ دُنیا کے باقی حصّوں میں جو تجربے ہو چکے ہیں اگر اُن کو سرتاسر غلط ٹھیرا دیا جائے تو اور بات ہے، ورنہ ہونا یہ ہے کہ جب قوّت و اقتدار ہندوستان میں سیاسی طبقوں کے ہاتھوں میں آ جائے گا اور جب تعلیم اور پریس اپنے اثرات بڑھا لیں گے تب مذہب، قومیّت اور زبان روز افزوں

سیاسی اہمیت و قوت اختیار کرلیں گے اور عملاً روز افزوں طور پر انقسام پذیر ہوں گے۔
آج بھی ہندوستان میں عوام پر سب سے زیادہ قوی اثر مذہب کا ہے جیسا کہ یورپ میں وہ اُس زمانے میں تھا جب نشاتِ ثانیہ اور تحریکِ اصلاح کے زیرِ اثر قرونِ وسطیٰ کا کیتھولکی چرچ اور روما کی مقدس شہنشاہی کا اقتدار انحطاط پذیر ہوا اور اُس کی یہ قوت اور یہ ہمہ گیر تاثیر اُس وقت تک برقرار رہی جب تک کہ سائنس، تعلیم اور انقلابِ فرانس کی جلو میں آنے والے افکار نے نئی سیاسی اور اقتصادی پابندیوں کا احساس پیدا کر کے مذہب کے سیاسی اقتدارِ اعلیٰ کی بنیادیں کھوکھلی نہیں کر دیں۔ پورے سو برسوں تک اُن خون آشام لڑائیوں کے طفیل جو بیشتر کیتھولکی اور پروٹسٹینٹی آویزشوں پر مبنی تھیں یورپ خون کی ندیوں میں ڈوبا ہوا رہا، (جرمنی کی آبادی تین کروڑ سے گھٹ کر پچاس لاکھ رہ گئی) اور جب اِس خوں ریز دور سے نکلا تو پھر اُس کو اِک ایسے ہی دوسرے دور سے سابقہ پڑا اور وہ پھر خون میں ڈوب گیا۔ پہلے تو اُن لڑائیوں کے سبب جو مختلف سلطنتوں یا بادشاہتوں کے درمیان برپا ہوئیں اور جنھوں نے شاہنشاہ اور پوپ کو اُن کی گدیوں سے اُتار دیا اور پھر اُن قوم پرستانہ لڑائیوں کے سبب جو قومیت اور زبان پر مبنی تھیں۔ مجموعی طور پر ان لڑائیوں اور خانہ جنگیوں نے یورپ کی قدیم وحدت کو قطعاً تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور اُس کی جگہ بحری محاصل کی فہرستوں، جنگی تیاریوں اور لڑائیوں کی ایک طوائف الملوکی سی پیدا کر دی ہے جو یورپ کے اخلاقی زوال و انحطاط کی اصل بنیاد ہے۔ ان تخریبی قوتوں کے عمل کی آخری صورت آیرلینڈ میں دیکھی گئی جہاں انگلستان کو بالآخر مجبور ہو کر آیرستان کو ریاستی خود مختاری کا رُتبہ دے دینا پڑا، پھر بھی مذہب اور مذہب کے ساتھ قومیت کے جذبے نے شریک ہو کر اسکاٹش پروٹیسٹنٹ السٹر کو کیلٹک رومی کیتھولیکی آئرستان سے سیاسی طور پر جُدا کر ہی دیا۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں اقتصادی عامل یا مؤثر کو نظر انداز کر رہا ہوں ——— مارکس کا نظریہ۔ میرا خیال ہے کہ میں ایسا نہیں کر رہا ہوں۔ مارکس نے تاریخ کی مادی اور اقتصادی توجیہہ و تعبیر بہت بڑھا چڑھا کر کی ہے اِقتصادی

عوامل اس عہد کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی غور و فکر پر بہت عمیق اثر ڈال رہے ہیں بلکہ کسی حد تک اُسے اپنی گرفت میں رکھتے ہیں پھر بھی یہ عوامل لازمی اور بنیادی طور پر ثانوی درجے کے ہیں۔ سرمایہ داری زراندوزی کی ترغیب ضرور دیتی ہے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ معیارِ زندگی کو بھی بہت بلند کر دیتی ہے۔ وہ بین الاقوامی طوائف الملوکی کی بُرائیوں کو بڑھا بھی دیتی ہے مگر اُس کو پیدا نہیں کرتی۔ وہ مقابلے اور مسابقے کی اسپرٹ پیدا کر سکتی ہے مگر وہ اندرونِ ریاست خانہ جنگیوں کو جنم نہیں دیتی۔ بہرصورت میرے خیال میں اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ عملی سیاسیات میں سیاسی تغیّر و ارتقا کی منزل پہلے آتی ہے ـــــ بہ استثنار روس کے بالکل ہی غیر معمولی حالات کے جب کہ روس کی ناکارہ و فرسودہ زارشاہی کو ایک بیرونی غنیم کے مقابلے میں شکست کھانے کے ساتھ ساتھ ایک اندرونی انقلابی تحریک سے بھی دوچار ہونا پڑا جس کی قیادت و رہبری غیر معمولی قابلیت کے ساتھ کی جا رہی تھی اور جس نے زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی پارٹی کی آمریت ایسی ترکیبوں اور چالوں سے مسلط کر دی جن سے اُس زمانے میں انسانیت آشنا نہ تھی اور یہ سب کچھ اُس ملک میں ہوا جہاں عملاً کوئی طبقہ متوسط نہ تھا۔ اس ایک واقعے کو چھوڑ کر عام طور پر لوگ شعوری اقتصادی مقاصد و محرّکات سے متاثر ہونے سے پہلے اُن سیاسی مقاصد و محرّکات سے متاثر ہوتے ہیں جو مذہب، قومیت یا زبان پر مبنی ہوتے ہیں۔ یورپ کی تاریخ انقلابِ روس سے لے کر اب تک برابر یہی رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ بائیں بازو نے اب یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ جب انقلابی طرزِ کار ایک بار جمہوری و آئینی شاہراہ کھود کر پھینک دیتا ہے تب اقتصادی مقاصد و محرّکات اگرچہ ان دوسرے مقاصد و محرکات کی جگہ لینی شروع کر دیں، تاہم فتح جس مسلک کے حصّے میں آتی ہے وہ فاشستی مسلک ہوتا ہے نہ کہ اشتمالی۔

اگر ہندوستان نے آئینی شاہراہ مسترد کر دی تو مجھے یہ بات ناگزیر سی دکھائی دے رہی ہے کہ وہ یورپ کے نمونے کی اتباع کرے گا اور مذہبی لڑائیاں شروع ہو جائیں گی اس لئے کہ طبقۂ عوام میرے خیال میں اب بھی مذہبی جذبات

سے متاثر ہوگا۔ جب ان جذبات میں ایک بار سیاسی مقاصد کے لئے ہیجان پیدا کر دیا جائے گا اور ان لڑائیوں سے وہ ایک وحدت کی شکل میں باہر نہ آئے گا بلکہ وہ یورپ کے نمونے پر متعدد آمرانہ ریاستوں میں منقسم ہوگا جو قومیت اور زبان کی بنا پر باہم جُدا ہوں گی اور فوجی اور اقتصادی دونوں اعتبار سے سرتاپا مسلّح ہوں گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اُن کے داخلی ترقّی کے کام تمام تر مفلوج ہو کر رہ جائیں گے یا وہ ایک بار پھر کسی بیرونی شہنشاہیت پرست طاقت کے تسلّط و غلبے کا شکار ہو کر رہ جائے گا جیسا کہ چین میں ہو رہا ہے۔ بعض اوقات لوگ یہ کہہ دیتے ہیں ــــــ خود مہاتما جی نے مجھ سے ایک بار فرمایا ــــــ کہ تباہی کا راستہ آگے بڑھنے کا بہترین راستہ ہو سکتا ہے۔ ایسے زمانے بھی آ سکتے ہیں جب یہ مقولہ صحیح ثابت ہو جائے، مگر میرا ایمان ہے کہ ایسے زمانے شاذونادر ہی آیا کرتے ہیں اور تب ہی آیا کرتے ہیں جب کوئی دوسری راہ امید کی نہیں رہ جایا کرتی۔ یہ بالکل درست ہے کہ اگر حکومتِ ہند بیٹھ گئی اور ناگزیر حریف فوجیں ظہور میں آنے لگیں اور ہندوستان بھی اُنہی حالات سے گزرنے لگا جن سے چین گزر رہا ہے ــــــ اگرچہ ہندوستان جن حالات سے گزرے گا وہ چین کے حالات سے بدرجہا بدتر ہوں گے اس لئے کہ چین کے مقابلے میں مذہب، قومیت اور زبان کے اختلافات ہندوستان میں زیادہ ہیں ــــــ تو کچھ معاشرتی اور اقتصادی خرابیاں ضرور دور ہو جائیں گی۔ لیکن یہ زمانے یا ایسے زمانے قوموں کی ابتدائی روایات، شستگیاں اور شائستگیاں اور عادتیں، سب ہی کچھ تباہ کر دیتے ہیں جیسا کہ جنگِ عظیم کے زمانے میں ہوا اور بغیر ان چیزوں کے کوئی شائستہ و متمدّن زندگی ــــ اشتراکی یا انفرادی ــــ تعمیر نہیں کی جا سکتی اور یہ چیزیں صرف اُس وقت نشوونما پاتی ہیں جب ترقی کی جدوجہد، وہ معاشرتی ہو یا سیاسی، آئینی و دستوری خاکوں کے اندر ہوتی ہے، نہ کہ لڑائیوں کے میدانوں میں۔

میرا خیال ہے کہ بزرگ ترین سیاسی شخصیت جو دنیا منصۂ شہود پر لائی ہے وہ ابراہام لنکن کی ہے۔ وہ عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا شدید جذبہ

رکھتے تھے مگر انھوں نے دیکھا کہ ریاستہائے متحدہ میں سب سے بڑا سوال غلامی کا نہیں ہے بلکہ وحدت واتحاد کا ہے۔ اگر اتحاد باقی نہ رہا تو نہ صرف یہ ہوگا کہ غلامی باقی رہے گی بلکہ یورپ کے نمونے پر خود امریکہ بھی چند قومی ریاستوں میں بٹ کر رہ جائے گا اور ہر ریاست، یورپ سے مختلف قومی اور لسانی عناصر اپنے یہاں کھینچ بلائے گی اور بحری محصولوں کی فہرستیں اور جنگی تیاریاں بیچ میں حائل ہوکر ایک ریاست کو دوسری ریاست سے جدا کر دیں گی اور اس طرح محرومی وناکامی، افلاس و ناداری اور آئے دن کی لڑائیوں کا شکار ہوکر رہ جائیں گی اور منرو کا قائم کردہ اصول اور جمہوریت کا وہ عظیم الشان تجربہ جس کا آغاز ۱۷۸۷ء میں کیا گیا تھا دونوں ختم ہوکر رہ جائیں گے۔ اس لئے ابراہام نے غلامی کے سوال پر لڑنے سے انکار کر دیا اور اپنی جدوجہد کو صرف اتحاد کے بچا لینے پر یہ سمجھ کر مرکوز کر دیا کہ اگر اتحاد بچا لیا گیا تو نہ صرف مذکورۂ صدر مہلک برائیوں ہی سے نجات مل جائے گی بلکہ خود غلامی کا بھی ناگزیر طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔

میرا خیال تو یہ ہے کہ ہندوستان کے لئے سب سے اہم اور دنیا کے لئے اہم ترین سوالوں میں سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان اپنی نجات کے لئے بنیادی طور پر جمہوری و دستوری وفاق کے ساعی ہوتا ہے یا تباہی و بربادی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ پہلی راہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو خود اس کے تمام اداروں کی روح ہندوستانی ریاستوں کو بہ تدریج دستوری و آئینی بادشاہتوں کی شکل میں تبدیل کر دے گی، فرقہ پرستی اور قومی ولسانی تعصبات کو حبِ وطن اور خدمتِ وطن کے جوش سے گھلوا کر رکھ دے گی اور ملک کو اس قابل بنا دے گی کہ وہ اپنی خود مختار حکومت کو پورے طور پر خود سنبھال لے اور اشتراکیت اور معقول انفرادی آزادی کے اجتماع کو ممکن بنا لے۔ لیکن اگر ہندوستان اپنی دستوری وحدت کھو دیتا ہے تو پھر سب کچھ کھو گیا۔ وہ ایک عمیق غار میں گر پڑا، ایک قوم کی حیثیت سے اس نے اپنی انفرادیت کھو دی اور اپنی قسمت اپنے قابو میں رکھنے کی استعداد ضایع کر دی۔ حکومت کے بغیر نہ خود مختاری ہوگی اور نہ اشتراکیت۔

مگر آپ پھر یہ سوال کریں گے کہ ایک ایسے دستورِ اساسی کو بنیادِ کار بنا کر جو فرقہ واریت پر مبنی ہو، جو ایسے بے شمار تحفّظات پر مبنی ہو جو برطانیۂ عظمیٰ کے ہاتھوں میں ہوں گے اور جو ہر مفادِ مستقل و حقِ ملکیت کے تحفّظ و استحکام پر مبنی ہو، ہندوستان کے لئے کیوں کر ممکن ہوگا کہ وہ حقیقی اندرونی وحدت کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے، اپنی خود مختار حکومت کی ذمّے داریاں سنبھالے اور اندرونِ ملک ایسی داخلی معاشرتی اور اقتصادی اصلاحات نافذ کرے جو اُس کے امن و آشتی اور سچّی خوش حالی کے لئے ناگزیر ہیں؟ میرے جوابات دو ہیں۔ اوّلاً، میں نہیں سمجھتا کہ جب تک کانگریس اس حیثیت میں نہ ہوتی کہ جملہ اختیاراتِ حکومت خود اُس کے ہاتھوں میں ہوتے اور وہ اپنی تمام مخالفتوں کو دبا کر اپنے احکام کی تعمیل کرا لینے کی قوّت و طاقت اپنے اندر رکھتی اور اپنی اس حیثیت سے کوئی دستورِ اساسی اپنی صوابدید کے مطابق خود ہی ترتیب دلوا سکتی تب تک کوئی دوسرا دستور جو موجودہ دستور سے اصولاً مختلف ہوتا ممکن بھی تھا۔ آپ مجھ سے بدرجہا زیادہ بہتر پوزیشن میں ہیں کہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ آیا کانگریس ایسی باقوّت مرکزی تنظیم ہے جو یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ ایک اجنبی دشمن قسم کی قوم پروری سے کام لے کر اجنبی حکومت سے پیچھا چھڑا لے یا، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ برطانوی راج یک بہ یک ہندوستان سے غائب ہو گیا، تو اس صورت میں کیا کانگریس کو مسلمانوں کی، رجواڑوں کی، جاگیردار طبقوں اور عوام کی ایسی اور اتنی وفاداری حاصل رہے گی کہ وہ ایک کل ہند حکومت آئینی و دستوری خطوط پر چلا جائے؟ میرا اپنا تاثر تو یقیناً یہ ہے کہ کانگریس کسی زمانے میں بھی پورے ملک میں کوئی حرّیت پسندانہ دستور، فرقہ واریت، رجواڑوں اور جاگیرداروں کو اُسی قسم کی مراعاتیں، خواہ وہ تفصیلی کی بجائے اصولی ہی طور پر کیوں نہ ہوں، دئے بغیر جو اِس موجودہ دستور میں ملحوظ رکھی گئی ہیں، مستقل بنیادوں پر قائم کر ہی نہیں سکتی تھی اور اگر اس نے قوّت و تشدّد کے بل بوتے پر اپنا اقتدار قائم رکھنے کی کوشش کی ہوتی تو وہ خانہ جنگیوں سے دوچار ہوتی اور اُس کو دو صورتوں میں سے ایک صورت کے

اختیار کرنے پر مجبور ہو جانا پڑتا: یا تو وہ پولیس اور فوج کی قوّت کے سہارے کوئی آمریّت قائم کرتی اور تشدّد آمیز جبر کی وہ تمام صورتیں اختیار کرتی (جن کو آپ خود بھگت چکے ہیں)، جو ہر مطلق العنان حکومت کی طینت میں داخل ہیں اور یا وہ ہندوستان کی وحدت قائم و باقی رکھنے کی کوشش ہی سرے سے چھوڑ دیتی۔ اس لئے میرے خیال میں، جہاں تک سیاسیات کا عملی تعلق ہے، موجودہ دستور اساسی کے سوا اُس کی موٹی موٹی اور اصولی باتوں میں کسی دوسرے متبادل دستور کا تصوّر ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میرا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس دستور میں اوّل تو غیر محدود ترقی کی گنجائش موجود ہے، دوسرے اُن تمام عیوب و نقائص کے ساتھ، جو یقیناً آپ کو اس میں ملیں گے، یہ دستور بہترین ممکن الحصول راستہ ہے جس پر گامزن ہو کر ہندوستان کی ترقّی پذیر سیاسی اور معاشرتی قوّت اپنے تجربے اور اعصاب میں جو حکم رانی اور معاشرتی و اقتصادی اصلاح کے لئے ضروری ہیں وسعت و صلابت پیدا کر سکتی ہے۔ میں اس خط میں اُن دلائل کا اعادہ نہ کروں گا جن کی بنا پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ راہ بالکل کھلی ہوئی ہے جس پر چل کر جس تیزی اور سرعت کے ساتھ ہندوستان اپنی سیاسی پارٹیوں اور آئینی عادتوں میں وہ استحکام اور عقل و تمیز پیدا کر لے گا جو پورے ہندوستان کی حکومت اور دفاع کا بوجھ اُٹھا لینے کے لئے کافی و وافی ہو اُسی تیزی اور سرعت کے ساتھ وہ اُس آزادی کو بھی حاصل کر لے گا جو فرمانِ ویسٹ منسٹر میں اُس کے لئے قرار دی گئی ہے۔ یہ دلائل پوری شرح و بسط کے ساتھ میرے بیسویں صدی والے مقالے میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ میں یہاں صرف اتنا اور اضافہ کروں گا کہ عبوری دَور کے ابتدائی مراحل میں اتنے وسیع ملک کی حکومت کو ٹوٹنے سے بچانے میں یہ تحفظات خواہ کتنی ہی بڑی اہمیت رکھیں مگر آگے چل کر وہ ایک یونیورسٹیوں اور عوام پسند اخباروں سے بھرے ہوئے ملک میں سیاسی رائے عامّہ اور سیاسی تنظیم کا حملہ اور اُس کا یہ مطالبہ رد کر دینے کی تاب شاید نہ لا سکیں گے کہ ذمّے داریاں ایسی وزارتوں کو منتقل کر دی جائیں جو عوام کی

منتخب کردہ مجالسِ قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوں ـــــ بہ شرطیکہ یہ وزارتیں اور یہ قانون ساز مجالس حکومت کے ابتدائی فرائض کے انجام دینے کی معقول صلاحیت و اہلیت رکھتی ہوں۔ یہ تحفّظات اِس انتقالِ ذمّے داری میں ممکن ہے، کہ کسی قدر تاخیر پیدا کر دیں مگر وہ اُس کو روک نہیں سکتے۔ ذمّے دار حکومت کی تاریخ ہر جگہ اس امر کی شہادت دیتی ہے۔

مزید بریں، دستورِ اساسی اُن سیاسی پارٹیوں کو نشوونما اور ترقّی کی پوری آزادی اور موقع دیتا ہے جو ملک کی سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اصلاح سے سروکار رکھتی ہیں اور آئینی اور دستوری مشین کو قوّت و طاقت بخشنے میں قوّتِ محرّکہ کا کام دیتی ہیں۔ ایسی سیاسی جماعتوں کے لئے دستور ایک کافی عوامی بنیاد بھی مہیّا کر دیتا ہے جس کی اساس پر وہ کام کرنا شروع کر سکتی ہیں اس لئے کہ چالیس فی صدی سے زیادہ بالغ ذکورِ آزادی کو حق رائے دہندگی مل جائے گا۔

پھر خود دستور کے اندر آئینی طریقوں سے ترقی کے غیر محدود امکانات موجود ہیں۔ ذمّے دار حکومتوں کے نظام کے ماتحت انتہائی اصولی تبدیلیاں بھی، کم از کم اختیارات اور ذمّے داریوں کے نئے ہاتھوں میں منتقل کر دینے کے معاملے میں، دستور کے لفظ و عبارت میں ردّ و بدل کرنے کے بجائے معہود رسم و رواج اور طرزِ عمل میں ردّ و بدل کے ذریعے کر دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر اس مُلک میں پارلیمنٹ کے اقتدار کا قیام، نیز سمندر پار کی خود مختار ریاستوں کا قیام تمام تر اس طرح عمل میں آیا کہ "صلاح و مشورہ" کو بتدریج احکام کا رُتبہ دے دینے کا رواج پڑ گیا۔ مزید برآں وہ طریقہ یا نظام جس کی رو سے اِس ملک میں دستور کی عبارت میں کوئی ردّ و بدل صرف پارلیمنٹ ہی کر سکتی ہے قومی غیرت و خودداری کی نظر میں قابلِ اعتراض سہی مگر وہ کچھ عملی فائدے بھی رکھتا ہے۔ تمام اساسی دستوروں کے لئے بڑی دُشواری ایک ایسے ذریعے کی فراہمی رہی ہے جس کی رُو سے اُن میں کوئی ردّ و بدل پارٹیوں کی معمولی سیاست بازیاں نہ کر سکیں، بلکہ اُن میں ردّ و بدل اُسی وقت کیا جا سکے جب

واقعی پوری قوم اُس کا مطالبہ کرے۔ جو دستور بڑی آسانی کے ساتھ پارٹیوں کی سیاست کے ہاتھوں بدلے جا سکتے ہیں اُن میں ٹوٹ پھوٹ کر درہم و برہم ہو جانے یا آمریت کے قالب میں ڈھل جانے کا رُجحان موجود ہوتا ہے اور جو دستور سخت بے لوچ اور بے لچک ہوتے ہیں وہ حقیقی اور واقعی معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے راستے میں سنگِ راہ بن جاتے ہیں۔ جس نظام نے ریاستی آزادی کے ارتقا کو نشوونما دی ہے اُس نے اس سوال کو — عملاً — بڑی خوبی کے ساتھ حل کر دیا ہے اس لیۓ کہ اس نظام کی رو سے تبدیلیاں آسانی کے ساتھ کی جا سکتی ہیں مگر صرف اُسی وقت جب ان تبدیلیوں کو پوری قوم کی رضامندی جیسی کوئی چیز حاصل ہو اور اُن کی بنا کسی ایک پارٹی کی جیت پر نہ ہو۔

اس لیۓ میں اس واقعے کو نہایت ہی اہم قرار دینے میں کوئی مبالغہ نہیں کر رہا ہوں کہ ۱۷۸۷ء کے ریاستہاۓ متحدہ کے نمونے پر آج ہندوستان کو بھی ایک ایسے تحریری دستور کی بنیاد پر اپنی خود مختارانہ زندگی شروع کرنے کی راہ پر ڈالا جا رہا ہے جس کو اُس کی ترقی پذیر ضرورتوں کے مطابق آسانی کے ساتھ، مگر حد سے زیادہ آسانی کے ساتھ نہیں، کسی قالب میں بھی ڈھالا جا سکتا ہے۔ آج دستوروں کا استخفاف ایک فیشن بن گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پوری دنیا کے لیۓ ایک ہی عالم گیر دستور نہ ہونے کے سبب — جو وقت کی ایک مرکزی ضرورت ہے — ریاستوں اور حکومتوں کی داخلی طوائف الملوکی نے کچھ ایسی بے روزگاری، خانہ جنگیاں اور آمرانہ طرز کی حکومتیں پیدا کر دی ہیں کہ یکے بعد دیگرے تمام ملکوں میں دستوری حکومتوں کا چلنا ناممکن سا ہوتا جا رہا ہے۔ ہندوستان کے لیۓ نہایت اہم اور ضروری ہے کہ وہ اپنی وحدت و سالمیت کھو کر طوائف الملوکی اور خانہ جنگیوں کے اس گردابِ بلا میں نہ جا پڑے۔

اِس بنا پر میرا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے لیۓ سب سے اہم اور ضروری چیز دستورِ اساسی کی کوئی خاص شکل و صورت نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ ایک طاقت ور، تعمیری اور تخلیقی احزابی زندگی کو نشوونما دے —

کم از کم دو۲ پارٹیاں ایسی ہوں جن میں سے ہر ایک پارٹی کو مُلک کے ہر حصّے اور ہر طبقے سے اتنے ہم نوا مل سکیں کہ ہندوستان کی حکومت کا بارِ گراں اُٹھا لینا اُس کے امکان میں ہو۔ قوموں کے اندر سیاسی ارتقا کی قوت اور معاشرتی و اقتصادی اصلاح کی استعداد اُن کشمکشوں کی راہ سے آیا کرتی ہے جو بلند خیالی اور رجعت پسندی، بے ایمانی اور پاک سیرتی، جذبۂ خدمتِ خلق اور ذاتی اور شخصی منفعتوں کی پرستش کے درمیان ہر پارٹی کے اندر داخلی طور پر نیز مختلف پارٹیوں کی باہمی جنگ و جدل کی صورت میں برپا ہوا کرتی ہیں (یہ جنگ و جدل اگرچہ آئینی اور دستوری ہوا کرتی ہے مگر شدت و ہنگامہ خیزی میں کچھ کم نہیں ہوا کرتی) اور اُس فیصلے کی راہ سے جو رائے دینے والے ان پارٹیوں کی نسبت صادر کیا کرتے ہیں۔ فرقہ واریت اور جداگانہ انتخابات کا خاتمہ، ریاستوں میں نمایندہ اداروں اور تنظیموں کا ارتقا، ایک صحیح معنوں میں ہندوستانی فوج کا ظہور، برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان اقتصادی تعلقات کا ازسرِ نو ترتیب دیا جانا، عام لوگوں کے معیارِ زندگی کا بلند کیا جانا، مستقل مفادات کے خلاف روک ٹوک کی صدا کا بلند کیا جانا، اور ایک ایسی قوت کا ظہور پذیر ہونا جو اَونے پَونے کسی نہ کسی طرح صرف ووٹ حاصل کر لینے کے رجحان کو روک سکے، یہ تمام باتیں بھی ایک اجتماعی ذہنیت تیار کر کے ایسی ہی پارٹیاں بروئے کار لا سکتی ہیں جن کو نظم و ضبط کی وہ تربیت مل چکی ہے جو حکومت کی ذمے داریاں اپنے کندھوں پر لیے رہنے اور اپنے وعدوں اور نصب عین کو پورا کر دکھانے سے حاصل ہوا کرتی ہے۔ ہندوستان کے آخری مستقبل کی نسبت کوئی کچھ ہی رائے رکھتا ہو، اس وقت سب سے اہم اور ضروری امر یہ ہے کہ ہندوستان کے نوجوان، مرد اور عورتیں دونوں، وہ تعمیری علمی تجربہ حاصل کریں جو تین کروڑ سے زیادہ رائے دینے والوں سے نپٹنے اور تقریباً بارہ مجالسِ قانون ساز کے لیے لگ بھگ دو ہزار ممبروں کے انتخاب سے بہم پہنچ سکتا ہے جو حکومتِ ہند کے بڑے حصّے کے، نیز معاشرتی اور عمومی اصلاح کے منصوبے تیار کرنے اور عملاً صرف نظری نظم و ضبط کے ماتحت نہیں بلکہ حقائق، واقعی نتائج اور

نکتہ چینیوں کے عطا کردہ نظم و ضبط کے ماتحت ہندی حکومت کی دوسری فرمّہ داریاں سنبھال لینے کے ذمّے دار ہوں گے۔ تمام دوسری چیزوں کے لئے یہی ضروری بنیاد ہے۔

خاتمۂ سخن پر ایک بات اور سن لیجئے۔ آپ غالباً یہ جواب دیں گے کہ تم نے اپنے اس طویل خط میں تاریخ کی مارکسی یا اقتصادی تشخیص کو نظر انداز کر دیا ہے، نیز یہ کہ کسی اشتراکی نظامِ حیات کا قیام آئینی اور دستوری ذرائع سے ناممکن ہے، یہ نظام تو صرف انقلابی آمریت ہی بروئے کار لا سکتی ہے جس کی بنیاد پرولیتاری یا عوامی طبقاتی شعور پر ڈالی گئی ہو۔ اس خط کے خاتمے پر جو پہلے ہی غیر معمولی طور پر بہت طویل ہو چکا ہے میں اشتراکی — انفرادی بحثوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میرا خیال ہے کہ اس ملک کے اشتراکی مفکرین کی بڑی اکثریت یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ جمہوری طرز کی حکومت کی مشین کے ذریعے اشتراکی نصب العین کی تکمیل ممکن ہے، نیز یہ کہ یہ جمہوری طرزِ حکومت اُن کے مقاصد کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے، نہ صرف اس لئے کہ یہ طرزِ حکومت حریت پسندانہ دور کے منافع کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ اس لئے بھی کہ وہ فاشستی یا مستبد حکومت کے قیام کو روک دیتا ہے جو اس زمانے میں کمیونزم کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اور میں اپنی تائید میں اپنے ہی دلائل پیش نہ کروں گا بلکہ ایک کتابچہ "اشتراکیت میں عہدِ حاضر کے رجحانات" پیش کروں گا جو متعدد نوعمر اشتراکیوں کی تالیف ہے اور جس کو میرے ایک دوست جی۔ ای۔ جی کاٹلن نے شائع کیا ہے۔ یہ کتابچہ مجھے بہت دلچسپ معلوم ہوا۔

اخیر میں میں اس طویل و عریض خط کے لئے معافی چاہوں گا۔ مگر برسوں کام کرنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ مجھے حق ہے کہ میں اپنے کچھ بنیادی افکار جو مستقبل کی نسبت میں قائم کر پایا ہوں کل کے ہندوستان کے رہنماؤں میں سے ایک رہنما کے سامنے رکھ دوں۔ کانگریس کو اب دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہے: تباہی کا راستہ یا آئینی شاہراہ۔ اور میں سمجھتا ہوں

کہ مجھے آپ کے سامنے کم از کم وہ چند باتیں رکھ دینی چاہئیں جو میری نظر میں یورپ کے تجربے کی بنا پر دوسری راہ اختیار کرنے اور پہلی راہ رد کر دینے کی معقول وجہیں ہیں۔

خاتمے پر میں اس بات کا ضرور اعادہ کروں گا کہ آپ کے ہندوستان جانے سے پہلے آپ سے نہ مل سکنے کا مجھے کس قدر افسوس ہے اور اس امید کا بھی کہ شاید آیندہ کبھی ہم مل سکیں۔ مجھے امید واثق ہے کہ آپ کی بیوی روبصحت ہوں گی۔

آپ کا مخلص

لوتھین

جواہر لعل نہرو صاحب

پنشن ارہارٹ، باڈن وائلر۔

۱۱۸۔ بنام لارڈ لوتھین

باڈن وائلر،

۱۷ر جنوری ۱۹۳۶ء

محترم لارڈ لوتھین،

میں نے آپ کا طویل خط کئی بار پڑھا اور آپ کا بیسویں صدی والا مقالہ بھی۔ مجھے آپ کا مکرر شکریہ ادا کرنا چاہئے کہ آپ نے اُن عنوانوں پر، جو ہم سب کی دلچسپی کے ہیں اور ہم سب کو اس درجہ متاثر کرنے والے ہیں، اس تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ یہ طویل خط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ میں اس خط کا جواب لکھنے میں کسی قدر دشواری محسوس کر رہا ہوں، اس لئے کہ آپ نے اپنے اس خط میں اس احاطہ و تفصیل سے کام لیا ہے کہ اُس کا کوئی کافی اور مکتفی جواب اُسی وقت ممکن ہے جب اُس میں دنیا کے اکثر بڑے بڑے مسائل پر بحث کر ڈالی جائے۔ مگر یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ البتہ میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ چند پہلوؤں پر کچھ عرض کروں مگر اس طرح نہیں کہ بات مناظرانہ ہو جائے۔ میری ان گزارشوں سے ممکن ہے کہ ایک مجمل سا تصوّر

میرے اندازِ فکر کا آپ کو ہو جائے۔

مجھے آپ سے کُلی اتفاق ہے کہ اس وقت ہم تاریخ انسانی کے ایک انتہا درجے کے تخلیقی اور تغیر پذیر دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ بالکل آشکارا ہے کہ ہم ایک دَور کی انتہا کو پہنچ چکے اور دوسرے دور کی چوکھٹ پر کھڑے ہیں۔ مجھے اس امر سے بھی اتفاق ہے کہ اس وقت تمام ذہین اور ذکی الحس اشخاص کو حرکت میں لانے والے دو نصب العین یہ ہیں: ۱؎ عہدِ حاضر کی فرماں روا حکومتوں کی طوائف الملوکی اور اُس کی پیدا کردہ نفرتوں، اندیشوں اور آویزشوں کو ختم کر کے ایک عالمی نظام کی تخلیق، ۲؎ اشتراکی نصب العین جس کا مقصد "ایک ایسے نظام کا برروئے کار لانا ہے جس کے ذریعے زمین اور زمین کی پیداوار معاشرے کے تمام افراد کے فائدے کے لئے ان خدمات کے تناسب سے کام میں لائی جائے گی جو یہ افراد معاشرے کی انجام دیں نہ کہ ملکیت جائداد کے حادثہ اتفاقی کے لحاظ سے" آپ فرماتے ہیں کہ انجمن اقوام پہلے نصب عین کی نمایندہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ کہنا اس حد تک تو درست ہے کہ انجمن ایک عام طور پر پھیلے ہوئے جذبۂ احساس کی نمایندگی کرتی ہے۔ مگر حقیقت میں اور عملاً مشکل ہی سے انجمن کو اس راہ پر گامزن کہا جا سکتا ہے۔ وہ چند ایسی بڑی طاقتوں کی پالیسیوں کی نمایندگی کر رہی ہے جو اپنی پُر منفعت حیثیتوں یا اپنی مطلق العنان فرمان فرمائی سے دست کش ہو جانے کا مطلق کوئی ارادہ نہیں رکھتیں اور کوشاں ہیں کہ انجمن کو اپنی اغراض کے لئے استعمال کریں اور دُنیا پر اپنی بالادستی انجمن کے ذریعے ہمیشہ مسلط رکھیں۔

یہاں ایک دوسرا سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ جو لوگ اس انجمن کی پشت پر ہیں وہ خود ایمانداری کے ساتھ خود مختار حکومتوں کے طوائف الملوکی کا خاتمہ چاہ رہے ہیں یا رائے عامّہ کا دباؤ اُن کو ایسا چاہنے پر مجبور کر رہا ہو، پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ کیا نظام معاشرت کو بنیادی طور پر بدلے بغیر—— دوسرے لفظوں میں "اشتراکیت

کو قبول کئے بغیر ـــــــ یہ لوگ اپنے اس مقصد میں کامیاب بھی ہو سکیں گے ؛ یقیناً اِن لوگوں کو اپنی شہنشاہیت پرستی ترک کر دینی پڑے گی ۔ اِس وقت تو یہ انجمن سرمایہ دارانہ نظام سے پرے دیکھتی ہی نہیں اور سچ پوچھئے تو وہ شہنشاہیت کو ختم کر دینے کا ارادہ یا نیت بھی نہیں رکھتی ۔ اِس کی بنیاد لازمی طور پر اس اصول پر پڑی ہے کہ موجودہ حالت کو بدستور باقی رکھا جائے اور اس کا خاص کام یہ ہے کہ اس حالت کو بدستور باقی رکھے ۔ اِس لئے عملاً یہ انجمن حقیقت میں اُس مقصد کے حصول کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے جس کی بہتوں کے نزدیک وہ نمایندگی کرتی ہے ۔ اگر یہ درست ہے، جیسا کہ میرا عقیدہ ہے، کہ شہنشاہیت اور خود مختار حکومتوں کی طوائف الملوکی سرمایہ داری کی موجودہ صورت کے ناگزیر نتائج ہیں تو پھر لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ شہنشاہیت اور خود مختار حکومتوں کی طوائف الملوکی سے اُسی وقت نجات پا سکتے ہیں جب آپ سرمایہ داری سے بھی گلوخلاصی پائیں ۔ اب اس روشنی میں دیکھئے تو یہ انجمن اپنے خیالی مقاصد سے عملاً کوئی سروکار نہیں رکھتی، بلکہ اُن کے حصول کی راہ میں رُکاوٹیں پیدا کرتی ہے، بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اس کے مقاصد خود ہی ایسے ہیں جو ایک بند گلی تک لے جاتے ہیں ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ یہ اپنے آپ کو اکثر مایوس کُن تناقضات میں اُلجھا ہوا پاتی ہے ۔" موجودہ حالات کو ہاتھ نہ لگاؤ " کی بنیاد پر وہ آگے قدم بڑھا ہی نہیں سکتی اس لئے کہ یہی اصول تو تمام مصیبتوں کی جڑ ہے، کیا اپنی شہنشاہیت دوستی کے پہلوؤں سے اور کیا اپنے معاشرتی پہلوؤں سے ۔ کیا یہ بالکل درست اور بجا ہے کہ انجمن حبش پر اٹلی کے جارحانہ حملے کو تو ناجائز و ناروا قرار دے اور اُسے روکنے کی کوشش کرے مگر خود وہ نظام، جس کی وہ محافظ ہے اور جسے وہ باقی و مستمر رکھنا چاہتی ہے ناگزیر طور پر اس جارحانہ یورش کی جانب رہبری کرے ؛ مسولینی کے اِس طعنے کا، کہ وہ کوئی نئی بات نہیں کر رہا ہے، وہی کر رہا ہے جو دوسری شہنشاہیت پرست طاقتیں پہلے کر چکی ہیں اور اب بھی کر رہی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہی ہیں اُس کے مخصوص وحشیانہ پن کے ساتھ

نہیں کر رہی ہیں، کسی شہنشاہیت پرست طاقت کے پاس کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ یہ یقیناً ایک نامعقول سی بات معلوم ہوتی ہے کہ مشرقی افریقہ میں اٹلی کی بمباری پر تو اتنا شور مچایا جائے مگر جب برطانیہ ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر گولے برسائے تب ایک باوقار سی چپ سادھ لی جائے۔

آپ کو خود یہ خیال ہے کہ مقصد کا حصول غالباً انجمن کے میثاق کے مقرر کردہ طریقوں کے ذریعے نہ ہو سکے گا۔ اس لئے انجمن سے بجز اس کے کہ وہ ایک عام اور مبہم سا جذبہ ایک عالمی نظام اور صلح و امن کے حق میں ظاہر کرتی ہے اور کوئی اُمید مقصد براری نہیں ہے۔ بعض اوقات انجمن اس جذبۂ صلح و امن کو ایک عام حرکت دے کر جنگ و جدال کو ٹال دیا کرتی ہے۔

جن دو نصب العینوں کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ باہم بڑا گہرا تعلق رکھتے ہیں اور میرے خیال میں اُن کو جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا نصب العین، نصب العین اشتراکیت، پہلے نصب العین کو اپنے اندر مضمر رکھتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک عالمی نظام اور صلح و امن کا خواب اُسی وقت شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے جب اشتراکیت ایک عالم گیر پیمانے پر بروئے کار لائی جائے گی۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، حقیقی اشتراکیت اس بات کو مستلزم ہے کہ فکر و کردار کی زیادہ گہری عادتوں میں ایک عمیق تبدیلی پیدا کر دی جائے اور یہ عمیق تبدیلی ناگزیر طور پر وقت طلب ہوا کرتی ہے۔ مساعد و سازگار حالات میں اور ایک جمّ غفیر کی خیر سگالی کے ساتھ یہ تبدیلیاں ایک ہی نسل کی زندگی میں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ مگر اس وقت تو حالات یہ ہیں کہ اس جذبۂ خیر سگالی کی جگہ ہم شدید ترین قسم کی مخالفت اور عداوت سے دوچار ہیں اور جب حالات یہ ہیں تو اغلب یہ ہے کہ تبدیلیوں کا زمانہ بہت طویل ہو گا۔ اصل سوال جو ہم لوگوں کے لئے غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایسا ماحول اور ایسے حالات کیوں کر پیدا کئے جائیں جن میں یہ گہری تبدیلیاں ظہور پذیر ہو سکیں۔ صرف یہی ایک بات صحیح سمت میں ایک واقعی اور حقیقی اقدام ہو گی۔ بہ حالات موجودہ ماحول ہمارے خلاف ہے اور بجائے اس کے کہ ہماری باہمی نفرتوں

اور خود غرضیوں اور حرصِ زر اندوزی کو کم کرے جو لڑائیوں کی نوبت تک پہنچا دیتی ہیں۔ یہ حالات اِن بُرائیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ باوجود اس سنگین اور ناسازگار صورتِ حال کے کچھ نہ کچھ ترقی ضرور ہوئی ہے اور ہم میں سے کچھ لوگوں نے اپنے قدیم عادات و افکار پر ناقدانہ نظر ڈالنی شروع کر دی ہے، مگر رفتار نہایت سست ہے اور مخالف رجحانات کی ترقی اور زیادتی کے باعث بے اثر سی ہوئی جا رہی ہے۔

سرمایہ داری نے حرصِ زر اندوزی اور ان عمیق تر جبلتوں میں جن سے ہم اس وقت پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں حرکت و زندگی پیدا کر دی۔ اِس نظامِ سرمایہ داری نے اپنے ابتدائی مراحل میں بہت سے فائدے بھی پہنچائے اور پیداوار کی مقدار میں اضافہ کر کے معیارِ زندگی کو بلند کر دیا۔ دوسرے طریقوں سے بھی اس نے ایک مفید و کار آمد مقصد کی خدمت کی اور اس نظام کے بر روئے کار آنے سے پہلے ہم جس مرحلہ یا منزل سے گزر رہے تھے اس میں اس نظام نے یقیناً سدھار پیدا کیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام اپنی افادیت کی زندگی پوری کر چکا ہے اور اب یہ نہ صرف اشتراکی سمت میں ہر ترقی کی راہ میں حائل ہو رہا ہے بلکہ ہماری بہت سی ناپسندیدہ عادتوں اور جبلتوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جس کی بنیاد حرصِ زر اندوزی پر استوار ہو اور جس کا قوی ترین محرک حرصِ نفع اندوزی ہو، ہم اشتراکی خطوط پر آگے بڑھ کیوں کر سکتے ہیں۔ اِن حالات میں ضروری ہو جاتا ہے کہ جس حد تک ہمارے امکان میں ہو، اس حریص اور زر طلب معاشرے کی بنیاد ہی بدل دی جائے اور محرکات نفع اندوزی کا خاتمہ کر دیا جائے، تاکہ نئی اور خوش آیند عادتوں اور طوقِ فکر کو ترقی دی جا سکے۔ اور یہ تبدیلی اس بات کو مستلزم ہے کہ نظام سرمایہ داری کو مطلقاً مٹا دیا جائے۔

یہ درست ہے، جیسا کہ آپ نے کہا ہے، کہ نظامِ سرمایہ داری نے بین الاقوامی طوائف الملوکی پیدا نہیں کی بلکہ صرف ورثے میں پائی۔ ایامِ گزشتہ

میں اس نے ریاستوں کے اندر واقعی خانہ جنگیاں ختم کر دیں یا اُن کے امکانات
کم کر دیے گئے مگر اس نے طبقاتی آویزشیں اور ناچاقیاں سخت تر کر دیں اور
اب یہ آویزشیں اور ناچاقیاں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ آگے چل کر خانہ جنگوں تک
پہنچ جانے کی دھمکیاں دے رہی ہیں۔ بین الاقوامی میدانوں میں اس نے
زیادہ بڑے پیمانے پر طوائف الملوکی کو زندہ و برقرار رکھا ہے اور چھوٹی موٹی
مقامی جھڑپوں کے عوض اس نے وسیع اور خوفناک آویزشیں برپا کر دی
ہیں۔ لہٰذا یہ نظام اگرچہ طوائف الملوکی پیدا نہیں کرتا مگر ناگزیر طور پر اس میں
اضافہ کرتا رہتا ہے اور اگر اس کو ختم کر دینا چاہے تو ایسا اُسی وقت کر سکتا ہے
جب وہ خود اپنا آپ خاتمہ کر لے۔ اُس نے عصرِ حاضر کی شہنشاہیت پرستیاں
پیدا کی ہیں جو نہ صرف روئے زمین کے بڑے حصوں اور نوعِ بشری کی بڑی
کثیر تعداد کو کچل رہی اور اُن سے بالجبر استفادہ کر رہی ہیں بلکہ باہم بھی برابر
دست و گریباں رہا کرتی ہیں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ مارکس نے تاریخِ انسانی کی مادی یا اقتصادی توجیہہ و تعبیر
میں مبالغے سے کام لیا ہو۔ اور شاید اُس نے ایسا صرف اس وجہ سے کیا کہ اُس کے
عہد تک ایسی توجیہہ و تعبیر کو بڑی حد تک نظر انداز کیا گیا تھا یا اُس کو کم از کم
بہت زیادہ گھٹا کر بیان کیا گیا تھا۔ مگر مارکس نے حوادث کی تشکیل پر دوسرے
عوامل کی اثر اندازی سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اُس نے سب سے زیادہ زور
ایک عامل پر دیا یعنی اقتصادی عامل پر۔ اب اگر اس ایک عامل پر کسی قدر
زیادہ زور دے دیا گیا تو اس سے کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا۔ یہ واقعہ میرے
خیال میں اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ مارکس ہی کی تعبیر و توجیہہ تاریخ ایک ایسی
تعبیر و توجیہہ ہے جو کسی حد تک تاریخ کی تشریح کرتی اور اُس کو معنی و مفہوم
دیتی ہے۔ اُس کی یہ تعبیر و توجیہہ عصرِ حاضر کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور
یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اُس کی کتنی پیش گوئیاں درست نکلیں۔

اشتراکیت کیوں کر آئے گی؟ آپ کا خیال ہے کہ آلات و وسائل
پیداوار اور تقسیم پیداوار کو عام اور کلی طور پر قومیا لئے جانے سے اشتراکیت کا

بروئے کار آجانا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ مگر کیا اس اقدام سے لازمی طور پر محرکاتِ نفع اندوزی وزر اندوزی ختم نہ ہو جائیں گے اور اُن کی جگہ جماعتی اور تعاونی محرکات نہ لے لیں گے؟ اور کیا یہ اقدام اک نئے تمدن کی تعمیر کو مستلزم نہ ہوگا جو آج کے اساسِ تمدن سے ایک مختلف اور جداگانہ اساس پر قائم ہوگا؟ یہ ہو سکتا ہے کہ شخصی و ذاتی ایجاد و اجتہاد کا جذبہ مفقود ہو جائے۔ بعض معاملات میں، مثلاً ثقافتی و تہذیبی معاملات وغیرہ میں اس جذبے کو ترک ہی کر دینا چاہیئے۔ مگر تمام اہم اور معتدبہ امور میں، مادی لحاظ سے، آلات و وسائل پیداوار اور تقسیم پیداوار کا قومیا لیا جانا ناگزیر سا معلوم ہوتا ہے۔ اس رحلت یا کوچ میں کچھ بیچ کی سرائیں بھی ہو سکتی ہیں جہاں رواں دواں قافلے کچھ دم لے لیا کرتے ہیں مگر کوئی شخص یہ تو مشکل ہی سے گوارا کر سکتا ہے کہ دو متناقض اور باہم متصادم طریقے پہلو بہ پہلو جاری رہیں۔ دو طریقوں میں سے ایک طریقہ چُن ہی لینا پڑے گا، اور جس کی منزلِ مقصود اشتراکیت ہو گی اُس کے لیئے تو بس ایک ہی طریقہ قابلِ انتخاب ہوگا۔

نظری طور پر، میرے خیال میں جمہوری وسائلِ کار سے اشتراکیت کا قیام ممکن ہے بشرطیکہ مکمل جمہوری طریقے پر عمل کرنا میسر ہو، عملاً بہرحال، سخت دشواریوں کا پیش آنا قرینِ قیاس ہے اس لیئے کہ اشتراکیت کے مخالفین جب دیکھیں گے کہ اُن کے اقتدار کو خطرہ لاحق ہے تو وہ جمہوری طرزِ کار کو مسترد کر دیں گے۔ جمہوریت کو مسترد کر دینے کی کوشش اشتراکیت دوستوں کی طرف سے نہ ہو گی یا نہ ہونی چاہیئے، بلکہ یہ کوشش دوسری جانب سے ہوگی اور یہ دوسرا گروہ یقیناً فاشستی گروہ ہوگا۔ اس خطرے سے کیوں کر نجات حاصل کی جائے؟ جمہوری طرزِ حکومت نے بہت سی فتحیابیاں حاصل کی ہیں۔ مگر میں نہیں جانتا کہ وہ اب تک حکومت یا معاشرے کی بالکل بنیادی تعمیر سے متعلق نزاعوں کا خاتمہ کر ڈالنے میں بھی کامیاب ہو سکا ہے۔ جب یہ سوال اُٹھتا ہے تب وہ گروہ یا طبقہ جو اختیاراتِ حکومت پر قبضہ رکھتا ہے صرف اس لیئے رضاکارانہ طور پر اپنے اس قبضۂ و تصرف سے دست کش نہیں ہو جاتا

کہ اکثریت کا یہ مطالبہ ہے۔ ہم نے بعد از جنگ یورپ میں اس کی اور خود جمہوریت کے زوال وانحطاط کی بہت سی مثالیں دیکھی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بڑی اکثریت کی خیر اندیشی یا کم از کم اس کی خاموش تسلیم ورضامندی کے بغیر کوئی اشتراکی تبدیلی برروئے کار نہیں لائی جا سکتی۔

اب آیئے برطانیہ اور ہندوستان کے موضوع پر۔ آپ کے خط میں بہت سی ایسی باتیں فرض کرلی گئی ہیں جو میرے خیال میں کوئی وجہ جواز نہیں رکھتیں۔ چونکہ مجھے آپ کے بہت سے مقدمات سے اتفاق نہیں ہے اس لئے میں آپ کے بعض نتائج سے بھی متفق نہیں ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ: "برطانیہ پرانی شہنشاہیت کو چھوڑ رہا ہے اور عملی طور پر کوئی ایسا راستہ ڈھونڈھ نکالنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے جو اُس تاراج یا طوائف الملوکی کو جو قوموں کو عام طور پر حق خود ارادیت دے دینے میں لازمی طور پر مضمر ہے، نئی جنگوں یا ایک نئے طوفان شہنشاہیت پر انتہا پذیر ہونے سے بچالے۔" مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس بات کے محسوس کرنے سے قطعاً قاصر ہوں کہ برطانیہ یہ پارٹ ادا کر رہا ہے۔ پرانی شہنشاہیت پرستی سے دست کشی کی کوئی علامت نہیں دیکھ رہا ہوں، اس کے برعکس صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ اُس سے چمٹے رہنے کی بار بار اور سخت جدوجہد ہو رہی ہے، اور اُسے طاقت ور بنانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اگرچہ بعض موقعوں پر اُس کا ایک نیا رُخ منظرِ عام پر لایا جاتا ہے۔ برطانیہ نئی لڑائیاں یقیناً نہیں چاہتا۔ وہ ایک مطمئن اور پیٹ بھری طاقت ہے۔ جو کچھ اُسے حاصل ہے اُس کو وہ خطرے میں کیوں ڈالے؟ وہ موجودہ صورت حال کو بدستور باقی رکھنا چاہتا ہے جو اُس کے حق میں نہایت مفید ہے۔ وہ نئی شہنشاہیتیں پسند نہیں کرتا، اس لئے نہیں کہ اُس کو شہنشاہیت پرستی سے کوئی بیر ہے بلکہ صرف اس لئے کہ وہ اُس کی پرانی شہنشاہیت سے متصادم ہوتی ہیں۔

آپ نے ہندوستان میں "دستوری وآئینی شاہراہ" کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ یہ "دستوری وآئینی شاہراہ" ٹھیک ہے کیا؟ جس ملک میں

کوئی جمہوری دستور کارفرما ہو اُس مُلک میں دستوری و آئینی سرگرمیاں تو میری سمجھ میں آسکتی ہیں، مگر جہاں ایسی کوئی چیز موجود نہ ہو وہاں آئینی و دستوری طریقے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ ایسی حالت میں لفظ آئینی و دستوری کے معنی صرف قانونی کے ہوتے ہیں اور قانونی کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ ایک جابر اور مطلق العنان گروہِ حکامِ تنفیذی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھا جائے، جو رائے عامہ کا کوئی لحاظ کئے بغیر قانون بھی وضع کر سکتا ہے اور احکامات اور فرمان بھی جاری کر سکتا ہے۔ جرمنی یا اٹلی میں اِس آئینی و دستوری طرزِ حکومت کا کیا حال ہے؟ اُنیسویں صدی، بیسویں صدی کے اوائل میں یا آج کے ہندوستان میں بھی اِس آئینی و دستوری طرزِ حکومت کا کیا حال ہے؟ کسی آئینی و دستوری ذریعے سے بھی جسے ہندوستان کے بسنے والے کافی طور پر متاثر کر سکتے ہوں اُس زمانے میں (اور اب بھی) کوئی تبدیلی بروئے کار لانے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اُن کے لئے دو ہی راستے تھے: یا رحم و کرم کی بھیک مانگیں یا بغاوت کر دیں۔ صرف یہ واقعہ کہ ہندوستان کی بڑی اکثریت کے لئے بھی اپنی مرضی اور خواہش کا مؤثر بنانا ناممکن ہے اس بات کو عیاں کر دیتا ہے کہ وہ کوئی آئینی و دستوری راہِ عمل نہیں رکھتے۔ یا تو وہ اُن باتوں کو تسلیم کریں جن سے وہ سخت نفرت کرتے ہیں یا وہ اس نام نہاد دستوری طرزِ کار کو چھوڑ کر کوئی طریقہ اختیار کریں۔ وقت کے مخصوص حالات میں یہ طریقِ کار دانشمندانہ بھی ہو سکتا ہے اور غیر دانشمندانہ بھی۔ مگر اُس کے دستوری و آئینی یا غیر دستوری و غیر آئینی ہونے کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا۔

میرا خیال ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگ اپنے مخصوص قومی میلان طبع یا تعصب سے نجات نہیں پا سکتے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی آنکھوں کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ میں اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ اِس کلیہ سے میں خود بھی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا خصوصاً جب میں برطانیہ اور ہندوستان کے تعلقات پر غور کرتا ہوں۔ آپ اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں گے۔ بایں ہمہ میں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ دُنیا کی کوئی چیز مجھے اس قدر حیرت میں نہیں ڈالتی

جس قدر میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ برطانوی قوم کے لوگ اپنے مادی مفاد کے ساتھ یہ اخلاقی جوش و خروش کیوں کر یک جا رکھ پاتے ہیں: یہ لوگ اس مفروضہ پر کیوں کر گامزن رہا کرتے ہیں کہ وہ دنیا کے ساتھ ہمیشہ بھلائیاں ہی کرتے رہتے اور بلند ترین اخلاقی محرکات کے مطابق عمل پیرا رہا کرتے ہیں اور زحمتیں، تکلیفیں، دشواریاں اور جھگڑے جو کچھ پیش آتے ہیں وہ دوسروں کی ضد اور بدطینتی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ مفروضہ، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، عام طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا اور یورپ اور امریکہ اور ایشیا میں اس کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں جو تجربہ ہم لوگوں کو گزشتہ ایام میں ہو چکا یا اب ہو رہا ہے اس کے بعد اگر ہم اس مفروضہ کو قطعاً رد کر دیں تو ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔ جو کچھ کہ ہندوستان میں پیش آچکا ہے اور اب پیش آرہا ہے اس کے پیشِ نظر ہندوستان میں جمہوریت اور دستوریت کی باتیں کرنی اِن الفاظ کے معانی کو قطعاً بگاڑنا ہے۔ تاریخ اس بات کی شہادت نہیں دیتی کہ حکمراں طاقتوں یا حکمراں طبقوں نے رضاکارانہ اپنی گدیاں خالی کی ہوں۔ اگر تاریخ کی تعلیم کافی نہیں تھی تو ہم نے ہندوستان میں کافی واقعاتی تجربہ بھی حاصل کر لیا ہے۔ میرے خیال میں یہ صحیح ہے کہ برطانوی حکمراں طبقے اپنے اندر حالات کے قالب میں ڈھل جانے کی اِک خاص جبلّی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر جب اُن کے اقتدار کی بنیاد ہی پر اعتراض ہو جائے تو سطحی تطبیق و تطابق کے لئے کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی —— کوئی اگر یہ خیال کرتا ہو کہ برطانوی حکومت یا برطانوی پارلیمنٹ ہندوستان کی آزادی کی دردمند متوتی ہے اور بڑی ہمدردی اور مہربانی کے ساتھ اُس کی بہبود و ترقی کے کام اپنی صدارت میں انجام دلوا رہی ہے تو ایسا شخص ایک نہایت ہی غیر معمولی فریب کا شکار ہے۔ میں اِس بات کو مانتا ہوں کہ بہت سے برطانوی ہندوستان اور ہندوستانیوں کا درد رکھتے ہیں اور ہندوستان کو آزاد دیکھنا پسند کرتے ہیں مگر حکومت کی پالیسی یا طرزِ عمل کی تعیین و تشکیل میں وہ کوئی اثر نہیں رکھتے، اور یہ لوگ بھی، یا ان میں سے اکثر، ہندوستان کی

ایسی آزادی کا تصور ذہن میں رکھتے ہیں جو برطانوی خواہشوں اور مفادات کے چوکھٹے میں درست بیٹھتی ہو۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ جیسے جیسے ہم آزادی اور ذمے داری کی صلاحیتوں کا ثبوت دیتے جائیں گے ہماری آزادی اور ذمے داریوں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ہماری ان صلاحیتوں کا معیار یہ ہوگا کہ برطانوی منصوبوں کے چوکھٹوں میں ہم کہاں تک درست بیٹھتے ہیں۔ یہ باتیں سُن کر سُننے والوں کا جی چاہنے لگتا ہے کہ انگلستان میں بسنے والے اپنے ان دانشمند مشورہ دینے والوں اور خیر اندیشوں سے کہدیں کہ وہ ایسپ کے قصّوں کو ایک بار پھر پڑھ لیں خصوصاً بھیڑیئے اور بھیڑ کے بچے کا قصہ۔

یہ بالکل درست ہے کہ دوسری بہت سی چیزوں کی طرح سیاسیات میں بھی ہم کسی لوحِ سادہ سے کام کا آغاز نہیں کر سکتے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ زندگی انسانی منطق کے لئے اکثر حد سے زیادہ پیچیدہ ہوا کرتی ہے۔ ہمیں چیزوں کو ویسی ہی قبول کرنا پڑتا ہے جیسی کہ وہ واقع ہوئی ہیں خواہ ہم انھیں پسند کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں، ہمیں اپنی بلند خیالی کو اُن سے مصالحت پر آمادہ کر لینا پڑتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ہمیں سیدھے ہی رُخ پر چلنا چاہئے۔ آپ کے فرمانے کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ پہلے تو ہمیں ہندوستان کی وحدت محفوظ رکھنے کے جتن کرنے چاہئیں، اور بعد ازاں فرقہ واریت کے خاتمے، مستقل مفادات کو قابو میں لانے اور بتدریج اُن کو بھی ختم کر دینے، عوام کا معیارِ زندگی بلند کرنے، صحیح معنوں میں ایک ہندوستانی فوج کو ترقی دینے اور ہندوستان کے نوجوانوں کو تعمیری عملی کام کی تربیت دینے کی سعی و کوشش کرنی چاہئے جس کی ایک جمہوری ریاست میں ضرورت ہوا کرتی ہے۔ ان تمام باتوں کے بعد اشتراکی نصب العین آتا ہے اور اُس کے لئے عام پس منظر ایسا ہونا چاہئے جو اُن عمیق تر جبلتوں، فطری خصلتوں اور عادتوں کو نشو و نما دے جو اس نصب العین کو حقیقی طور پر بروئے کار لانے میں ضروری ہوتی ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ اِس بیان سے ایک

حد تک اتفاق کریں گے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اسی بات کو ہم دوسرے لفظوں میں کہیں اور اُس میں کچھ اضافہ کریں اور بعض نکات پر نسبتاً کچھ زیادہ زور دیں۔ مجھے اِس امر میں بھی آپ سے اتفاق ہے کہ سیاسی تغیر کی منزل پہلے آتی ہے اور امر واقع یہ ہے کہ اس منزل سے گزرے بغیر کسی دوسری منزل سے گزرنا ممکن ہی نہیں۔ شخصی وذاتی طور پر میں صرف اِس امید میں سیاسی جمہوریت کے قبول کر لینے پر بالکل آمادہ ہوں کہ اسی راہ سے اشتراکی جمہوریت تک ہم پہنچ پائیں گے۔ سیاسی جمہوریت، منزلِ مقصود تک پہنچنے کی صرف ایک راہ ہے وہ بذات خود کوئی آخری مقصد نہیں ہے۔ سیاسی جمہوریت کا اصل مطالبہ اقتصادی تبدیلیوں کی خواہش سے اُبھرا کرتا ہے جو بعض اوقات غیر شعوری ہوا کرتی ہیں۔ اگر یہ تبدیلیاں جلد ہی ظہور پذیر نہیں ہوتیں تو سیاسی ڈھانچے کا ناپائدار ہونا قرین قیاس اور اغلب ہے۔ میں تو یہ خیال کرنے پر مائل ہوں کہ ہندوستان کے موجود حالات کو دیکھتے ہوئے اقتصادی تبدیلی کی حاجت اور ضرورت لازمی ہے اور ایک اہم بنیادی سیاسی تبدیلی ناگزیر طور پر یا تو اچھی خاصی اور معقول قسم کی اقتصادی تبدیلیوں کے ساتھ ہی ظہور میں آئے گی یا اُن کے بعد ہی۔ اگر یہ سیاسی تبدیلی اقتصادی تبدیلیوں کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے تو یہ کوئی پسندیدہ تبدیلی نہیں اور نہ اُس کی کوئی قیمت ہے۔

میں کسی ایسے ذمے دار ہندوستانی کو نہیں جانتا جو ہندوستان کی وحدت کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر نہ سوچتا ہو۔ وحدتِ ہند ہمارے سیاسی عقائد میں ایک اہم اور ضروری مد ہے اور ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں اِسی مقصد کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اِس وحدت کا ایک وفاقی وحدت ہونا قرین قیاس ہے مگر یہ وفاقی وحدت یقیناً اُس قسم کا کوئی وفاق نہ ہوگی جو نئے ایکٹ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ وحدت یہ معنی بھی نہیں رکھتی کہ غلامی کا ایک مشترک جُوا اپنی گردن پر رکھنے میں سب متحد رہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اضطراب و انتشار کا کوئی دَور ملک میں اختلاف پیدا کردے اور متعدد جداگانہ ریاستیں

قائم کرادے مگر یہ خطرہ ایک بالکل موہوم سا خطرہ ہے۔ ملک بھر میں جو رجحانِ عام وحدت کی طرف پایا جاتا ہے وہ نہایت قوی ہے۔

پھوٹ پیدا کر دینے والے عوامل بہ قول آپ کے تین ہیں: مذہب، قومیت اور زبان۔ قومیت کی اہمیت میں تسلیم نہیں کرتا۔ ہندوستان میں قومیت نے مذہب سے خلط ملط ہو کر ایک حد تک ذات پات کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہندو اور مسلمان دو مختلف قومیں نہیں ہیں۔ بنیادی طور پر وہ قوموں کا ایک معجون مرکب ہیں۔ اس روشنی میں اگرچہ ہندوستان میں مختلف قومیں آباد ہیں مگر یہ قومیں باہم مدغم ہو گئی ہیں اور مجموعی حیثیت سے اب بہ لحاظ قومیت اور بہ لحاظ ثقافت و تمدّن ایک ہی متعیّن وحدت کی تشکیل کرتی ہیں۔

یہ نام نہاد سیکڑوں زبانیں ہندوستان کی ہمارے ناقدین کا ایک محبوب موضوعِ سخن ہیں۔ مگر ان ناقدین میں سے عموماً کوئی ایک صاحب بھی ان زبانوں میں سے کسی ایک زبان سے بھی آشنا نہیں ہیں۔ امرِ واقع یہ ہے کہ لسانی حیثیت سے ہندوستان انوکھے طرز پر باہم بہت مربوط ہے اور یہ بول چال کی جو بہت سی زبانیں پیدا ہو گئی ہیں، وہ نتیجہ ہے عوامی تعلیم کے فقدان کا۔ ہندوستان کی بڑی زبانیں دس ہیں جو چند چھوٹے چھوٹے رقبوں کو چھوڑ کر پورے ملک پر محیط ہیں۔ اور یہ دس بڑی زبانیں زبانوں کے دو گروہوں سے تعلق رکھتی ہیں: ہند و آریائی اور دراوڑی اور ان دونوں کے درمیان سنسکرت کا ایک مشترک پس منظر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہند و آریائی زبانوں میں ہندوستانی اپنی مختلف بولیوں سمیت بارہ کروڑ ہندوستانیوں کی زبان ہے اور برابر پھیلتی جا رہی ہے۔ دوسری ہند و آریائی زبانیں، بنگالی، گجراتی اور مراٹھی، ہندوستان سے بہت قریب کا تعلق رکھتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی وحدت کی راہ میں ہمیں خواہ اور کتنی ہی اور کیسی ہی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے، زبان کا سوال کسی بڑی دشواری کا سبب نہ ہوگا۔

آپ ہندوستان کی مذہبی حالت کا مقابلہ یورپ کی نشاتِ ثانیہ اور

سولھویں صدی کی اصلاح کے زمانے کی مذہبی حالت سے کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہندوستان کے لوگ حیاتِ انسانی پر ایک متعین مذہبی نظریہ رکھتے ہیں جو ازمنۂ وسطیٰ کے یورپی نظریہ کے مماثل یا ہم رنگ قرار دیا جا سکتا ہے پھر بھی آپ کا موازنہ سطح سے نیچے نہیں اُترتا۔ ہندوستان نے اپنی پوری، طویل تاریخ میں ویسا مذہبی کشت و خون نہیں دیکھا جیسے کشت و خون نے یورپ کو دریائے خون میں غوطے دئے۔ ہندوستان کے مذہب، ثقافت اور فلسفے کا پورا پس منظر روادارانہ بلکہ دوسرے عقائد کے لئے حوصلہ افزا یا نہ رہا ہے۔ کچھ نزاع اُس وقت ضرور رُونما ہوئی جب اسلام آیا مگر یہ نزاع بھی دینی و مذہبی ہونے کے بجائے بہت بڑی حد تک سیاسی تھی اگرچہ زور ہمیشہ اُس کے مذہبی پہلو پر دیا گیا ہے۔ یہ نزاع فاتح و مفتوح کے درمیان تھی۔ دین و مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ حال کے حوادث کے باوجود میں آسانی کے ساتھ ہندوستان میں کسی خاصے بڑے پیمانے پر مذہبی نزاع کا تصوّر نہیں کر سکتا آج کی فرقہ واریت یا فرقہ پرستی حقیقت میں سیاسی، اقتصادی اور متوسّط طبقوں کی باہم آویزش ہے۔ میرا خیال ہے کہ دگر میں یہ اپنے ذاتی و شخصی علم کی بنا پر نہیں کہہ رہا ہوں، السٹر میں جو مذہبی تلخی آج دیکھی جا رہی ہے اُس کی بنیادیں ہندوستان کے کسی حصےّ کی مذہبی تلخی کی بنیادوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ گہری ہیں۔

یہ ایک واقعہ ہے جسے کسی کو کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ ہندوستان میں فرقہ پرستی آخری دَور کا ایک حادثہ ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے ظہور میں آیا اور بڑھا۔ یہ واقعہ، یعنی فرقہ پرستی کا دَورِ اخیر کی پیداوار ہونا، اس فرقہ پرستی کے معنے خیزی یا اہمیت کو کم نہیں کرتا اور ہم اُس کو نظر انداز نہیں کر سکتے اِس لئے کہ یہ فرقہ پرستی اس وقت ہماری راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے اور ہماری آیندہ ترقی میں اس کا خلل انداز ہونا بعید از قیاس نہیں ہے۔ مگر بایں ہمہ میرا خیال ہے کہ اس کو بہت بڑھا چڑھا کر دکھایا گیا ہے اور اس پر ضرورت سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ عوام کے جذبات کو بعض اوقات اُبھار ضرور دیا جاتا ہے، پھر بھی فرقہ پرستی اُن کو بنیادی اور

اُصولی طور پر متاثر نہیں کرتی۔ جب معاشرتی مسائل سامنے آجائیں گے تب اس فرقہ پرستی کا پسِ پشت جا پڑنا لازمی ہے۔ انتہا درجے کے غالی فرقہ پرستوں کا کوئی فرقہ وارانہ مطالبہ لے لیجے اور اس پر ایک غائر نظر ڈالئے تو آپ کو نظر آجائے گا کہ اُن کا کوئی مطالبہ بھی ایسا نہیں ہے جس کا تعلق عوام سے ہو۔ تمام گروہوں کے فرقہ پرست لیڈروں کو معاشرتی اور اقتصادی سوالات سے نہایت سخت اندیشہ ہے اور یہ بات دل چسپی سے خالی نہیں ہے کہ معاشرتی ترقی کی مخالفت میں یہ تمام لیڈر باہم ایک ہو جایا کرتے ہیں۔

ہندوستان میں برطانوی راج نے سیاسی وحدت پیدا کرنے میں ناگزیر طور پر مدد کی ہے۔ صرف اس ایک واقعے نے کہ سب ہی محکوم تھے لازمی طور پر اجنبی حکومت سے چھٹکارا پانے کی ایک عام خواہش سب کے اندر پیدا کر دی۔ یہ بات ضرور یاد رکھنی چاہیئے ـــــ جس کو قرار واقعی طور پر محسوس نہیں کیا جاتا ـــــ کہ ہندوستان کی پوری تاریخ میں ملک کی ثقافتی اور جغرافیائی وحدت کا ایک بالکل غیر معمولی احساس ہمیشہ پایا گیا ہے اور حمل و نقل اور رُسل و رسائل کے موجودہ حالات میں اس سیاسی وحدت کی طلب اور خواہش کا بڑھتا رہنا ایک لازمی اور حتمی سی بات تھی۔ برطانوی راج کے ہر دور میں، بہر حال، حکمران طبقے نے اس وحدت کی راہ میں کچھ شعوری اور ارادی طور پر اور کچھ غیر شعوری طور پر ہمیشہ رُکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اور ایسے ہی طرزِ عمل کی اس طبقے سے توقع بھی کی جا سکتی تھی اس لئے کہ یہی پالیسی یکساں طور پر تمام شہنشاہوں اور حکمراں گروہوں کی ہمیشہ رہی ہے۔ انیسویں صدی کے اونچے اونچے افسروں کا صاف صاف اظہارِ خیال جو انھوں نے ہندوستان میں رہ کر کیا، دل چسپی کے ساتھ پڑھنے کی چیز ہے۔ اُس وقت مسئلے نے یہ شدّت اختیار نہیں کی تھی مگر قومی تحریک کے بڑھنے کے ساتھ، خصوصاً پچھلے تیس سالوں میں، یہ مسئلہ نہایت شدید ہو گیا۔ برطانوی راج کا ردِّ عمل اس پر یہ تھا کہ تقسیم در تقسیم پیدا کرنے کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے جائیں اور ممکن ہو تو ان تقسیموں کو دائمی بنا دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں

کہہ سکتا کہ خود ہندوستان کے مزاج میں تقسیم کا کوئی میلان یا رجحان موجود نہیں تھا اور سیاسی اقتدار کے حصول کے نزدیک تر آجانے پر اس میلان کا بڑھ جانا بالکل قرینِ قیاس تھا۔ یہ ممکن تھا کہ کوئی پالیسی ایسی اختیار کی جاتی جو اِس رجحانِ تقسیم کو مدھم بنا دیتی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی پالیسی ایسی اختیار کی جائے جو اِس رجحان کو تیز تر بنا دے۔ حکومتِ ہند نے دوسری طرح کی پالیسی اختیار کی اور ہر طریقے سے ملک میں تقسیم در تقسیم کے رجحان کی ہمت افزائی کی۔ یہ بات حکمرانوں یا کسی کے بھی بس کی نہیں تھی کہ وہ ہندوستانیوں کے تاریخی ارتقا کو روک دے، مگر اتنا تو وہ کر سکتے تھے، اور واقعتاً انھوں نے ایسا کیا بھی، کہ راہ میں رکاوٹیں ڈالتے اور روڑے اٹکاتے رہیں۔ اور جدید ترین اور اہم ترین رکاوٹیں وہ ہیں جو نئے ایکٹ میں مضمر رکھی گئی ہیں۔ آپ اس ایکٹ کے اس لئے مدّاح ہیں کہ وہ ہندوستان کی وحدت کی نشان دہی کرتا ہے۔ امرِ واقع یہ ہے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے اور اُس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو وہ مزید پھوٹ کا پیش خیمہ بن جائے گا۔ یہ ایکٹ ہندوستان کو مذہبی اور دوسرے متعدد حصّوں میں تقسیم کرتا ہے، ملک کے متعدد بڑے بڑے حصّوں کو بہ طور جاگیردارانہ علاقوں کے محفوظ کر دیتا ہے جن کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا مگر جو خود دوسرے حصصِ ملک کو متاثر کر سکتے ہیں۔ اور معاشرتی اور اقتصادی مسائل کی بُنیادوں پر صحت مند سیاسی پارٹیوں کے ارتقاء کو روکتا ہے جن کو آپ "اس وقت ہندوستان کی اہم اور شدید ضرورت کی چیز" خیال کرتے ہیں۔

معاشرتی مسائل پر بھی برطانوی حکومت کی پالیسی اتنی ہی قابلِ لحاظ ہے۔ اشتراکیت کی کسی شکل کو مدِّنظر رکھنے یا مستقل مفادات کو قابو میں رکھنے یا اُن کے ختم کر دینے کا کوئی بندوبست کرنے کا تو ذِکر ہی بے سود ہے، اس نے عمداً اور دانستہ متعدد مستقل مفادات کو محفوظ رکھا ہے اور اُن کو پناہ دی ہے، نئے مفادات پیدا کر دئے ہیں اور ہمیشہ ہندوستان کے سیاسی، معاشرتی اور مذہبی رجعت پسندوں کا ساتھ دیا ہے۔ پھر، یہ نیا ایکٹ حکومت کی

اِس پالیسی کی معراج ہے۔ اِس سے پیشتر کبھی، کسی زمانے میں بھی مفاداتِ مستقلہ کو، دشمنانِ اصلاح و ترقی کو اور رجعت پسندوں کو اتنا اقتدار حاصل نہیں رہا جتنا کہ اُن کو نئے وفاقی ہندوستان میں حاصل ہوگا۔ اِس ایکٹ نے اِن ہندوستانی اور اجنبی مفادات کو اپنی پناہ میں لے کر اور اُن کو محفوظ تر بنا کر قانوناً اُس معاشرتی ترقی پر، جو بہ قول آپ کے ہمارا مقصد آخرین ہونی چاہئے، ارتقا و عروج کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ معاشرتی اصلاح و ترقی کے چھوٹے موٹے کام بھی مشکل ہی سے ہماری دسترس میں رہ گئے ہیں اس لئے کہ ریاست یا حکومت کے ذرائع محاصل کا بڑا حصہ مفاداتِ مستقلہ کے برقرار رکھنے کے لئے مخصوص و محفوظ کر دیا گیا ہے۔

آج دنیا کے ہر ملک کو رجعت پسندانہ اور مضر اثرات ڈالنے والی قوتوں کے خلاف ایک سخت جنگ برپا رکھنی پڑ رہی ہے۔ ہندوستان اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ اِس صورتِ حال کا الم انگیز پہلو یہ ہے کہ برطانوی قوم اپنی پارلیمنٹ اور اپنے اہل کاروں کے ذریعے غیر شعوری طور پر ہندوستان میں مضرتناک قوتوں کی سرتاسر پشت پناہی کر رہی ہے جس بات کو یہ قوم اپنے ملک میں ایک لمحے کے لئے برداشت نہیں کر سکتی، ہندوستان میں اُسی بات کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ آپ نے ابراہام لنکن کا نام نامی کا ذکر فرما کے وہ انتہائی اہمیت یاد دلائی ہے جو وہ وحدت و اتحاد کو دیا کرتے تھے۔ غالباً آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ کانگریس کی تحریک کو کچل دینے کی سعی و کوشش میں برطانوی راج کا محرک تخریبی یا پھوٹ پیدا کر دینے والی قوتوں کے مقابلے میں ہندوستان کی وحدت کو باقی رکھنے کا وہی شریفانہ جذبہ تھا جو ابراہام لنکن کا محرک تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آ رہی ہے کہ کانگریس کی تحریک سے ہندوستان کی وحدت کو کیوں کر خطرہ لاحق ہو رہا تھا۔ اِس کے برعکس میرا تو یہ خیال ہے کہ ملک میں اگر کوئی تحریک بنیادی اور منظم وحدت بروئے کار لا سکتی ہے تو وہ صرف کانگریس یا کوئی اور ایسی ہی تحریک ہو سکتی ہے۔ برطانوی راج کی سرگرمیاں ہمیں

سمتِ مخالف میں ڈھکیل رہی ہیں۔ مگر اس سے صرفِ نظر کر کے کیا آپ یہ نہیں سوچتے کہ لنکن کا موازنہ ایک شہنشاہیت پرست طاقت سے کرنا جو اپنے محکوم ملک میں آزادی طلب تحریک کو کچلنے کے جتن کر رہی ہے ایک بہت ہی دُور کی کوڑی لانا ہے؟

آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں جو ناپسندیدہ اور خود غرضانہ عادتیں اور خصلتیں پائی جاتی ہیں اُن کو اُکھاڑ کر پھینک دیا جائے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں رہنے والے برطانوی اس باب میں مدد کر رہے ہیں؟ اس بات سے قطعاً صرفِ نظر کر کے کہ یہ لوگ رجعت پسند عناصر کو شہ دے رہے ہیں، خود برطانوی راج کا پس منظر قابلِ غور ہے۔ اس راج کی بنیاد ایک انتہا درجے کے سخت اور عام جبر و تشدد پر پڑی ہے اور جس چیز کے سہارے یہ راج باقی ہے وہ صرف خوف و دہشت ہے۔ اُن معمولی آزادیوں کو بھی یہ راج دبائے ہوئے رکھتا ہے جو کسی قوم کے ارتقاء کے لئے لازمی طور پر ضروری خیال کی جاتی ہیں۔ منچلوں، بہادروں اور ذکی الحس قسم کے لوگوں کو تو یہ راج کچل کر رکھ دیتا ہے اور بزدلوں، موقع پرستوں، ابن الوقتوں، چیڑ قنائیوں اور بھاڑے کے گنڈوں کی ہمّت افزائی کرتا رہتا ہے۔ اپنے گرد و پیش یہ راج جاسوسوں، مخبروں اور خفیہ پولیس کے گویندوں اور دلالوں کی ایک فوج جمع رکھتا ہے۔ کیا یہی وہ فضا ہے جس میں زیادہ خوش آیند اخلاقی خوبیاں پروان چڑھا کرتی یا جمہوری ادارے پھلا پھولا کرتے ہیں؟

آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کانگریس کسی وقت بھی اصولی طور پر فرقہ واریت، رجواڑوں اور جاگیرداروں کو اُسی قسم کی مراعاتیں دیئے بغیر جو اس ایکٹ میں دی گئی ہیں، کوئی حرّیت پسندانہ دستورِ اساسی پورے ملک کے لئے اور سب کی رضامندی سے بروئے کار لاسکتی تھی؟ اس سوال میں یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ موجودہ ایکٹ ایک حرّیت پسندانہ دستور کو سب کی رضامندی سے قائم کر رہا ہے۔ اگر یہ دستور حرّیت پسندانہ ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غیر حرّیت پسندانہ دستور کیسا ہوگا۔ اور جہاں تک رضائے عام کا تعلق ہے تو مجھے اس

بات میں شبہہ ہے کہ برطانوی راج کے کارناموں میں جو اس نے ہندوستان میں انجام دیئے کوئی کارنامہ ایسا بھی ہے جس سے لوگوں نے اتنی شدید ناراضی و ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہو جیسی اور جتنی ناراضگی و ناپسندیدگی کہ اس ایکٹ کے خلاف ظاہر کی گئی ہے۔ لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کر دوں کہ لوگوں کی عام رضامندی حاصل کرنے کی غرض سے جو اقدامات کئے گئے ہیں اُنھوں نے پورے ملک میں خوفناک ترین قسم کے جبر و تشدّد کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ اور اب بھی اس ایکٹ کی تنفیذ کے پیش خیمے کے طور پر ایسے کُل ہند اور صوبائی قوانین وضع کئے گئے ہیں جو ہر قسم کی شہری آزادی کو کچل کر رکھ دیں۔ ان حالات میں رضامندیٔ عوام کا ذکر کرنا اک عجیب و غریب سی بات ہے۔ انگلستان میں اس مسئلے سے متعلق جو غلط اندیشی پھیلی ہوئی ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ اگر اس مسئلے کا ایماندارانہ مقابلہ کرنا ہی ہے تو نمایاں واقعات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ درست ہے کہ رجواڑوں اور مختلف اقلیتی گروہوں کے ساتھ کچھ سمجھوتا کر لینے میں حکومت کامیاب رہی ہے مگر یہ گروہ بھی، بجز اُن چھوٹے موٹے انتظامات کے جو اُن کی نمائندگی پر کسی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں اس ایکٹ کی باقی باتوں سے سخت ناراض اور غیر مطمئن ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت مسلمانوں کو لیجے۔ اُمراء، نیم جاگیردار اور دوسرے گنتی کے وہ چند مسلمان جو گول میز کانفرنس کی رُکنیت کے لئے چُن لئے گئے ہیں، ان کو بھی عام مسلمانوں کا نمایندہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ آپ کو یہ جان کر تعجب ہو گا کہ کانگریس کو اب بھی بہت سے مسلمانوں کی تائید حاصل ہے۔

کیا کانگریس کچھ اس سے بہتر بھی کر سکتی تھی؟ مجھے اس میں کچھ شبہہ نہیں ہے کہ قومی تحریک، کانگریس جس کا نمائندہ اور سب سے بڑی علم بردار ہے، اس سے بدرجہا بہتر کر سکتی تھی۔ کانگریس یقیناً ایک بورژوا (متوسّط طبقے کے شہریوں کا) ادارہ ہے (کاش اس پر اشتراکیت کا رنگ زیادہ غالب ہوتا)، اور بنا بریں شخصی و ذاتی ملکیت کا سوال اس منزل میں کسی شدت اور تیزی کے ساتھ نہ اٹھا ہو گا۔ فرقہ وارانہ سوال کا میرے خیال میں

نہ صرف سامنا ہی کرنا پڑا ہوگا بلکہ کم از کم اس وقت اُس کو ایک بڑی حد تک رضائے عام کے ساتھ حل ہی کر لینا پڑا ہوگا۔ ابتدائے کار میں کسی قدر فرقہ واریت باقی رہ گئی ہوگی، مگر اُس فرقہ واریت سے بہت کم جو اس نئے ایکٹ کے ماتحت ہمیں عطا کی گئی ہے۔ جو بات اس سے بھی اہم تر ہے وہ یہ ہے کہ حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے ہوتے جو فرقہ واریت کے مستقبل قریب ہی میں ختم کر دیئے جانے کے حق میں سازگار ہوتے اور معاشرتی خطوط پر ترقی کرنے کو ممکن بنا دیتے، بندوبست اراضی کے مسئلے سے نپٹنے کی کوشش کی گئی ہوتی۔ حقیقی دشواریاں دو پیش آتیں: برطانوی حکومت اور لندن کے مفادات مستقلہ اور رجواڑے مشکل مسئلہ پہلی دشواری ہے۔ دوسری تمام چیزیں ثانوی درجے کی ہیں۔ بہ حالات موجودہ رجواڑوں نے قابلِ ذکر حد تک اپنے آپ کو نئی صورتِ حال کے مطابق بنا لیا ہوتا اور کانگریس نے بھی اپنی موجودہ تشکیل کے ساتھ انھیں کافی گنجائش دے دی ہوتی۔ رائے عامہ کا دباؤ جس میں خود اُن کی رعایا کی عام رائے شامل ہوتی، اتنا بڑا ہوتا کہ وہ اُس کے مقابلے کی تاب نہ لاسکتے۔ ان ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ شاید کوئی ایسا عارضی بندوبست کر دیا جاتا جو اس رائے عامہ کو اُبھرنے، منظّم ہونے اور آئندہ حوادث پر اثر انداز ہونے کا موقع دیتا۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ برطانوی راج ہندوستان میں یقیناً اِس غرض سے نہیں قائم ہے کہ وہ اِن رجواڑوں کی خالص اور بے آمیز مطلق العنانی کی پُشت پناہی کرے تو پھر اس بات میں کوئی شبہہ نہیں رہ جاتا کہ یہ ہندوستانی ریاستیں بتدریج ہماری ہی قطار میں آکر کھڑی ہو جاتیں۔ کسی خانہ جنگی کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہ جاتا۔

یہ تمام باتیں اُس سے بہت دُور ہیں جو میں چاہتا ہوں، تاہم کم از کم یہ ایک متعین سیاسی اور جمہوری قدم ہوتا جو صحیح سمت میں اُٹھتا۔ کسی دستور کی ترتیب یا کسی سیاسی تعمیر کی تشکیل میں ہر اُس شخص کو رضامند کر لینا جس پر یہ دستور یا سیاسی تعمیر اثر انداز ہوتی ہو بدیہی طور پر ناممکن ہے۔ کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ لوگوں کی بڑی سے بڑی تعداد کی رضامندی بہم پہنچائی جائے اور دوسرے

لوگ جو متفق نہیں ہوا کرتے وہ یا تو جمہوری طرزِ کار کے مطابق ساتھ آجاتے ہیں اور یا وہ ساتھ آنے کے لئے دبائے یا مجبور کئے جاتے ہیں۔

برطانوی راج جو مطلق العنان اور مستبد روایات کا نمائندہ اور اپنے مخصوص مفادات کے محفوظ رکھنے پر خاص طور پر تُلا بیٹھا ہے اُس نے رجواڑوں اور کچھ رجعت پسند عناصر کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش تو ضرور کی مگر قوم کی بہت بڑی اکثریت کو اُسے مجبور ہی کرنا پڑا۔

مگر یہ سب یقیناً ہوائی باتیں ہیں جن میں کوئی تَت نہیں ہے اس لئے کہ یہ سب سے بڑے عامل کو، جو عبارت ہے برطانوی راج اور برطانوی مالی مفادات سے، نظر انداز کر دیتی ہیں۔

یہاں ایک بات اور غور طلب ہے جو ملحوظ رکھنے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کی قیادت میں کانگریس نے عدم تشدد اور اپنے مخالف کو مجبور کرنے کے بجائے اپنا ہمنوا بنا لینے پر بڑا زور دیا ہے۔ اس اصول کے مابعد الطبیعیاتی پہلوؤں اور بالآخر اُس کے قابلِ عمل ہونے یا نہ ہونے سے بالکل قطع نظر کر کے بھی دیکھئے تب بھی اس بات میں کوئی شک و شبہہ نہیں کہ اس اصول نے ایک قوی جذبہ خانہ جنگیوں کے خلاف اور ہندوستان کے مختلف گروہوں کو اپنا ہم نوا بنا لینے کے حق میں پیدا کر دیا ہے۔ ہندوستان کی وحدت کو باقی رکھنے اور مخالفوں کی مخالفت کو نرم تر بنا دینے میں یہ عامل ہمارے لئے بڑی قیمت رکھتا ہے۔

لوگ ترکِ موالات اور سول نافرمانی کی تحریکوں پر اُن کے آئینی یا غیر آئینی ہونے کی روشنی میں بحثیں کرتے ہیں۔ میں معاملے کے اِس پہلو کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ کیا میں آپ سے یہ عرض کروں کہ یہ تحریکیں خود مجھ پر کیوں کر اثر انداز ہوئی ہیں؟ سُنئے، اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ ان تحریکوں نے برطانوی راج پر بڑا بھاری دباؤ ڈالا اور گورنمنٹ کے کل پُرزوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مگر ان کی حقیقی اہمیت میری نظر میں اُس اثر میں مضمر ہے جو اِن تحریکوں نے خود ہماری قوم کے لوگوں اور خصوصیت کے ساتھ دیہات کے عوام پر ڈالا ہے۔

غربت وافلاس اور مطلق العنان حکومت کے ایک طویل دور نے، جو ناگزیر طور پر خوف و دہشت اور مجبوری و بے کسی کی ایک فضا بھی اپنے ہمراہ لایا تھا، لوگوں کو یکسر پست ہمت اور ذلیل بنا کر رکھ دیا تھا۔ اچھی شہریت کے لئے جو اخلاقی خوبیاں ضروری ہوا کرتی ہیں اُن میں سے کوئی خوبی مشکل ہی سے ان لوگوں کے اندر باقی رہ گئی تھی۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا سرکاری ملازم، محصل، پولیس کانسٹبل، اور زمینداروں کا ہرکارہ تھپڑوں اور لات گھونسوں کے ساتھ ان سے پیش آیا کرتا تھا۔ اِن لوگوں میں جرأت و ہمّت نام کو باقی نہیں رہ گئی تھی اور نہ ان کے اندر کوئی متحدہ محاذ بنا کر کام کرنے یا جبر و استبداد کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رہ گئی تھی۔ یہ لوگ چیپڑ قناتیوں کی طرح دُم دبائے پھرا کرتے اور ایک دوسرے کے خلاف چغلیاں کھایا کرتے تھے اور جب جینا سرے ہی سے اجیرن ہو جاتا تھا تب یہ غریب موت کی آغوش میں پناہ ڈھونڈھا کرتے تھے۔ ان بے چاروں کی یہ حالت بڑی دل شکن اور قابل افسوس تھی مگر ان کی اس حالت کے لئے اِن ہی کو ذمّے دار نہیں ٹھیرایا جا سکتا تھا۔ یہ بے چارے حالات کی بے پناہ قوّت کا شکار تھے۔ ترکِ موالات نے ان لوگوں کو اِس دلدل سے باہر کھینچ نکالا اور اِن میں خودداری اور اعتمادِ نفس پیدا کیا۔ ان لوگوں نے باہم تعاون کی عادت ڈالی، جرأت و ہمّت سے کام لینا سیکھا اور بے جا اور غیر منصفانہ جبر و تشدّد کے سامنے اتنی آسانی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کر دینے کی خو چھوڑ دی، اُن کے نظریے میں وسعت پیدا ہوئی اور ان لوگوں نے ہندوستان پر ایک ناقابل تقسیم ملک ہونے کی حیثیت سے تھوڑا بہت غور کرنا شروع کیا۔ اور ان لوگوں نے بازاروں میں اور اپنے ملنے جلنے کی جگہوں میں سیاسی اور اقتصادی مسائل پر دگنواروں کی سی بحثیں شروع کر دیں۔ متوسط طبقوں کی نچلی سطحیں بھی اسی طرح اثر پذیر ہوئیں مگر جو تبدیلی طبقۂ عوام میں رونما ہوئی وہ نہایت ہی پُر معنی تھی۔ یہ ایک عجیب و غریب اور نمایاں کایا پلٹ تھی اور اس تغیرِ کلی کا فخر و امتیاز گاندھی کی قیادت میں کانگریس ہی کو ملنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جو دستوروں

اور حکومت کی ہیئتِ ترکیبی سے کہیں بڑھ کر اہم تھی۔ صرف یہی وہ بنیاد تھی جس پر کسی پائدار حکومت یا دستور کی تعمیر کی جا سکتی تھی۔

یہ باتیں یقینی طور پر ہندوستانیوں کی زندگی میں ایک طوفانی انقلابِ عظیم کو مستلزم ہیں۔ دوسرے ملکوں میں جب کبھی کوئی ایسا انقلابِ عظیم برپا ہوا ہے تو وہ اپنی جلو میں نفرت اور جبر و تشدد کا بھی ایک سیلابِ عظیم لایا ہے۔ مگر پھر بھی مہاتما گاندھی کے طفیل ہندوستان میں نسبتاً بہت معمولی اور ہلکا سا طوفان آیا۔ ہم نے جنگ کے زمانے کی بہت سی خوبیاں اپنے اندر پیدا کرلیں اور اُس زمانے کی بُرائیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا۔ اور ہندوستان کی حقیقی وحدتِ ترکیبی پچھلے تمام ادوارِ تاریخ کی منسبت کہیں زیادہ قریب تر آگئی۔ یہاں تک کہ مذہبی اور فرقہ دارانہ اختلافات بھی نرم تر ہو گئے۔ آپ جانتے ہیں کہ اہم ترین سوال جو ہندوستان کی ۸۵ فی صدی آبادی پر اثر انداز ہوتا ہے وہ آراضی کا سوال ہے۔ ایسا ہی کوئی انقلاب اسی خوفناک اقتصادی سرد بازاری کے ساتھ اگر کسی دوسرے ملک میں برپا ہوا ہوتا تو اُس کی انتہا کسانوں کی بغاوت پر ہوتی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ ہندوستان ایسی بغاوتوں سے محفوظ رہا۔ یہ حکومت کے جبر و تشدد کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ گاندھی کی تعلیم اور کانگریس کے پیغام کا اثر ہے۔

اس نہج پر کانگریس ملک کی تمام زندہ قوتوں کو بیدار کر کے بروئے کار لائی اور تمام مضرت رساں اور تخریبی رجحانات کو اُس نے دبا دیا۔ اس میں لازمی طور پر خطرات بھی تھے۔ مگر کانگریس نے موجودہ حالات میں اپنی اس مہم کو امکانی حد تک پُر امن، منظم و منضبط اور مہذب و شایستہ طور پر انجام دیا۔ حکومت کا ردِ عمل کیا رہا؟ اس کو آپ خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اُس نے یہ کیا کہ اِن زندہ اور مردانہ قوتوں کو کچلا اور تمام مضرت رساں اور تخریبی رجحانات کی ہمت افزائی کی اور وہ بھی نہایت ہی ناشایستہ طریقے پر۔ پچھلے چھ سالوں میں برطانوی حکومت نے ہندوستان میں قطعی فاشستی طریقے پر حکمرانی کی ہے۔ فاشستی طرز والی حکومت کے ملکوں میں اور ہندوستان کی برطانوی حکومت میں اگر کچھ

فرق رہا ہے تو وہ صرف یہ کہ فاشستیوں کی طرح برطانوی راج نے اس واقعہ پر علانیہ فخر و ناز نہیں کیا۔

یہ خط نہایت ہی طویل ہو گیا ہے اور اب میں نئے دستوری ایکٹ پر تفصیل کے ساتھ نظر ڈالنی نہیں چاہتا۔ ایسی کسی تفصیلی نظر کی اب کوئی ضرورت بھی نہیں رہ گئی ہے اس لئے کہ ہندوستان میں بہت سے مختلف الخیال لوگ اس جدید ایکٹ کا تجزیہ اور اُس پر نقد و تبصرہ کر چکے ہیں مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ ایکٹ قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔ بالکل حال ہی میں ہندوستان کی لبرل پارٹی کے ایک نہایت ہی سر برآوردہ لیڈر نے ایک نجی صحبت میں اس جدید دستور کی اِن لفظوں میں تعریف فرمائی: "یہ دستورِ جدید ہماری تمام قومی تمناؤں اور آرزوؤں کی زہرناک ترین مخالفتوں کا عطرِ عطیر ہے"۔ کیا یہ اِک عجیب و غریب سی بات نہیں ہے کہ ہمارے اعتدال پسند سیاسی حضرات تو اس دستور کی نسبت یہ رائے رکھیں اور بایں ہمہ آپ ہندوستانیوں کی قومی آرزوؤں اور تمناؤں کے ساتھ اپنی طویل و عریض ہمدردیوں کے باوجود اس دستور کو پسند فرمائیں اور کہیں کہ یہ دستور" اس بات کو مستلزم ہے کہ ہندوستان میں قوّت و اقتدار کا قلعہ ہندوستانی ہاتھوں میں منتقل ہو جائے"؟ کیا ہمارے سوچنے کے طریقوں کے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ اتنی وسیع ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ یہ تو سیاسیات یا اقتصادیات کا کوئی حل طلب مسئلہ ہونے سے کہیں زیادہ نفسیات کا ایک مسئلہ ہو جاتا ہے۔

مسئلے کا نفسیاتی پہلو بھی بہر حال بہت اہم ہے۔ کیا انگلستان میں لوگ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ پچھلے چند سالوں میں ہندوستان پر کیا گزری ہے؟ انسانی وقار اور شائستگی کو کچل کر رکھ دینے کی سعی و کوشش اور اُن چرکوں نے جو جسموں سے زیادہ روحوں پر لگائے گئے، کیوں کر ہندوستانیوں کے قلب و دماغ پر ایک پائندہ اور اَمِٹ اثر چھوڑا ہے؟ میں نے اس سے پیشتر کبھی اتنی اچھی طرح محسوس نہیں کیا تھا کہ قوّت و اقتدار کا ظالمانہ و جابرانہ استعمال ظالم و جابر حاکموں اور مظلوم و مجبور رعایا دونوں کو

ذلیل ورُسوا کر کے رکھ دیتا ہے۔ ہم اِن باتوں کو کیوں کر بھول سکتے ہیں جب تک کہ ہم ہر ایسی چیز کو بھول نہ جائیں جو شایستہ و مہذّب اور معزّز و باوقار ہے؟ ہم اِن باتوں کو کیوں کر بھول سکتے ہیں جب کہ وہ ہر روز برابر وقوع میں آرہی ہوں؟ کیا آزادی اور قوّت و اقتدار کے قلعے کی کُنجیوں کی منتقلی کا یہی پیش خیمہ ہے؟

جبر و استبداد کا ردِّ عمل قوموں میں مختلف صورتوں پر رُونما ہوا کرتا ہے۔ بعض قومیں چور چور ہو جاتی ہیں اور بعض پہلے سے بھی زیادہ سخت جان ہو جاتی ہیں۔ دوسری جگہوں کی طرح ہندوستان میں بھی دونوں طرح کے لوگ موجود ہیں۔ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنے رفقائے کار کو، جو جیل خانوں میں پڑے تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں، تنہا نہیں چھوڑ سکتے، خواہ اس کا نتیجہ خود ہمارے حق میں کیسا ہی ہو۔ ہم میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو گاندھی کی اہانت برداشت نہیں کر سکتے خواہ ہم گاندھی سے متفق الرّائے ہوں یا مختلف الرّائے۔ اس لیے کہ گاندھی ہماری نظر میں ہندوستان کی عزّت و آبرو کے نمایندے ہیں۔ کوئی شخص جس کے حواس دُرست ہوں لڑنا جھگڑنا، مصیبتیں جھیلنا یا تباہی و بربادی کی راہ اختیار کرنی نہیں چاہتا۔ ہندوستان کی قومی تحریک نے ایک طرف تو اپنے وجود کی اساس وبُنیاد کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور دوسری طرف اس تباہی و بربادی کی راہ سے بچ کر گزر جانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔ مگر برطانوی راج نے یہی راہ پسند کی اور مسئلے کے پُرامن حل کو مشکل سے مشکل تر بنا دیا۔ اگر وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ صرف اسی راہ پر گامزن رہنے پر اصرار کر کے کامیاب ہو جائے گا تو اُس نے تاریخ کے سبق کو بھی عجیب طریقے سے غلط پڑھا اور ہندوستانیوں کے موجودہ مزاج کو بھی غلط سمجھا۔ اگر تباہی و بربادی کی راہ سے بچنا منظور ہے تو برطانوی راج کو اپنا وہ قدم، جو وہ آگے بڑھا چکا ہے، پیچھے ہٹانا پڑے گا۔

ازراہِ کرم مجھے اتنا لمبا خط لکھنے پر معاف فرمادیجیے گا۔

آپ کا مخلص

جواہر لعل نہرو

مارکویس لوتھین
سیمور ہاؤس
۱۷ واٹرلو پلیس
لندن۔ ایس۔ ڈبلیو۔ ۱

۱۱۹۔ از ایڈورڈ تھامپسن

لندن، ۲۶ر نومبر ۱۹۳۵ء

عزیز نہرو (رسمی تکلفات کی ہمیں ضرورت نہیں ہے)

میں ایک ماہ کے اندر ہندوستان جا رہا ہوں مگر آخر اپریل تک واپس آجاؤں گا۔

آپ کی بیوی علیل ہیں اور آپ کا اپنی کتاب کی طباعت کو دیکھتے رہنے کی غرض سے برابر دَوڑتے رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے اگر میں کوئی ناشر مہیا کرنے میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں تو آپ آیندہ اپریل میں کتاب کا مسودہ مجھے ضرور بھیج دیں۔ میں یقیناً مدد کر سکتا ہوں اور کروں گا۔ میرا آپ کا متفق الرائے ہونا یا مختلف الرائے ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ حق حاصل کر لیا ہے کہ آپ کی باتیں پورے طور پر اور کامل عدل و انصاف کے ساتھ سُنی جائیں۔ میں اُس وقت بھی مدد کر سکوں گا جب نقد و تبصرے کا وقت آئے گا۔

آپ مجھ کو بہت ہی خستہ و ماندہ نظر آئے۔ میں خود بھی ایسا ہی کچھ ہوں اور اُس پر صحت بھی کچھ ایسی ہی رکھتا ہوں اس لئے میں ہمدردی کر سکتا ہوں۔ میں برطانیہ اور ہندوستان میں دوستی کا خواہاں ہوں، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ کا۔ میں ایک عادلانہ معاشرتی نظامِ حیات کا قیام یہاں بھی چاہتا ہوں اور ہندوستان میں بھی۔ اس لئے آپ اپنے خود نوشت سوانح حیات کی نشر و اشاعت میں بھی اور اُس دوسری کتاب کی طباعت میں بھی، جو مجھے امید ہے کہ آپ معاشرتی اور اقتصادی مسائل پر لکھیں گے، مجھ سے کام لینے میں ہرگز کوئی پس و پیش نہ کریں۔ جو کچھ بھی میں کر سکتا ہوں اُس کے لئے حاضر ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ

مسز نہرو کی صحت برابر بہتر ہوتی جائے گی۔

ایس۔ سی۔ بی سے متعلق میں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور میں نے کئی بار ایسا کیا۔ مگر یہاں کے اونچے حلقوں میں میں خود بھی کوئی گوارا شخص نہیں ہوں۔

آپ کا مخلص

ایڈورڈ تھامپسن

ایس۔ سی۔ بی سے اشارہ سبھاش چندر بوس کی طرف ہے۔

۱۲۰۔ از رچرڈ۔ بی۔ گریگ

ایلمیٹ اسٹریٹ، ساؤتھ ناٹک

ماساچوسٹس، ریاستہائے متحدہ امریکا

۳ر دسمبر ۱۹۳۵ء

میرے محترم نہرو

آپ کے چودھویں نومبر کے خط اور بیسویں کے پوسٹ کارڈ کا شکریہ۔ یہ معلوم کر کے مجھے مسرت ہوئی کہ دونوں کتابیں آپ کو بحفاظت پہنچ گئیں۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ جب تک کہ غیر متشدد مقاومت کے پہلو بہ پہلو انقلاب یا اصلاح کا کوئی متوازن و یک رنگ اقتصادی اور معاشرتی پروگرام بھی نہ چل رہا ہو تنہا اس قسم کی کوئی تحریک اُن تبدیلیوں کے بروئے کار لانے کے لئے کافی و وافی نہ ہوگی جو ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر کے لئے ضروری ہیں۔ گاندھی کے پروگرام کی یہی ایک بات مجھے پسند ہے کہ وہ اپنے ساتھ ایک ایسا اقتصادی حصہ بھی رکھتا ہے جس پر ہر شخص روزانہ تھوڑا بہت کام کر سکتا ہے۔ یہ مان بھی لیا جائے کہ کھدر اور دیہی صنعتوں کے پروگرام نامکمل ہیں، تب بھی اُن میں ایک فائدہ یہ ہے کہ ایک تو وہ غیر متشدد مقاومت کے اصول سے ہم رنگی رکھتے ہیں دوسرے کسانوں کے اقتصادی حالات پر اُن کا بیّن اثر پڑتا ہے۔ غیر متشدد مقاومت کے پہلو بہ پہلو اس اقتصادی اور معاشرتی تبدیلیوں کے معاملے پر میں کافی غور کرتا رہا ہوں اور مجھے یقین

ہے کہ اس پروگرام کے تعمیری اقتصادی حصے کو بہت زیادہ اور پورے طور پر ترقی دینا ضروری ہے۔

آپ کے اور گاندھی کے درمیان، ایک واضح تر معاشرتی ہدف یا غایت اور اُس ہدف یا غایت کے حصول کے وسائل و ذرائع کی نسبی خوبیوں سے متعلق، جو خط و کتابت ہوئی ہے اُس کو میں نے بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ مستقبل کے معاشرے کا ایک قسم کا ابتدائی اور اجمالی خاکہ جو ایک علامتی نشان اور لوگوں میں عمل کی رُوح پھونکنے اور ان کی توتیں ایک نقطے پر مرتکز کر دینے کا ذریعہ بن سکے، میری نظر میں وزن اور قیمت رکھتا ہے مگر دو باتیں مجھے مضطرب رکھا کرتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ انسانی معاملات کچھ اس درجہ پیچیدہ واقع ہوئے ہیں کہ مستقبل کی نسبت کوئی سو فی صدی درست پیش گوئی ممکن ہی نہیں ہے اور یہ تو یقینی ہے کہ مستقبل کی ہئیت حکومت کے لئے ہم خواہ کتنا ہی مکمل سا نقشہ کیوں نہ تیار کر لیں وہ اُس شکل میں کبھی بر روئے کار نہ لایا جا سکے گا جس شکل میں اُس کی تکمیل کا ہم نے منصوبہ بنایا ہے۔ یہ بات موجودہ تمام حکومتوں پر صادق آتی ہیں۔ روس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات ہمیشہ یونہی صحیح ثابت ہوگی۔ اگر ہم اپنے اصل ابتدائی خاکے سے بہت زیادہ چمٹے رہنے کی کوشش کریں گے تو ہماری تمام کوششیں اکارت جائیں گی۔ ہمیں مطابقت پذیر رہنا چاہئے اور وقت کی متحرک اور رواں دواں توتوں سے، جیسے جیسے وہ نمو پائیں اور تغیر پذیر ہوں، نپٹتے رہنا چاہیئے۔

میرے لئے دوسری شبہہ کی بات یہ ہے کہ اگر ہم مستقبل کی مثالی حکومت کی تفصیلات کو مرتب کرنے پر بہت زیادہ وقت اور محنت صرف کریں گے تو ہم پر بھی اس کا وہی اثر پڑے گا جو حکومتِ الٰہی کے مسیحی تصوّر نے مسیحیوں پر ڈالا تھا۔ معیاری نصب عین اور حقیقتِ موجودہ کے درمیان جو نمایاں فرق ہے وہ معیاری نصب عین کے حصول کو مستقبل میں اتنی دور پھینک دیتا ہے کہ لوگ اس نصب عین کو محض ایک معیاری تخیل سمجھنے لگتے

ہیں اور اُس کے حصول کے لئے کوئی بہت بڑی قربانی دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ایسا نصب عین بے عملی کے لئے ایک بہانہ اور ریاکاری کی ایک ٹٹی بن جایا کرتا ہے۔ اس سبب سے گاندھی جی کا اس طریقِ کار پر زور دینا مجھے دانشمندانہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس طریقِ کار کو اور زیادہ اور بھرپور ترقی اس طرح دی جاسکے کہ غیر متشدّد مقاومت کے تکملہ کے طور پر ہر روز کی اقتصادی اور معاشرتی کوششیں بھی اُس میں اس طرح سمو دی جائیں کہ پروگرام کا ہر جزو دوسرے اجزاء کی تکمیل کے لئے لوگوں کو تیّار کر دے اور اُن کے اندر ضبط و نظم پیدا کر دے تو پھر کیا ایسے علامتی نشان اختراع نہیں کئے جاسکتے جو انسانی قوتوں کے بیدار کرنے، کسی ایک نقطے پر مرتکز کر دینے، ان کے برقرار رکھنے اور دوسروں کی طرف منتقل کرنے میں مؤثر اور کارگر ثابت ہوں؟ اور ہم تو یہ کہیں گے کہ یہ طریقِ کار اُن دو خطروں سے تو محفوظ رکھے گا جو مذکورالصدر طریقِ کار میں مضمر ہیں۔ جیسا کہ میں اوپر ذکر کر چکا ہوں، مگر اثر آفرینی میں مستقبل کی مثالی اشتراکی ریاست کی تصویر سے کم نہ ہوگا۔

میں نے آپ کا خط پڑھ کر محسوس کیا کہ نیبور نے عوام کی بھیڑ کی استعداد کا جو مایوس کُن اندازہ لگایا ہے آپ کو اُس سے اتفاق ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میں پورے طور پر یہ نہیں سمجھ پایا کہ آپ اور وہ اشتراکی کیوں کر ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ اشتراکیت تو عوام سے بڑے اونچے درجے کی اور پائدار اخلاقی سیرت و کردار کی طلب گار ہوگی، اِلّا یہ کہ آپ اُسے ایک چھوٹی سی اقلیت کے جبر و تشدّد کے بل بوتے پر بروئے کار لانا تجویز کرتے ہوں۔ اگر اشتراکیت اس طرح قائم کی گئی اور باقی رکھی گئی تو اس اقلیت کو اقتصادی پیداوار کے وسائل اور ذرائع پر قبضہ رکھنا پڑے گا اور اس صورت میں میں اس اقلیت کو ایک حکمراں طبقہ سمجھوں گا۔ اس حکمراں اقلیت کا جبر و تشدّد مخالفتیں پیدا کرے گا اور تب آپ کو اُسی صورتِ حال کا اعادہ کرنا پڑے گا جو عام طور پر ایک طبقے کی حکمرانی سے پیدا ہو جایا کرتی ہے اور تب اس حکمراں اقلیت کو (کم از کم

کمیونزم کے نظریے کے لحاظ سے) مقامِ اقتدار سے ہٹانے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے عوام کے ایک تشدّد آمیز انقلاب سے کام لینا پڑے گا۔

مجھے یہ سُن کر بڑی مسرّت ہوئی کہ آپ کی بیوی روبصحت ہو رہی ہیں۔ امید ہے کہ وہ برابر بہتر ہوتی جائیں گی۔ ایک دوسرے لفافے میں آپ کو اپنے ایک رسالے کا ایک نسخہ بھیج رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ رسالہ آپ کی نظر سے گزرا یا نہیں۔ اس رسالے کا عنوان خود ناشر کا منتخب کردہ ہے۔ مجھے اس امر کا افسوس ہے کہ عنوان سے گاندھی کے پروگرام اور اشتراکیت کے درمیان مخالفت کے معنے مفہوم ہوتے ہیں۔ مگر میں نے اپنے اس رسالے میں گاندھی کے پروگرام اور اشتراکیت کے درمیان موازنہ کرنا چاہا ہے نہ کہ تضاد دکھانا۔

بہترین تمنّاؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

رچرڈ بی۔ گریگ

تکملہ: میرے دل میں ایک دوسرا شبہہ مستقبل کے معاشرے کی مکمّل تصویر کے بارے میں عوام کی تعلیم پر بہت زیادہ زور دینے اور اس پر بہت زیادہ محنت کرنے کے پسندیدہ و مرغوب ہونے سے متعلق ہے، یہ معاشرہ خواہ اشتراکی نوعیت کا ہو یا کسی اور نوعیت کا۔ کسی سیاسی یا اقتصادی تنظیم کی کوئی خاص شکل بجائے خود کوئی غایت نہیں ہوتی بلکہ وہ اصل مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہوا کرتی ہے، یعنی لوگوں کے لئے ایک بھرپور اور تشفی بخش زندگی کے حصول کا۔ اگر سیاسی اور اقتصادی تنظیم کی کسی خاص شکل پر بہت زور دیا گیا اور برسوں اُس خاص شکل کی تفصیلات پر پروپاگنڈا اور لوگوں کی تعلیم جاری رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں اسی شکلِ خاص کو مقصدِ اصلی نہ سمجھ بیٹھیں اور وہ ایک ایسا تصوّر نہ بن جائے جو زندگی اور قوّت سب کچھ اپنے اندر سمیٹ لے اور لوگوں کی نظر میں اتنا اہم ہو جائے کہ لوگ اس بات پر آمادہ ہو جائیں کہ بجائے اس کے کہ اس شکلِ خاص کو

لوگوں کی زندگیاں زیادہ صحتمند و پُرمسرّت بنانے کا ایک ذریعہ جانیں خود لوگوں کی زندگیوں کو اُس تشکل کی تکمیل کا ایک ذریعہ قرار دے لیں مستقبل کے معاشرے کی ہیئتِ ترکیبی کی تصویر کا خاکہ اغلب ہے کہ ایک تحریری شکل ریاستہائے متحدہ امریکا کے دستور اساسی کی اختیار کرے گا اور اتنا بے لوچ ہو جائے گا کہ مستقبل کے تغیّر حالات کے ساتھ بدلنے کی صلاحیت اُس میں نہ رہ جائے گی۔

میرے خیال میں یہ ایک برتری ہے جو برطانیہ کے غیر قلم بند دستور کو ریاستہائے متحدہ امریکا کے قلم بند دستور پر حاصل ہے۔ ایک خاص تحریری شکل میں نہ ہونے کے سبب یہ لوچ دار اور تغیّر پذیر ہے۔ یہ یقیناً درست ہے کہ اکثر یہ تبدیلی کسی بہانے کی آڑ لے کر کی جاتی ہے، لیکن باوجود اس کے یہ تبدیلی کر ہی دی جاتی ہے۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جب ایک بار اشتراکی نصب عین سے ملتے جلتے کسی منصوبے پر اتفاق ہو جائے تب اُس وقت سے لوگوں کو اُن طریقوں کی تعلیم دینے کی خاص طور پر سعی و کوشش کرنا زیادہ قرین عقل ہوگا جن سے وہ قوت و اقتدار حاصل کر سکیں اور جب وہ قوت و اقتدار حاصل کر لیں تب اُس وقت سیاسی اور اقتصادی دستور کی جو خاص شکل سب سے زیادہ موزوں نظر آئے اختیار کریں۔ یہ جو کچھ میرے ذہن میں آیا ہے تجربی اور آزمائشی ہے اور اگر آپ کو وقت ملے اور آپ اِن باتوں پر ناقدانہ نظر ڈالیں تو میں آپ کی مدد کا شکر گزار ہوں گا۔

آر۔ بی۔ جی

۱۲۱۔ از رفیع احمد قدوائی

لکھنؤ، ۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء

پیارے جواہر لعل جی،

آپ کا خط مورخہ ۱۵ر نومبر ۲۸ر کو مسولی پہنچا اور مجھے ۲ر دسمبر کو مسولی پہنچنے پر ملا۔ "براہ ہوائی ڈاک" کی چِٹ پر "منسوخ" کی مُہر لگی ہوئی تھی۔

مجھے یہ سُن کر قلق ہوا کہ کملا جی کی ترقیِ صحت میں پھر رکاوٹ پڑ گئی ہم سب

بڑی آرزو کے ساتھ اُن کے جلد صحت یاب ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آئیے ہم سب امیدیں کریں کہ وہ بہت جلد اتنی تندرست ہو جائیں گی کہ آپ جلد ہندوستان واپس آسکیں گے۔

آج میں ایک نہایت تکلیف دِہ مخمصہ میں ہوں اور اِس مخمصے میں مجھے آپ نے ڈالا ہے، اِس کے ذمّے دار آپ ہیں۔ ۲۷-۱۹۲۵ء کے افسوسناک تجربے کے بعد میں نے پی۔ سی۔ سی کی انتظامی ٹولی سے باہر ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر ۱۹۳۱ء میں میرے پیہم انکار کے باوجود آپ نے زبردستی مجھ کو اُس میں گھسیٹ لیا۔ میں نے آپ کو مخالفت کے امکانی سرچشمے سے آگاہ کر دیا تھا۔ مجھے جن باتوں کا ڈر تھا اب وہ وقوع میں آ رہی ہیں۔ آج میں ایک نہایت ہی پریشان کُن صورتِ حال میں پھنسا ہوا ہوں۔ اگر میں اپنا نام واپس لے کر علیحدہ ہو جانے کی کوشش کروں تو مجھ پر دوسرا بحران پیدا کر دینے کا الزام رکھا جاتا ہے، لیکن اگر میں بدستور کام کرتا رہوں تو مجھے ذلیل کرنے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے چاہے اس حرکت سے ہماری تنظیم کا ضبط و نظم تباہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔

میں تفصیلات بیان کر کے آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتا لیکن کسی روز اگر آپ یہ سُنیں کہ میں نے کوئی احمقانہ حرکت کر ڈالی تو مجھے امید ہے کہ آپ میری اس حرکت کو اُس مایوسانہ حالت کی طرف منسوب کریں گے جس کی طرف مجھے ڈھکیلا جا رہا ہے۔

آپ کا

رفیع

۱۲۲۔ از راجندر پرشاد

کیمپ واردھا

۱۹ر دسمبر ۱۹۳۵ء

میرے عزیز جواہر لعل جی،

کچھ روز ہوئے مجھے آپ کا خط اُس وقت ملا جب میں جنوب میں دورہ

کر رہا تھا۔ میں یہاں ۱۳ر کو آیا اور آپ کے بعض ایسے خطوط کو پڑھ کر مستفید ہوا جو آپ نے باپو اور مہادیو کو لکھے تھے۔ امکانات یہ ہیں کہ آپ آئندہ اجلاس میں کانگریس کے صدر چُن لیئے جائیں گے۔ میں اس بات کو جانتا ہوں کہ وتبھ بھائی، جمنالال جی اور میرے جیسے لوگوں کے اور آپ کے طرزِ فکر کے درمیان کچھ اختلاف رہا ہے اور بنیادی قسم کا اختلاف رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ اختلاف سالہائے گزشتہ میں بھی رہا مگر پھر بھی ہم نے مل جل کر کام کیا ہے اور اب جب کہ باپو نے ایک معنی میں علیحدگی اختیار کر لی ہے اور صرف اُس وقت مشورہ دیا کرتے ہیں جب اُن سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، اِن اختلافات کے اور زیادہ نمایاں ہو جانے کا امکان ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک کہ ہمارے پروگرام اور کام کے طریقوں میں کوئی بنیادی تبدیلی نہ ہو جائے تب تک ہم لوگوں کے لئے مل جل کر کام کرنا ممکن رہے گا۔ موجودہ صورتِ حالات سے آپ بلاشبہ غیر مطمئن ہیں، ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی یہاں اُس سے مطمئن نہیں ہے۔ مگر یہ دشواریاں بالکل فطری ہیں اور ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ رفتارِ ترقی کو بہ جبر تیز نہیں بنایا جا سکتا اور نہ کسی عام تبدیلی کا پیدا کیا جانا ممکن ہے۔ ہر بڑی کشمکش میں حالات کی ایسی صورتوں سے ہمیں دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ ہم خواہ کتنے ہی جز بز ہوں اور کتنا ہی پیچ و تاب کھائیں ہمیں ذلت سہنا ہی پڑے گی لیکن کام کرتے ہوئے اچھے وقتوں کا انتظار بھی کرنا پڑے گا۔ ہم اِس وقت ایک ایسے ہی بحران سے گزر رہے ہیں۔ مگر میں بد دل یا شکستہ خاطر ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ طلبِ آزادی کی روح کچلی نہیں گئی ہے اور نہ سپر ڈال دینے، ہمت ہار بیٹھنے اور بے کسانہ تسلیم و اطاعت قبول کر لینے کی سی کوئی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ میں یقین نہیں کرتا کہ کوئی بھی ترکِ موالات سے پہلے کی ذہنیت کی طرف واپس گیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم ۲۸-۱۹۲۳ء کو واپس گئے ہیں۔ ہم ۲۹-۱۹۲۸ء کی ذہنیت رکھتے ہیں۔ اچھے دن جلد ہی واپس آئیں گے، اِس میں مجھے کوئی شک و شبہہ نہیں ہے۔ ہم سب اپنی بہترین صلاحیتوں اور روشنیوں کے مطابق کام کرتے اور تحریک کو چلاتے رہے ہیں۔

اور اس سے زیادہ کوئی کر بھی نہیں سکتا۔ بہ ہر صورت آپ کو یقیناً پوری آزادی حاصل ہے کہ حالات کو جس قالب میں چاہیں ڈھالیں اور اپنے پسند کی مجلسِ عاملہ ترتیب دیں اور مطمئن رہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی آپ کی راہ میں کوئی دشواری نہ پیدا کرے گا اور جہاں ہم آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے وہاں آپ کی راہ میں کوئی رکاوٹ بھی ہر گز نہ ڈالیں گے۔

میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک خط میں اُس پروگرام کو بیان کر دوں جس کے پورا کرنے کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔ یہ پروگرام بے مقصد نہیں ہے اور نہ وہ صرف وقت گزاری کا کوئی بہانہ ہے۔ لیکن اگر یہ پروگرام آپ کو پسند نہ آیا تو کوئی اُس سے کورا نہ چمٹا نہ رہے گا بشرطیکہ اس سے بہتر کوئی پروگرام سامنے رکھا جا سکا۔ ہم نے معاملات کو اور زیادہ پیچیدہ نہیں بنا دیا ہے اور یقیناً آپ ایک ایسی لوح پر لکھنا شروع کر سکتے ہیں جس کو ہم نے خراب نہیں کیا ہے۔

یہ بات غلط اور نامنصفانہ طور پر فرض کر لی گئی ہے کہ مجلسِ عاملہ نئے دستور کے ماتحت عہدوں کے سوا اور کسی دوسرے مسئلے پر غور نہیں کرتی رہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس معاملے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ اس کے برخلاف یہ دوسرے ہی لوگ ہیں جو ہمیں کوئی فیصلہ کر لینے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ پہلی کوشش گزشتہ اپریل میں جبل پور میں کی گئی اور اُس وقت ہم نے یہ محسوس کیا کہ اس مسئلے پر ابھی سے کوئی فیصلہ کر لینا بہت ہی قبل از وقت ہوگا۔ ہم اُسی فیصلے پر جمے رہے جس کی توثیق مدراس میں کی گئی تھی۔ لکھنؤ میں اس مسئلے سے نپٹنا پڑے گا۔ کسی طریقے پر بھی یہ مسئلہ دشواریوں سے خالی نہ ہوگا۔

میرے نزدیک اس مسئلے کو یوں سامنے لانا کہ گویا یہ عہدوں کے قبول کرنے یا نہ قبول کرنے کا کوئی سوال ہے، درست نہیں ہے۔ جہاں تک میں اندازہ لگا رکا ہوں کوئی عہدوں کو عہدوں کی خاطر قبول کرنا نہیں چاہتا۔ کوئی دستور کو اُس طریقے پر چلانا نہیں چاہتا جس طریقے پر حکومت اُس کو چلوانا چاہتی ہے۔ ہمارے مسئلے بالکل ہی دوسرے ہیں۔ ہم اس دستور کو کیا

کریں؟ کیا ہم اس کو بالکل ہی نظر انداز کر دیں اور اپنی راہ پر چلیں؟ کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟ یا اس پر قابض ہو کر ہم اس کو اپنی صواب دید کے مطابق اس حد تک استعمال کریں جس حد تک بھی وہ استعمال کئے جانے کی گنجائش رکھتا ہو؟ کیا ہم اس دستور سے اندر سے لڑیں یا باہر سے۔ اور لڑیں تو کس طریقے پر؟ سوال حقیقت میں اُس صورتِ حال سے نپٹنے کی غرض سے جو اس دستور کے نفاذ سے پیدا ہو گئی ہے، موجودہ حالات کی روشنی میں ایک قطعی پروگرام ترتیب دینے کا ہے۔ یہ کوئی ایسا سوال نہیں ہے جس کا جواب محض ظن و قیاس سے حامی تبدیلی (پرو چینجر) اور مخالف تبدیلی (نو چینجر)، موالاتی اور رکاوٹ ڈالنے والے کی نسبت پہلے سے قائم کئے ہوئے تصورات کی بنیاد پر دے دیا جائے۔ کچھ کیچڑ بھی ضرور اُچھالی جائے گی مگر ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ ہمیں صرف ملک کی بھلائی کو اپنے سامنے رکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ ہمارے فیصلے کا اُس مقصدِ عظیم پر کیا اثر پڑے گا جو ہمارے پیش نظر ہے اور دوسری تمام باتوں سے قطع نظر کر کے اِس سوال پر غور و فکر کرنا اور فیصلہ کرنا پڑے گا۔

ریاستوں کے بارے میں ہم نے محسوس کیا کہ ہم اُس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتے جو ہم نے مدراس میں کہا۔ یہ ایک سوچا سمجھا ہوا فیصلہ ہے جو بڑے غور و فکر کے بعد کیا گیا ہے۔ اور اگر ہمارے اور دوسروں کے درمیان اس مسئلے سے متعلق کوئی خلیج حائل ہے تو ہمیں اس کا اعتراف کر لینا پڑے گا۔

دوسرے ملکوں میں پروپاگنڈا کے سوال سے متعلق بھی صورتِ حال اس سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وسائل کی دشواریوں سے قطع نظر، ہم نہیں جانتے کہ کوئی مؤثر کارروائی کی بھی جا سکتی ہے یا نہیں۔ ہم اتنا کر سکتے ہیں کہ اُن تعلقات کے ذریعے جو آپ جیسے دوستوں نے دوسرے ملکوں کے لوگوں سے قائم کر لیے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے معاملات سے اپنے آپ کو آگاہ رکھیں اور یہاں کی صورتِ حال سے متعلق صحیح معلومات کی اشاعت اِن لوگوں کی معرفت دوسرے ملکوں میں کرتے رہیں جیسا کہ اب تک ہم کرتے

آئے ہیں۔ اِس سے زیادہ کچھ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم اپنے یہاں کی صورتِ حال کی حقیقتوں کا اتنا شدید اور زندہ احساس رکھتے ہیں کہ اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ دوسرے ملکوں پر بھی کوئی اثر ڈال سکتی ہیں ہمارے لئے خارج از بحث ہے۔ اگر ہم طاقت ور اور متحدر ہے تو ہم ان ملکوں کو بھی مجبور کر سکیں گے کہ وہ ہم کو نظرانداز نہ کریں، اگرچہ وہ خود ہی اپنے چکرا دینے والے مسائل کا حل سوچنے میں غرق ہیں۔

دوسرا ایک خانگی نوعیت کا سوال دستور پر نظرِ ثانی کرنا ہے۔ میں نے اس کے متعلق آپ کا نوٹ دیکھا۔ آپ کی کچھ تجویزیں مجھے پسند آئیں۔ ہم نے اس معاملے پر غور کرنے کے لئے ایک ضمنی کمیٹی مقرر کر دی ہے اور کانگریس کے انعقاد سے پہلے ہی ہم رپورٹ دے دیں گے۔ اگر آپ کے ذہن میں کچھ اور تجویزیں ہوں تو ازراہِ کرم ہمیں بھیج دیں۔

ایک پیچیدہ اور نازک سوال پیدا ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کانگریس کے دستور کے ماتحت اس سے پیشتر کہ کوئی شخص کسی منتخب کمیٹی کا ایک رکن کسی عہدے کے لئے چُنا جا سکے اُس کے لئے ضروری ہے کہ ۱ وہ کانگریس کا چھ ماہ سے ممبر ہو، ۲ وہ عادتاً کھادی پہنتا ہو اور ۳ جیسا کہ دستور میں واضح کر دیا گیا ہے روزانہ کوئی ہاتھ کا کام کرتا ہو۔ دستور میں جیسا کہ وہ اس وقت ہے کہیں کوئی استثنا اُن لوگوں کے حق میں بھی نہیں ہے جو پہلے کانگریس کے صدر رہ چکے ہیں یا جو جیل جا چکے ہیں یا کسی اور وجہ سے ان شرطوں کے پورا کرنے سے عاجز ہیں۔ دستور کی ان شرطوں کے لحاظ سے آپ اور سبھاش بابو نہ تو مندوب چُنے جانے کا حق رکھتے ہیں اور نہ کوئی عہدہ دار۔ ڈاکٹر انصاری کی نظر بھی چوک گئی اور وقت کے اندر وہ بھی ممبری کے فارم پر دستخط کرنا بھول گئے۔ اب یہ سوال میرے پاس فیصلے کے لئے آیا ہے۔ میں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں دیا ہے۔ میں ایک نیا ضابطہ مجلسِ عاملہ کے ممبروں میں منظوری کے لئے گشت کرا رہا ہوں۔ اس ضابطے کی نقل اُن کاغذات میں ملے گی جو منسلک ہیں۔

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم واقعتاً کانگریس میں اکٹھا ہونے سے پہلے کبھی باہم مل کر تبادلۂ خیال نہیں کرسکے۔ یہ بھی بدقسمتی کی بات ہے کہ آپ اپنی واپسی پر بہت تھوڑا سا وقت واقعی حالات کا براہِ راست علم حاصل کرنے کے لئے پاسکیں گے۔ آپ غالباً فروری کے تیسرے ہفتے سے پہلے واپس نہ آسکیں گے اور کانگریس کا اجلاس مارچ ہی میں منعقد کرنا پڑے گا۔ ابھی میں نے تاریخ متعین نہیں کی ہے۔ مگر اجلاس کو مارچ کے پہلے ہفتے سے آگے لے جانے میں دشواریاں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان تاریخوں کو آپ اپنے لئے مناسب پائیں گے۔

ہم نے مندوبین کے انتخاب کی تکمیل کے لئے آخری دن ۷ رجنوری مقرر کیا ہے اور ۲۵ رجنوری انتخابِ صدر کے لئے جو تمام صوبوں میں بہ یک وقت ہوگا۔

مجلسِ عاملہ کا ایک جلسہ انتخابِ صدر کے نتائج کا اعلان کرنے کی غرض سے تقریباً آخر ماہ جنوری میں کرنا پڑے گا۔ میں چاہوں گا کہ مجلسِ عاملہ کو آئندہ اجلاس کے لئے جو پروگرام ترتیب دینا ہے اُس کے مسودے پر غور و فکر کرلیا جائے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام آپ کی موجودگی میں نہ ہو پائے گا۔ اس لئے میں اس کام کے لئے آپ کے تجویز کردہ وقت پر ایک دوسرا جلسہ کروں گا۔ مگر یہ کام جس قدر جلد ہو جائے اچھا ہے۔ اس اثنا میں اپنی تجویزیں، اگر ممکن ہو تو، ازراہِ کرم آپ مجھے بھیج دیں تاکہ ان پر غور کرنے کے لئے ہمیں تھوڑا سا وقت مل جائے۔

باپو کے خون کا دباؤ ابھی خاصا زیادہ ہے تین دن پہلے ڈاکٹر گلڈر اور جیوراج مہتا نے ان کا معائنہ کیا تھا۔ انھوں نے دو ماہ مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کملا جی آہستہ آہستہ ترقی کر رہی ہوں گی اور آپ کی غیر موجودگی سے اُن پر کوئی خراب اثر نہ پڑے گا۔

آپ کا مخلص

راجندر پرشاد

۱۲۳۔ از ایف لسنی

انڈوچیکوسلوواک سوسائٹی
اورینٹل انسٹی ٹیوٹ
پراہا ۲ ولاسکا ۱۹
چیکوسلوواکیا، پراہا
۱۹ر نومبر ۱۹۳۵ء

جناب عالی،

مجھے آپ کا بہت مخلصانہ شکریہ ادا کرنا ہے کہ آپ نے ازراہِ کرم مجھے ایک نسخہ اپنی تالیف "تاریخ عالم کی جھلکیاں" کا بھیجا۔ اس نسخے کے پہنچنے سے پہلے میں مسٹر نمبیار (جن کا میں شکر گزار ہوں) سے اُن کا نسخہ مستعار لے کر پڑھ چکا تھا۔ اب میں اس کتاب کا مطالعہ پورا کر چکا ہوں۔ تاریخِ عالم کے خاص دھاروں پر جو جامع اور محیط گرفت آپ کو حاصل ہے اُسے دیکھ کر، نیز اس موضوع کے درس و مطالعے میں آپ کے ذاتی و شخصی اندازِ فکر کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ مزید برایں، آپ کے خطوط میں ایک بڑا پُر محبت شخصی رنگ پایا جاتا ہے۔ مجھے دو اور کتابوں کے لئے بھی آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے خصوصاً "باپ کے خطوط اپنی بیٹی کے نام" کے لئے۔ یہ کتاب واقعی بے نظیر ہے۔

آپ نے ازراہِ کرم انڈین نیشنل کانگریس کے سکریٹری، مسٹر کرپلانی کو بھی کچھ مطبوعہ چیزیں مجھے بھیجنے کو لکھا تھا، مجھے اس مردِ شریف کا اِس بارے میں ایک بڑا کریمانہ خط ملا ہے۔

مجھے قطعی یقین ہے کہ آپ کی قیمتی مدد سے ہماری انجمن اپنے مقصد کی تکمیل میں کامیاب ہوگی: یعنی آپ کے عظیم الشّان ملک کے ساتھ تعلقات کے بڑھانے میں۔

مجھے یہ سُن کر بڑی مسرّت ہوئی کہ مسز نہرو کی صحت خاصی بہتر ہو گئی ہے اور اب وہ ہر خطرے سے باہر ہیں۔ ازراہِ کرم اُن کو میرے پُر از محبت احترامات پہنچا دیجئے۔

آپ کی بچی اندرا کے لئے، میں ایک دوسرے لفافے میں ایک کتاب اپنے پراہا کی نسبت بھیج رہا ہوں۔ شاید یہ تصویریں آپ کو اس بات پر آمادہ کر دیں کہ مستقبل قریب میں آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں اور تب آپ سے اور آپ کے گھر کے لوگوں سے اپنے خوب صورت شہر میں مل کر ہمیں بڑی مسرت ہوگی۔

مکرر شکریہ اور پُرمحبت احترامات کے ساتھ، عزیز مسٹر نہرو مجھ پر اعتماد کیجے۔

آپ کا نہایت ہی مخلص

ایف۔ لِسنی،

جواہر لعل نہرو صاحب

۱۲۴۔ از مادلین رولان

ولا لیوبنے ولانوو (واد)

۱۲ر جنوری ۱۹۳۶ء

پیارے مسٹر نہرو

ایک زمانے سے گاندھی جی کی خبریں براہِ راست مجھے نہیں ملی ہیں۔ مگر دسمبر کے ہریجن میں اور آج لوزان کے ایک اخبار میں میں نے یہ خبر پڑھی کہ وہ کثرتِ کار کے بوجھ سے سخت بیمار ہو گئے تھے اور انھیں ضغطۂ دم (خون کے دباؤ) کی شکایت ہو گئی تھی۔ میں آپ کی بہت شکرگزار ہوں گی اگر آپ مجھے ہندوستان سے آئی ہوئی تازہ ترین تفصیلات سے مطلع فرمائیں گے۔ مزید براں میں اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر آپ کی توجہ اُس افسوس ناک معرکہ آرائی کی طرف مبذول کراؤں گی جو آج کل یورپ میں بعض اشتراکی اور کمیونسٹ حلقوں میں سومیندر ناتھ ٹیگور کی اُس کتاب کی نسبت برپا ہے جو اس شخص نے گاندھی پر لکھی ہے۔ پچھلے ہی ہفتے کا ذکر ہے کہ جینیوا کے ایک اشتراکی اخبار "عوام کے حقوق" نے اس کتاب پر پورا ایک مقالہ لکھ مارا اور ان جملہ الزامات کی شدّ و مد کے ساتھ تائید کی جو

گاندھی جی پر لگائے گئے ہیں یعنی یہ کہ وہ سرمایہ داروں کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں، وہ عوام کے غدار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اس قسم کے جلے ہزارہا دیانت دار باشندگانِ مغرب جو اپنے اخبارات کے اعلانات پر کورانہ ایمان و یقین رکھتے ہیں، پڑھا کرتے اور تسلیم کر لیا کرتے ہیں!

اس بات کا حق تو ہر ایمان دار آدمی کو حاصل ہے کہ وہ گاندھی کے تمام خیالات کو تسلیم نہ کرے اور اُن کو ناکافی یا خطرناک قرار دے۔ مگر ایسے الزامات جو غلط مقدمات، کاٹ چھانٹ کر مسخ کیے ہوئے اقتباسات اور بے دلیل غرضمندانہ دعوؤں پر مبنی ہوں، نفرت انگیز ہوا کرتے ہیں اور جب وہ کسی ہندوستانی کے قلم سے نکلے ہوئے ہوں تو وہ پورے ہندوستان کی رُسوائی کا باعث ہو جایا کرتے ہیں۔

میں مغرب میں ہندوستان کے سچے دوستوں کے نام پر، تاریخی صداقت کے نام پر ــــــ میں گاندھی جی سے ارادتمندی اور دوستی کے نام پر نہ کہوں گی، اس لئے کہ وہ پہلے شخص ہوں گے جو یہ فرمائیں گے کہ سچائی کسی حال میں بھی ارادتمندی اور دوستی پر قربان نہ کی جانی چاہیئے ــــــ آپ سے یہ درخواست کرنے آئی ہوں کہ اس کتاب میں گاندھی جی پر جو حملے کیے گئے ہیں آپ اُن میں سے خاص خاص حملوں کی جو آشکارا گاندھی جی کی صحیح سیرت کے نہ سمجھ سکنے پر مبنی ہیں تردید فرما دیں، خواہ وہ تردید چند ہی سطروں میں کیوں نہ ہو۔

مجھے معاف فرما دیجیے گا، پیارے مسٹر نہرو، میں جانتی ہوں کہ آپ کے سامنے اپنے ملک کے لئے کرنے کے بہت سے کام ہوں گے مگر کیا انہی کاموں میں ایک کام یہ بھی نہیں ہے کہ ایسے متعصب لوگوں کو اُس شخص کے نامِ نیک پر کیچڑ اُچھالنے سے روکا جائے جس نے ہندوستان والوں میں اپنی فطری قوت و طاقت کا شعور پیدا کر دیا اور جس نے اپنی پوری زندگی، اپنے ایمان و عقیدت کے مطابق، ہندوستان کی خدمت اور مظلوموں کے مطالبات کی تائید پر بالکل پیغمبرانہ اخلاص کے ساتھ وقف کر دی ہے؟

میں فطری طور پر آپ کی یہ خدمت بجالانے پر مستعد ہوں کہ اس موضوع پر آپ جو مقالہ بھی مجھے بھیجیں گے میں اُس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر دوں گی اور پھر اپنے بھائی کی مدد سے اُسے فرانسیسی رسالوں اور اخباروں میں شائع کرانے کی کوشش کروں گی۔

مجھے امید ہے کہ مسز نہرو کی صحت برابر ترقی پذیر ہو گی اور اب کے موسمِ بہار میں ہم آپ سے سولینئان میں شرفِ ملاقات حاصل کریں گے۔ کیا آپ مسز نہرو کو ہماری بہترین تمنائیں اور اپنی صاحبزادی کو ہماری محبّت و صداقت کا پیام پہنچا دیں گے۔

مجھے اپنا غایت درجہ مخلص باور کریں

مادیلاین رولاں

۱۲۵۔ از مادیلائن رولاں

۱۷ فروری ولینا و (واد)

پیارے مسٹر نہرو،

میرے بھائی کے یومِ پیدائش کے موقع پر آپ نے جو دعائے خیر اُن کو بھیجیں اُن کے لئے وہ آپ کا بہت بہت پُر تپاک شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس بات پر اتنے ہی دلی رنج و افسوس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ اب آپ کی واپسی سے پہلے ہم آپ سے دوبارہ نہ مل سکیں گے، مگر ہم اس بات کو بہت ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ آپ کی واپسی میں اب یہ اخیر کے جو چند دن باقی رہ گئے ہیں وہ آپ اپنے گھر کے لوگوں پر صرف کر رہے ہیں۔

مجھ کو یہ جان کر مسرّت ہوئی کہ مسز نہرو اب بہتر ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ ماہ میں ڈاکٹر مجھے اُن سے ملنے کی اجازت دے دیں گے۔ بہرصورت میں پہلے ہی شفا خانے کو ٹیلیفون کر کے پوچھ لوں گی کہ آیا وہ مجھ سے مل سکتی ہیں یا نہیں اور اگر مل سکتی ہیں تو کب۔

جریدۂ ''سنتری'' کا وہ شمارہ میں آپ کو بھیج رہی ہوں جس میں گاندھی پر آپ کا مقالہ چھپا ہے۔ جریدۂ ''جمعہ'' میں چوں کہ ایک مقالہ آپ کا پہلے ہی

شایع ہو چکا ہے اس لئے آپ کا دوسرا مقالہ وہ نہ چھاپ سکا مگر میں نے اُسے جریدہ "یورپ" کو بھیج دیا ہے۔ راڈیو کے منتظمین میں جو تبدیلی ہوئی ہے اُس کے سبب کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ میں نے مسٹر راجا راؤ سے جو وہاں آرہے ہیں کہہ دیا ہے کہ وہ اس معاملے کو دیکھ لیں۔ میں نے مس اندرا سے کہہ دیا تھا کہ وہ کانگریس کی صدارت کے لئے آپ کی اس نئی نامزدگی پر ہماری طرف سے آپ کو دلی مبارکباد بھیج دیں۔ ہم ہندوستان کی خاطر خوش ہیں۔

ہماری جملہ نیک دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

آپ کی بہت ہی مخلص

مادیلاین رولاں

تکملہ: ازراہِ کرم ہمارے اُن تمام دوستوں کو جو وہاں ہیں ہمارا سلام محبت پہنچادیں۔

۱۲۶۔ از روماں رولاں

ولینا و (دواد) ولا اولگا

سہ شنبہ ۲۵ فروری ۱۹۳۶ء

محب عزیز،

میری صحت کی خرابی نے مجھے آپ کی روانگی سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام و وداع عرض کر لینے کی اجازت نہیں دی۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ اب بھی جب کہ اب تک ہم ایک دوسرے کے پڑوسی ہی ہیں، میں کم از کم اپنی محبت آگیں دعائیں آپ کے لئے، آپ کی بیوی کے لئے اور آپ کے وطنِ عزیز کے لئے آپ تک پہنچا دوں۔ مجھے اُن جذبات کا خیال آتا ہے جو اِس جدائی کے موقع پر آپ کے سینے میں موجزن ہوں گے۔ خدا کرے کہ آئندہ موسمِ بہار آپ کی بیوی کی صحت بہتر بنادے اور خدا کرے کہ اُس عظیم الشّان جنگ کے لئے جو وہاں آپ کا انتظار کر رہی ہے آپ زیادہ پُرسکون قلب و دماغ کے ساتھ ہندوستان کے لئے روانہ ہوں۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے مغربی ممالک کی طرح ہندوستان بھی اُن تمام

قوتوں کے مقابلے میں جو اُس کی قومی آزادی اور معاشرتی ترقی کی راہ میں حائل ہیں، آپ کی قیادت و رہبری میں ایک عوامی محاذ کی تنظیم میں کامیاب ہوگا۔

مجھے یہ کام سپرد کیا گیا ہے کہ میں آپ سے نیز گاندھی سے درخواست کروں کہ آپ دونوں صاحب اُس عالمی اجتماع میں ضرور شرکت کریں جو ہم بقائے امن کی خاطر اِس موسمِ گرما کے اخیر میں، غالباً ماہ ستمبر میں، جینیوا میں منعقد کر رہے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا اور طاقت ور اجتماع ہوگا اور ایک طرح سے دنیا کی تمام امن دوست قوتوں کو حرکت میں لے آنے کے مترادف ہوگا۔ متعدد بڑے بڑے قومی اور بین الاقوامی اداروں اور فرانس، انگلستان، ریاستہائے متحدہ امریکا، چیکوسلاویکیا، اسپین، بلجیم، ہالینڈ اور بہت سے ملکوں کی بہت سی سر برآوردہ شخصیتوں نے شرکت کے وعدے کر لئے ہیں! (انگلستان میں لارڈ رابرٹ سیسل، میجر آٹیلی، نارمن آنجل، فیلپ نوئیل بے کر، الکزینڈر، پروفیسر لاسکی نے؛ فرانس میں ہاریا، پیارے کاٹ، جوہا، کادراں، راکاماں، پروفیسر لانجے واں، وغیرہ نے؛ چیکوسلاویکیا میں بینیس اور ہاڈزا نے؛ اسپین میں ازانا، الوارز، دلواگو وغیرہ نے؛ بلجیم میں لوی براد کسیر، ہنری لافانٹین وغیرہ نے) اس اجتماع کا دائرۂ عمل یہ ہوگا کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس جہاں سوز آتش زدگی کی پُر آشوب دھمکیوں کا ایک مقابلہ منظم کیا جائے۔ کیا آپ ہمارے ہندوستانی دوستوں کو ہمارا مخلصانہ سلام پہنچا کر اُن سے اس اجتماع اور اس کی اغراض کے بارے میں گفتگو کریں گے؛ اِن دوستوں کا اور اپنا جواب آپ براہِ راست مجھے یا اُس عالمی کمیٹی کے دفتر کو بھیج سکتے ہیں جو فاشزم کے خلاف جدوجہد کرنے کی غرض سے قائم کی گئی ہے اور جس کا میں اعزازی صدر بنا دیا گیا ہوں۔

(پتہ: پیرس، ۱۰، ۲۳۷، شارع لافایت)

مجھے امید ہے کہ آپ کے ساتھ نیز ہمارے ہندوستانی دوستوں کے ساتھ ہماری خط و کتابت ضابطے کے ساتھ برابر جاری رہ سکے گی۔ یہ ضروری ہے کہ مغربی رائے عامّہ کو ہمیشہ اُن سیاسی اور معاشرتی اقدامات سے مطلع رکھا

جائے جو ہندوستان میں کئے جا رہے ہوں اور جن کے بارے میں بہت سے لوگ یا تو غرض مندانہ خاموش رہا کرتے ہیں یا جھوٹی خبروں کی اشاعت سے دل چسپی لیا کرتے ہیں۔

میں بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ سے معانقۂ وداع کرتا اور آپ کے ہاتھوں کو دباتا ہوں۔ میرے عزیز دوست، اپنی صحت بحال رکھو، اور خوش و خرم رہو۔ خدا کرے آپ کا مقصد بر آئے اور ہندوستان کی حالت بہتر ہو۔

مخلصانہ طور پر آپ کا

روماں رولاں۔

مکرر: میری محبتیں گاندھی اور اُن کے دوستوں تک پہنچا دو، جو ولیناؤ میں میرے مہمان تھے۔ نیز میرا کو، پیارے لعل کو اور مہادیو ڈیسائی کو۔

میں نے آپ کا وہ مقالہ جو رسالہ "جمعہ" میں مادام ڈیولس کی تمہید کے ساتھ چھپا ہے بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ آپ کا دوسرا مقالہ جو آپ نے میری بہن کو بھیجا ہے وہ رسالہ "یورپ" کے مارچ نمبر میں شایع ہوگا۔

۱۲۷۔ از برٹرینڈ رسل۔

ٹیلیگراف ہاؤس

ہارٹنگ، پیٹرز فیلڈ

۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء

پیارے مسٹر نہرو،

مجھے واقعی نہایت افسوس ہے کہ میں آپ کے انگلستان آنے کے موقع پر آپ سے نہیں مل سکتا۔ میری بیوی بیمار تھیں۔ اطبا نے انھیں کسی گرم تر جگہ چلے جانے کا مشورہ دیا ہے، مگر دقت یہ تھی کہ اُن کی صحت سفر کے قابل نہیں ہو رہی تھی۔ اِس واقعے نے مجھے اب تک یہاں روکے رکھا اور اب میں پا بہ رکاب ہوں۔ جیسا کہ آپ یقیناً جانتے ہیں مجھے آپ کے کام سے پوری ہمدردی ہے اور خصوصاً آپ کی اس سعی و کوشش سے جو آپ قومی

تحریک کو اشتراکیت کے ساتھ وابستہ کردینے کی کررہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کا انگلستان آنا مفید ثابت ہوگا۔ اگرچہ حکومت کے زاویۂ نگاہ سے یہ ساعت کچھ بہت مبارک نہیں۔

بہترین آرزوؤں کے ساتھ
آپ کا مخلص
برٹرینڈ رسل

۱۲۸۔ از ایم۔ اے۔ انصاری

دارالسلام، دریا گنج، دہلی
۱۱ر فروری ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر

تمھارے نہایت نفیس اور دل چسپ خط کا بہت بہت شکریہ۔ تمھارا یہ کہنا کہ خط ایک بڑی نجی اور بڑے گہرے ذاتی تعلق کی آئینہ دار ہوتا ہے۔ اور ایک مصوّر پوسٹ کارڈ کو اس سے کوئی نسبت نہیں، بالکل صحیح ہے۔ میری تجویز کا منشاء صرف یہ تھا کہ تمھارا بوجھ کچھ ہلکا کردیا جائے جب کہ خط و کتابت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہوگیا تھا۔ لیکن تم جواہر لعل ہی کیوں کر رہتے اگر اپنی ذمّے داریاں، نجی ہوں یا قومی، جانبازانہ طور پر پوری کرکے نہ رکھ دیتے۔ میں نے تو معمولی ڈاک سے باہر کے دوستوں کو خط لکھنا تقریباً بالکل ہی ترک کردیا ہے۔ دو دو تین تین ہفتوں کی باسی خبروں کا لکھنا جب کہ صرف ایک ہفتے کی پرانی خبروں کا باہر بھیجنا یا باہر سے وصول کرنا ممکن ہے، کس قدر تضیعِ اوقات نظر آتا ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ لوزان پہنچ کر کملا کی صحت بہتر ہورہی ہوگی۔ معلوم نہیں وہ لوزان کے کس صحت گاہ میں مقیم ہے۔ یہ کس قدر عمدہ شہر اور کیسے مرکزی مقام پر واقع ہے یہاں سے لیزان یا مانٹانا جاہو تو منٹوں کا راستہ ہے۔ میں کملا کی صحت میں بہتری کی خوش خبری سننے کا بے قراری کے ساتھ منتظر ہوں۔ تم اب لوزان واپس آگئے ہوگے جو کملا کے لئے بڑی مسرّت کا باعث ہوا ہوگا۔

مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اب جب کہ تم کانگریس کے صدر چُن لیے گئے ہو آخر کرو گے کیا؟ کملا اتنی کمزور ہے کہ ہندوستان واپس نہیں لائی جا سکتی۔ تم وہاں زیادہ سے زیادہ وسط مارچ تک ٹھیر سکتے ہو، اور میں جانتا ہوں کہ اُس کو وہاں چھوڑ کر تمھارا ہندوستان آنا اُس کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالے گا۔ اُس کی صحت کا اُس وقت جو حال ہے اُس کے دیکھتے میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم بہت دِنوں تک اُس سے دُور کیوں کر رہ سکتے ہو۔ میں تم سے صاف صاف کہہ دوں، میں برابر محسوس کرتا رہا ہوں کہ جو لوگ اس سال کے لئے تمھارے صدر کانگریس چُنے جانے کے ذمّے دار ہیں وہ بڑے ہی بے پروا لوگ ہیں اور ان لوگوں نے تمھاری خانگی دشواریوں کے لحاظ سے نیز قومی نقطۂ اعتبار سے تم پر بڑا ظلم کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ حالاتِ موجودہ میں تمھاری جیسی قوتِ عمل رکھنے والی شخصیت بھی صدارت کے اس ایک سال کی مدّت میں کچھ زیادہ کام کر پائے گی۔ اور اگر اس ایک سال کے اخیر میں دیکھا گیا کہ کچھ زیادہ کام نہیں ہو پایا تو یہ واقعہ، کہ ہمارا ایک بہترین آدمی بھی کوئی قابلِ ذکر کام انجام دینے سے عاجز رہا، ہمارے کام پر بہت ہی بُرا اثر ڈالے گا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ بہ حالتِ موجودہ پارلیمانی پروگرام نے داگرچہ وہ آزادی یا آزادی کے خلاصہ اور نچوڑ کو بھی ہم سے کچھ زیادہ قریب نہیں لا سکتا، کم از کم اتنا ضرور کیا ہوتا کہ ایک طرف تو لڑائی سے تھکے ہوئے لوگوں کو کچھ سستا لینے کی مہلت دے دی ہوتی اور دوسری طرف آگے کی ترقی کے لئے بہت سا ابتدائی محنت طلب کام انجام پا گیا ہوتا۔ اگرچہ خرابیِ صحت نے عملی سیاسیات سے دست کش ہو جانے پر مجھے مجبور کر دیا ہے پھر بھی میرا بہت جی چاہتا ہے کہ جب تم واپس آؤ تو تم سے ایک صاف اور مفصّل گفتگو کروں۔

یہ لکھتے ہوئے مجھے بڑی مسرّت ہو رہی ہے کہ مہاتما جی رو بصحت ہیں۔ مگر مجھے بتایا گیا ہے کہ اس بار مہاتما جی کی صحت کو ایک سخت صدمہ پہنچ گیا تھا۔ میری صحت بھی، خوشی کی بات ہے کہ، اب اچھی ہے۔ میں بھی اب کے بال بال بچا ہوں اور اب مجھے نہایت محتاط رہنا چاہیے۔ زہرا

اپنے امتحان کے نتیجے کا انتظار کر رہی ہے۔ کبھی وہ ہندوستان ہی کے کسی کالج میں داخلہ لے کر بی۔ اے کے لئے تیاری کرنے کا خیال ظاہر کرتی ہے اور کبھی کیمبرج جانا چاہتی ہے۔ میں اِس معاملے کو بالکل اُسی پر چھوڑ دوں گا۔ وہ اپنا پیامِ محبت و احترام تم کو، کملا کو اور اندو کو بھیج رہی ہے۔

تمھارا پُراز محبت

ایم۔ اے۔ انصاری

تکملہ: میں اپنی کتاب "انسان میں نئی زندگی" کا ایک نسخہ معمولی ڈاک سے تم کو بھیج رہا ہوں۔ امید ہے تم اس کو پسند کرو گے۔

۱۲۹۔ از ایلن وِلکِن سَن

دارالعوام

لندن،

۱۷ فروری ۱۹۳۶ء

پیارے جواہر لعل،

(میرا خیال ہے کہ اب کے میں صحیح لکھ پایا ہوں)

اِس ٹائپ کیے ہوئے خط کو ازراہِ مہربانی معاف فرما دیجئے گا جب سے آپ کا خط مجھے ملا ہے مجھے سانس لینے کی مہلت نہیں ملی ہے۔ اسی حالت میں مجھے برلن کا بھی ایک ہوائی سفر سخت عجلت کے عالم میں کرنا پڑا۔

میں دوسرے لفافے میں "ٹائم اینڈ ٹائڈ" کا ایک شمارہ بھیج رہا ہوں۔ اس میں پروفیسر لاسکی نے آپ کی آمد پر جو کچھ لکھا ہے، میرا خیال ہے کہ، آپ اُس کو دل چسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ ہم سب پروفیسر لاسکی کے مُؤیّد ہیں۔

لیڈی رونڈا نے مجھ سے پوچھا ہے کہ آپ کے لئے ممکن ہو گا کہ ٹائم اینڈ ٹائڈ کے لئے آپ بھی ایک مقالہ اُس سلسلۂ مقالات کے طرز پر لکھ دیں جو جیرالڈ ہرڈ "حفظِ امن کے ممکن طریقے" کے عنوان پر لکھ رہے ہیں؟ ممبرانِ پارلیمنٹ میں ایک خاصی تعداد اُسی طرزِ خیال پر چل رہی ہے جو آپ لارڈ جارج

کی زبانی سُن چکے ہیں جب وہ برطانوی نوآبادیوں اور نادار ملکوں کے ساتھ کوئی بندوبست یا سمجھوتا کر لینے پر تقریر کر رہے تھے۔ میں نے لیڈی رونڈا سے اُس اثر کو بیان کیا جو آپ کی تقریر کے ہر فقرے سے پیدا ہوا: "نوآبادیوں کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ کیا جو کچھ وقوع میں آنے والا ہے اس کے متعلق انھیں کچھ بھی کہنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ کیا یہ نوآبادیاں صرف آقاؤں میں تبدیلی چاہتی ہیں یا اب کوئی آقا مطلقاً نہیں چاہتیں؟" لیڈی رونڈا یہ سوچ رہی ہیں کہ کیا آپ "لطف و محبت اور دل نوازی" کی اِن نیک نیّت کوششوں سے متعلق جو اس ملک میں کی جا رہی ہیں نوآبادیوں کی رائے اُس قوت اور صاف بیانی کے ساتھ جو آپ طبعاً پسند کرتے ہوں، پیش کریں گے تاکہ اُس میں تمام نوآبادیاں آپ کی ہم نوا ہو جائیں؟ میرا خیال ہے کہ آپ اگر وقت نکال سکیں تو یہ کام آپ کے کرنے کے لائق ہوگا۔ اس مقالے کا آپ کو معاوضہ ملے گا۔ اگرچہ مجھے اندیشہ ہے کہ معاوضے کی رقم کچھ بڑی نہ ہوگی۔ لیڈی رونڈا کا خیال تھا کہ یہ مقالہ تقریباً ہزار لفظوں کا ہوگا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہوں کہ ہندوستان جانے سے پہلے آپ یہ مقالہ نہ لکھ پائیں گے مگر جہاز پر لکھ کر وہیں سے بھیج دیں گے تو آپ لیڈی رونڈا کو ایک نوٹ بھیج دیں کہ آپ یہ مقالہ لکھ دیں گے۔ اُن کے دفتر کا پتہ یہ ہے:

۳۲، بلومسبری اسٹریٹ ڈبلیو۔ سی۔ ا۔

مجھے یہ سُن کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ نے کملا کو بہتر پایا۔ اور ایک امکان اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خطرے سے نکل آئی ہیں۔

آپ کا ہمارے ساتھ ہونا ہمارے لئے موجب فخر تھا۔ کاش آپ جانتے کہ آپ کی آمد سے بے دینوں کو کس قدر فائدہ پہنچا ہے۔

آپ کا مخلص

الین

مسٹر جواہر لعل نہرو

۱۳۰۔ از سبھاش چندر بوس

کرہاس ہاؤ ح لینڈ، باڈگاسٹائن
(آسٹریا)
۴ مارچ ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر،

ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد میں کل صبح یہاں پہنچا۔ یہ بڑی حسین اور پُرسکون جگہ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پھر گردابِ سیاست میں ڈال دینے سے پہلے تم کچھ دنوں یورپ میں آرام کرلیتے۔

تم سے جدا ہونے کے بعد میں سوچتا رہا ہوں کہ کیا واقعی مجھے کوئی بیان اُن خطوط پر دے دینا چاہیئے جن کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے ایک بیان دے دینا چاہیئے، اس لئے کہ میرے پھر جیل جانے کا امکان باقی ہے اور ممکن ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں جو میری تجویزیں جان لینی چاہتے ہوں۔ میں تا حدِ امکان اپنا یہ بیان مختصر رکھوں گا اور صاف لفظوں میں کہہ دوں گا کہ میں نے تمھاری پوری تائید کا فیصلہ کرلیا ہے۔

صفِ اوّل کے رہنماؤں میں آج صرف تمھاری ایک ایسی شخصیت ہے جس کی طرف ہم لوگ اِک ترقی پسندانہ سمت میں کانگریس کی رہبری کے لئے دیکھ سکتے ہیں۔ مزید بریں تمھاری پوزیشن منفرد ہے اور میرا خیال ہے کہ خود مہاتما گاندھی بھی اس جگہ کے لئے جس قدر تم کو پسند کریں گے کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔ میں تہِ دل سے امیدوار ہوں کہ فیصلے کرنے میں تم اپنی قومی پوزیشن کو اُس کی واقعی کمزوری سے زیادہ کمزور نہ جانو گاندھی جی کبھی کوئی ایسی پوزیشن اختیار نہ کریں گے جو تم کو اُن سے جُدا کردے۔

جیسا کہ میں اپنی پچھلی گفتگو میں تم سے کہہ رہا تھا، تمھارے فوری کام دو ہوں گے: — ایک تو یہ کہ ہر ممکن طریقہ سے عہدوں کے قبول کرنے سے کانگریس کو روکو — دوسرے یہ کہ کابینہ یا مجلس عاملہ کی ہیئتِ ترکیبی کو

بڑھاکر وسیع تر بناؤ۔ اگر تم یہ کر سکے تو کانگریس کو اخلاقی پستی اور پُرانی ڈگر سے نکال لوگے۔ بڑے مسائل تو کل تک انتظار کر سکتے ہیں مگر کانگریس کو اخلاقی پستی یا پست ہمتی سے فوراً ہی بچانا ہے۔

مجھے یہ سُن کر نہایت مسرّت ہوئی کہ تم کانگریس میں ایک صیغۂ خارجہ قائم کرنا چاہتے ہو۔ یہ تجویز بالکل میرے جی کی بات ہے۔

میں اِس خط کو طول دینا نہیں چاہتا اس لئے کہ تم ہندوستان جانے کی عجلت میں ہوگے اور سفر سے پہلے بہت سے کام پورے کر لینا چاہتے ہوگے۔ میری آرزو ہے کہ تم بہ سلامت وطن پہنچو اور اُس دُشوار فریضہ کی انجام دہی میں، جو تمھارا منتظر ہے، خوش بختی ہر قدم پر تمھارا ساتھ دے۔ اگر مجھے لکھنؤ آنے کی اجازت مل گئی تو میری خدمات تمھارے لئے حاضر ہوں گی۔

تمھارا پُر از محبّت

سبھاش

۱۳۱۔ از ایچ۔ ان۔ بریلسفورڈ

۸ر مارچ ۱۹۳۶ء

اس کا جواب نہ لکھئے ——— ازراہِ کرم!

جیسے ۳۷ بلسائز پارک گارڈِنس

لندن، اِن، ڈبلیو ۳۔ سے

میرے عزیز نہرو،

میرا خیال ہے کہ آپ یقیناً کئی ماہ سے اس صدمے کے تصوّر سے بھی لرزاں رہے ہوں گے مگر پھر بھی دل میں ہمیشہ یہ امید رہی ہوگی کہ شاید فطرت کوئی معجزہ کر دکھائے۔ مگر یہ صدمہ پیش آ ہی کے رہا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ فکر و تردّد کی اس طویل مُدّت نے، ممکن ہے کہ، اس صدمے کا سامنا کرنے کی قوت آپ سے سلب کر لی ہو۔ آپ کے دوست و احباب کوئی بات ایسی نہیں کہہ سکتے جو آپ کے اِس نقصان کو ہلکا کر دے۔ یقین کیجئے کہ ہم لوگ جو آپ کی بیوی سے مل چکے ہیں ——— اگرچہ میری اُن کی ملاقات ایک ہی منٹ کی تھی ——— اِس

احساسِ رنج وغم میں آپ کی تائید ہی کر سکتے ہیں، اِس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی بیوی کتنی نفیس اور غیر معمولی قسم کی خاتون تھیں۔ لیکن اگر ہماری ہمدردیاں آپ کا غم کچھ ہلکا کر سکیں تو کیا آپ ہمیں اتنا عرض کرنے کی اجازت دیں گے کہ ہم پورے خلوص کے ساتھ اس غم میں آپ کے شریک اور ہمدرد ہیں؟

مصیبت کی اس گھڑی میں آپ اپنی قیمت گھٹا نہ لیں۔ ہندوستان کو آپ کی بڑی ضرورت ہے —— ہاں آپ کی، خصوصیت کے ساتھ اور شخصی طور پر آپ کی۔ اس لئے کہ میرا خیال ہے کہ میں کم و بیش دوسرے ممکن رہنماؤں کو بھی جانتا ہوں۔ اِن لوگوں میں کوئی بھی آپ کی سی جُرأت، آپ کی سی ذہنی وفکری قوّت، اور سب سے بڑھ کر آپ کا سا ایک انسانی غیر طبقاتی معاشرہ کا تصوّر نہیں رکھتا۔ اِس یقین واذعان سے قوّت حاصل کیجے کہ تاریخ نے آپ کو قیادت ورہبری کے لئے نامزد کر دیا ہے۔

آپ نے ازراہ اخلاق کریمانہ اپنی "تاریخ" کی کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھیجا۔ کیا میں اس کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں؟ میں اس کتاب کو گہری دلچسپی کے ساتھ پڑھوں گا۔ میرے دل پر اس بات کا اثر پڑا کہ آپ نے مجھے یاد رکھا۔

آپ کا غایت درجہ مخلص

ایچ۔ این۔ بریلسفورڈ۔

۱۳۲۔ از مہاتما گاندھی،

دہلی

۹ر مارچ ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

تو اب تم کملا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یورپ میں چھوڑ کر واپس آرہے ہو۔ اچھا وہ یورپ ہی میں رہ گئی تو کیا، اُس کی روح ہندوستان سے باہر کبھی نہیں گئی، اور وہ تمہارے لئے ہمیشہ اک گراں قیمت خزانہ رہے گی جیسے کہ ہم میں سے بھی بہتوں کے لئے وہ ایسی ہی رہے گی میں کملا سے اپنی وہ آخریں گفتگو کبھی کبھی نہ بھولوں گا جس سے ہم دونوں کی آنکھیں پُرنم تھیں۔

یہاں ایک بہت بڑی ذمّے داری تمہارا انتظار کر رہی ہے۔ یہ ذمّے داری تمہارے کندھوں پر اس لئے ڈالی گئی ہے کہ تم اسے بخوبی اُٹھا سکتے ہو۔ میں تمہارے پاس آنے کی جُرأت نہیں کر سکتا۔ اگر میرے جسم کی جبلّی اور فطری لچک مجھ میں عود کر آئی ہوتی تو میں ایسا ضرور کرتا۔ خلقی طور پر میں کسی عارضے میں مبتلا نہیں ہوں۔ میرا وزن کچھ بڑھ بھی گیا ہے۔ مگر میرے جسم میں وہ قوّت باقی نہیں رہی ہے جو اب سے تین ہی مہینے پیشتر میں محسوس کیا کرتا تھا۔ بڑی عجیب بات یہ ہے کہ میں نے کوئی بیماری کبھی محسوس نہیں کی مگر جسم پھر بھی کمزور ہو گیا ہے اور آلہ سے معلوم ہوا کہ خون کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے۔ مجھے محتاط رہنا پڑے گا!

میں چند دن آرام کر لینے کی غرض سے دہلی میں ہوں۔ اگر تمہارے ابتدائی منصوبے پر عمل کیا گیا ہوتا تو میٹنگ کے لئے میں واردھا ہی میں رہتا۔ وہ جگہ تمہارے لئے زیادہ پُر سکون ہوتی۔ لیکن اگر تمہارے لئے جگہیں سب ایک ہی سی ہیں تو پھر ہم سب دہلی ہی میں ملیں جہاں مجھے کم از کم ۲۳ ماہ رواں تک مقیم رہنا چاہیئے۔ لیکن اگر تم واردھا کو پسند کرتے ہو تو میں وہاں کچھ پہلے ہی واپس چلا جا سکتا ہوں۔ اگر تم دہلی آؤ تو میرے ساتھ ہریجنوں کی بستی میں ٹھیر سکتے ہو جو نئی تعمیر ہوئی ہے ــــ خاصی عمدہ جگہ ہے۔ جب تمہارے لئے ممکن ہو تب مجھے میٹنگ کی تاریخ بتا دینا۔ راجندر بابو اور جمنالال جی یا تو تمہارے ساتھ ہیں یا ہو جائیں گے۔ ولبھ بھائی بھی تمہارے ساتھ ہوتے مگر ہم سب نے اُن کے دور رہنے کو بہتر جانا۔ دوسرے دو آدمی جو وہاں گئے ہیں وہ کسی سیاسی گفتگو کے لئے نہیں بلکہ تعزیت کے لئے گئے ہیں۔ سیاسی گفتگو اُس وقت ہوگی جب ہم سب مل چکیں گے اور جب تم گھر کے کاموں کو نپٹا چکو گے۔

مجھے امید ہے کہ اندو نے کملا کی وفات کا صدمہ اور پھر فوراً ہی تم سے جدائی کا صدمہ دونوں حُسن و خوبی کے ساتھ برداشت کئے ہوں گے۔

اُس کا پتہ کیا ہے؟ خدا کرے اور سب خیریت ہو۔

محبت

باپو

۱۴۳- از سبھاش چندر بوس،

کرہاس ہاچلینڈ، باڈ گاسٹائن، آسٹریا
۱۳ر مارچ ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر،

ابھی ابھی مجھے ویانا کے برطانوی قونسل کا ایک اکسپریس خط ملا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

"آج مجھے وزارت خارجہ کے سکریٹری کی طرف سے ہدایت موصول ہوئی ہے کہ آپ کو مطلع کر دیا جائے کہ حکومت ہند کو اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ آپ اسی مہینے کے اندر ہندوستان واپس آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حکومتِ ہند آپ پر واضح کر دینا چاہتی ہے کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو آزاد رہنے کی توقع نہ رکھنی چاہیے۔

جے۔ ڈبلیو۔ ٹے لر
شاہی قونسل"

میں اپنے سفر کا انتظام کرنے ہی والا تھا کہ مجھے یہ خط ملا۔ درحقیقت میں نے اپنے سفر کا بندوبست کرنے میں دیر اس لئے کی کہ میں اس بات پر غور کر رہا تھا کہ میرے حق میں بحری سفر مفید ہوگا یا ہوائی —— ہوائی سفر میں میرا یہ فائدہ تھا کہ میں سفر سے پہلے یہاں کا علاج پورا کر لیتا جو کُل ۲۵ دنوں کا ہے۔

یہاں کوئی شخص ایسا نہیں ہے اور پورے برِّ اعظم میں بھی مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملے گا جس سے میں ایسے معاملے میں مشورہ کروں۔ اس وقت تو میرا رجحانِ طبع یہ ہے —— جیسا کہ تم خود اپنے ردِّ عمل کی بنا پر سوچ سکتے ہو —— کہ میں اس تنبیہہ کی پروا نہ کروں اور گھر واپس جاؤں! ایسے موقعوں پر ایک ہی بات قابلِ غور ہوا کرتی ہے اور وہ یہ کہ قومی مفاد کی راہ کون سی ہے۔ میرے لئے شخصی اور ذاتی عامل یا مفاد کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور ذاتی طور پر میں ہر ایسا طرزِ عمل اختیار کرنے پر آمادہ ہوں جو قومی مفاد کا

مقتضی ہو۔ میں قومی معاملات سے اتنے دنوں تک علیحدہ رہا ہوں کہ میرے لئے یقین اور اطمینان کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ کون سی راہِ عمل قومی مفاد کے حق میں مفید تر ہوگی۔ شاید تم مجھے اس معاملے میں کوئی مشورہ دے سکو۔ میں جانتا ہوں کہ ایسی نازک حالت میں خود تمہارے لئے بھی کسی کو مشورہ دینا مشکل ہوگا۔ مگر تم آسانی کے ساتھ شخصی و ذاتی اعتبارات کو بھلا سکتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ایک قومی سوال کے مقابلے میں تم ایسا کر سکتے ہو۔ اور ایک قومی کارکن کو صرف قومی مفاد کے نقطۂ نظر سے صلاح و مشورہ دے سکتے ہو۔ اُس ممتاز حیثیت کے پیشِ نظر جس کے تم ہمارے قومی زندگی میں مالک ہو تم ایسے مخصوص اور ناخوشگوار حالات میں صلاح و مشورہ دینے کی ذمّے داری سے پہلو تہی نہیں کر سکتے۔

ایسے معاملے میں تمہیں تکلیف دینے پر مجھ کو صرف اس عذر نے آمادہ کیا کہ میرے ذہن میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں ہے جس پر میں تم سے زیادہ اعتماد کر سکوں۔ وقت اتنا کم ہے کہ میں کئی آدمیوں سے مشورہ نہیں کر سکتا۔ اپنے عزیزوں سے صلاح لینی بے سود ہے اس لئے کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ لوگ اس معاملے کو تنہا قومی زاویۂ نگاہ سے نہ دیکھ سکیں۔ اس بناء پر میرے لئے ایک ہی راہ رہ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تمھاری ہی صلاح پر اعتماد کروں۔ یہ خط تم کو ماہِ رواں کی بیسویں کے لگ بھگ مل جانا چاہیئے۔ اگر تم مجھے فوراً ہی تار دو تو وہ مجھے وقت کے اندر مل جائے گا۔ میں کے۔ ایل۔ ایم کے اُس طیارہ سے سفر کر سکتا ہوں جو دوسری اپریل کو روما سے روانہ ہوتا ہے۔ اس لئے اگر میں ہندوستان جانے کا قطعی اور آخری فیصلہ اکیسویں یا بائیسویں تک بھی کر لیتا ہوں تو مجھے اس طیارے میں جگہ مل جانی چاہیئے جو روما سے دوسری اپریل کو روانہ ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مجھے اُس طیارے میں جگہ مل جائے جو اٹھائیسویں مارچ کو روانہ ہوگا۔

پہلے جب میں نے ایسے وقت سے ہندوستان پہنچنے کا ارادہ کیا تھا کہ لکھنؤ کے اجلاسِ کانگریس میں شریک ہو سکوں تب بھی یقیناً اس امر کا امکان تھا کہ ساحلِ ہند پر قدم رکھتے ہی مجھے گرفتار کر کے جیل بھیج دیا جائے۔

مگر اس امر کا بھی امکان تھا کہ کم از کم کچھ دنوں کے لئے مجھے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ مگر اب یہ دوسرا امکان قطعاً ختم ہو چکا ہے اور ہندوستان جانے کے معنی سیدھے جیل جانے کے ہیں۔ بے شک جیل جانا بھی قومی نقطۂ نظر سے اپنے اندر ایک مفید پہلو رکھتا ہے اور ایک ایسے سرکاری حکم کی خلاف ورزی کر کے دانستہ اور عمداً جیل چلے جانے کی تائید میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

ازراہِ محبت جس قدر جلد ممکن ہو کوئی جواب دو۔ تار دینا چاہو تو اس پتے پر دو: بوس، کرہاس، ہاتچ لینڈ، باڈگاسٹائن، آسٹریا۔

مجھے امید ہے کہ سفر میں کوئی زحمت پیش نہ آئی ہوگی اور تمھاری صحت اچھی ہوگی۔

تمھارا پراز محبت

سبھاش

میں نے کل ہی اپنے ایک اخباری پیغام میں، یہاں کا علاج پورا کر لینے کے بعد بذریعے ہوائی جہاز اپنے ہندوستان جانے کے امکان کا اظہار کر دیا ہے۔

ایس۔ سی۔ بی۔

۱۳۴۔ از ایلن وِلکن سَن،

دارالعوام، لندن

۲۲ مارچ ۱۹۳۶ء

پیارے جواہر لعل،

اِس خط کو ٹائپ کر کے بھیجنے کے لئے معاف فرما دیجئے۔ اس کے معنی نہ عجلت کے ہیں اور نہ رسمی تکلف کے۔ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ کثرتِ استعمال کے سبب میری مشین ہی میرے لکھنے کا ایک طبعی طریقہ بن گئی ہے۔ (گاندھی جی کی پرچھائیں!)، ریین والوں نے آپ کی کتاب کے صفحہ وار پروف مجھے بھیج دیے ہیں۔ میں واقعی جوشِ مسرت سے بے تاب ہو گیا۔ یہ میں محض

اخلاقاً عرض نہیں کر رہا ہوں۔ کچھ ضروری کام کرنے کے ارادے سے میں دارالعوام سے ذرا جلد چلا آیا تھا۔ کتاب میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں جو اُسے لے کر بیٹھا تو رات بھر پڑھتا رہا۔ پھر اُٹھ کر خود ہی چائے بنائی اور ساڑھے پانچ بجے کے قریب آپ کی یاد میں پی لی۔ یہ ایک اہم کتاب ہے اور ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال کو اگر کوئی شخص سمجھنا چاہے تو اس کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ آپ کے ناشرین اِس فکر میں گھُلے جا رہے ہیں کہ کتاب کہیں ممنوع نہ قرار دے دی جائے۔ مگر، جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ بات بڑے آدمیوں کے سوا اور کون کہہ سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے کا انحصار اُس صورتِ حال پر ہوگا جو کتاب کی اشاعت کے وقت ہوگی۔ ممکن ہے کہ لوگ یہ سوچیں کہ اِس کتاب میں آپ نے جو تنقیدیں گاندھی جی پر کی ہیں اُن سے کانگریس کے اندر اختلافات پیدا ہو جانے میں مدد ملے۔ میرے ہم وطنوں کی دفتری ذہنیت کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکتی۔ ان میں جو صاحبِ ہوش و گوش ہیں ان کو بھی کچھ خبط سا ہو جایا کرتا ہے جب کہ تمھارا ملک اُن پر چھا جاتا ہے۔

بہر حال اگر یہ لوگ اس کتاب کو ہندوستان کے لئے ممنوع قرار دے دیتے ہیں تو یہ اس کتاب کے لئے انگلستان اور ریاستہائے متحدہ امریکا میں ایک نہایت ہی شان دار اشتہار کا کام دے جائے گا۔ ہم لوگ یہاں دارالعوام میں خوب شور مچائیں گے اور اس کتاب پر عوام کی توجہ مرتکز کر دیں گے۔ اور سچ پوچھئے تو ایسی کتاب کی ہمیں انگلستان میں زیادہ ضرورت ہے۔ بائیں بازو کے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی ہندوستان سے متعلق جس درجے بے خبر ہیں اُس کی کوئی حد نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ کتاب کے آخری ابواب، آپ کا کانگریس اور گاندھی جی کا تجزیہ اور پھر آپ کی اشتراکیانہ تلخیص، انگلستان کے اشتراکیوں کی دل چسپی میں بڑی زبردست حرکت پیدا کر دے گی۔ تعلقہ داروں سے گاندھی جی کی جو روش ہے اُسے یہاں سب جانتے ہیں۔ مانچسٹر گارجین اور ٹائمز نے اس بات کا

معقول انتظام کر دیا ہے۔ یہاں عام طور پر یہ بات فرض کر لی گئی ہے کہ آپ گاندھی کے روحانی بیٹے اور جانشین ہیں۔

یہ تمام باتیں اُس شخص کے لئے جس نے یہ کتاب خاص طور پر ہندوستان کے لئے لکھی ہے کچھ تسکین بخش نہ ہوں گی۔ اگر ان لوگوں نے اس کتاب کو ممنوع قرار دے دیا تو یہ بات نہایت شرمناک ہوگی، اس لئے کہ آپ نے اُن چیزوں سے متعلق بھی اپنی روش بڑی خوبی کے ساتھ واقعیت پسندانہ رکھی ہے جن سے متعلق آپ نہایت غیظ و غضب کے ساتھ لکھ سکتے تھے میں اس بات کا انتظام کروں گا کہ اشاعت سے پہلے کتاب کو دو ایک با اثر آدمی پڑھ لیں۔ اس سے معاملے میں مدد مل سکتی ہے۔

جب آپ کے صدمے کی الم انگیز خبر مجھے ملی تب میں نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ میں نے سوچا کہ میرا تار وہ سب کچھ کہہ دے گا جو لفظوں میں کہا جا سکتا ہے۔ کملا کی باتیں سب میرے حافظے میں تازہ ہیں، اور جب میں نے آپ کی یہ کتاب پڑھی............................ تو اُن کی اُن تمام مہربانیوں کی یاد پھر تازہ ہو گئی جو اُن کے رنج والم کے دوران میں اُس وقت ہمارے نصیب میں آئی تھیں جب ہم ہندوستان میں تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے گزشتہ سال آپ کو اُن سے جُدا رکھا اُن سے اِس بات کی امید رکھنا کہ وہ اپنی اس ناکردنی حرکت پر قرار واقعی شرم و ندامت محسوس کریں گے، بے سود ہے۔

دارالعوام میں ہمارے تمام مباحثے جنگی تیاریوں پر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ فوری جنگ کے لئے بھاری صنعتوں کی از سرِ نو تنظیم پر بھی غور و فکر ہوا کرتا ہے۔ آپ کے جانے کے بعد سے صورتِ حال اور زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ رائن لینڈ پر ہٹلر کے حملے نے فاشست دشمن عناصر کو فطری طور پر بیدار کر دیا ہے۔ اِن لوگوں کا خیال ہے کہ اس وقت فرانس کی مدد کر کے یہ لوگ ہٹلر کو ختم کر سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۱۴ء والا "دُنیا کا جمہوریت کے لئے بچاؤ" کا پُرانا نعرہ سننا نہایت مہیب اور ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔

اِس کے معنی یہ ہوں گے کہ مزدوروں کی تحریک پھر جنگ جویانہ صورت اختیار کرلے گی۔ میں نے لانسبری کی پُرجوش "جنگ نہیں" کی تحریک میں شریک ہو جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ یہ اشتراکیت تو نہیں ہے مگر کم ازکم ہم مزدوروں کو شہنشاہیت پرستی کے جھگڑوں میں شریک ہو کر ایک دوسرے کو قتل کرنے کے خلاف متنبہ کرسکیں گے۔

یہ خط میں اُن نہایت ہی دشوار گھڑیوں میں جو لکھنؤ میں آپ کو پیش آنے والی ہیں آپ کے لیئے تمنّائے خوش بختی و کامرانی (خواہ وہ کچھ ہو) کے اظہار کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس سال کانگریس کا صدر ہونا دُنیا کا تقریباً مشکل ترین کام ہے۔ آپ جو کچھ بھی کریں گے اس پر بڑی تلخ تنقیدیں ہوں گی۔ آپ کی کتاب لوگوں کو مطمئن کر دے گی کہ آپ جو کچھ کرنے کا فیصلہ کریں گے وہ ایک سیدھے اور ایماندارانہ طریقے پر مبنی ہوگا اور اُس کی بنیاد قوم کی گہری خیر اندیشی اور محبّت پر ہوگی۔ مگر ہم میں سے جو لوگ سیاسیات میں سنجیدگی کے ساتھ پڑتے ہیں اُن کو ایک بڑے مہیب اور ڈراؤنے میدان میں کام کرنا پڑتا ہے۔

مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر کبھی کوئی بات آپ کے ذہن میں آئے جس میں میں یا اُن لوگوں میں سے کوئی جن پر میرا کوئی اثر ہے، آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہو تو آپ کا صرف کہلا بھیجنا کافی ہوگا۔ ہم سب یہاں لکھنؤ کی اور لکھنؤ کے بعد کی خبروں کا بڑے فکر و تردّد کے ساتھ انتظار کریں گے۔ آپ کی آمد سے مزدور پارٹی کی دلچسپی ہندوستانی معاملات میں خاصی بڑھ گئی ہے۔ انڈیا آفس جاننا چاہتا ہے کہ جب کہ ہر طرف ایسا سکون اور ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی، سوال کے گھنٹوں میں ہمارے اندر پھر یہ جوش و خروش کیوں پیدا ہو گیا ہے!!

ایلن

۱۳۵- بنام رابندر ناتھ ٹیگور،

یکم اپریل ۱۹۳۶ء

میرے محترم گرودیو،

وشوا بھارتی نیوز میں میں نے آج انگریزی ترجمہ اُن باتوں کا پڑھا جو آپ نے کملا کے بارے میں فرمائی ہیں۔ آپ کے غایت درجہ فیّاضانہ کلمات سے میں بے حد متاثر ہوا۔ اور اگر مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت ملے تو عرض کروں کہ آپ کی دعاؤں اور اِس اذعان ویقین سے کہ ہم خطاواروں کو سیدھی راہ پر استوار رکھنے کے لئے آپ کی ذات بابرکات موجود ہے کس قدر قوّت بہم پہنچا کرتی ہے۔

دہلی اسٹیشن پر آپ کو دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی تھی مگر ریل گاڑی کو مشکل ہی سے ملاقات کی کوئی مناسب جگہ کہا جا سکتا ہے۔ بنابریں میں تشنہ کام رہ گیا۔ مجھے اُمید ہے کہ جلد ہی مجھے اس سے بہتر موقع ملے گا۔

یہ سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ دہلی میں وشوا بھارتی کے لئے آپ کو ایک معقول سی رقم مل گئی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے اس دورے کے بعد آرام فرمائیں گے۔

آپ کا صحیح پروگرام نہ معلوم ہونے کی وجہ سے میں یہ خط شانتی نکیتن بھیج رہا ہوں۔

محبّت اور احترام کے ساتھ
آپ کا پُراز محبّت

جواہر لعل نہرو

(ہم میں سے بہت سے لوگ رابندر ناتھ ٹیگور کو گرودیو کہہ کر پکارا کرتے تھے جس کے معنی ہیں "محترم معلّم")

وشوا بھارتی نیوز ــــ اپریل ۱۹۳۶ء

کملا نہرو کی یاد میں

(ذیل میں ایک مختصر انگریزی ترجمہ اُس تقریر کا دیا جاتا ہے جو شاعرِ اعظم

نے اپنے آشرم کے اراکین کے ایک اجتماع میں ۸ مارچ کو، جو مسز کملا نہرو کا سوگ منانے کے لیے مقرر تھا، بنگالی زبان میں فرمائی۔ ایڈیٹر)

آج ہم یہاں اپنا خراجِ عقیدت و احترام اُس خاتون کی یاد کو ادا کرنے کی غرض سے جمع ہوئے ہیں جس سے ہمارا قریبی تعلق اُس ایک خدمت کے واسطے سے پیدا ہو گیا تھا جو اُس نے ہمارے آشرم سے طلب کی تھی اور جو ہم بڑے شوق سے بجا لائے تھے۔ جب اُس کا شوہر جیل میں تھا اور خود اُس کی صحت کو ایک مہلک بیماری کا خطرہ لاحق تھا ہم نے اُس کی بچّی کو اپنی سپردگی میں لے کر کچھ دنوں کے لئے اُس کے فکر و تردد کو ہلکا کر دیا تھا۔ میں جب اُس سے ملا تو اُس پُر سکون اور اولوالعزمانہ استقلال کی فضا سے بہت متاثر ہوا جو اُسے اپنے حلقے میں لئے رہتی تھی۔

تعزیت کے اکثر جلسوں میں، رسمِ تعزیت کے ایک جزو کے طور پر جلسے کو مصنوعی طور پر زیادہ پُر اثر بنانے کی غرض سے مرنے والے کی شان میں بڑی مبالغہ آمیز باتیں کی جاتی ہیں۔ کملا کے معاملے میں اس مبالغے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سچ مچ ایک بلند شخصیت کی مالک تھی اور اُس کی شخصیت کی اس بلندی نے لوگوں کے دلوں میں اپنے آپ اپنی جگہ بنالی اور لوگوں نے بغیر کسی پس و پیش کے اُس کی بلندی کو تسلیم کر لیا۔ جو خاموش وقار اُس نے اپنی بلند اور کریمانہ زندگی کے جملہ انقلابات میں یکساں طور پر ہمیشہ قائم رکھا وہ آج اس طرح گویا ہے کہ اُس کی صداقت ہم سب پر چھائی جا رہی ہے۔

اُس کے شوہر جواہر لعل کو بے شبہ نوجوان ہندوستان کے تخت پر بیٹھنے کا حق حاصل ہے۔ وہ ایک عالی شان سیرت کا مالک ہے۔ اپنے ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر قائم کیے ہوئے عزم و ارادے میں ثابت قدم، اپنی جراتِ مردانہ میں ناقابلِ تسخیر، مگر اُس کی سیرت کی جو ادا اُس کو اپنے تمام رفقاء سے بلند تر بناتی ہے وہ اُس کا اخلاقی دیانت اور فکری و ذہنی ایمان داری کے سر رشتہ کو کبھی اور کسی حال میں ہاتھ سے نہ دینا ہے۔ سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں بھی جہاں ہر قسم کے دھوکے حتیٰ کہ خود اپنے نفس کے فریب بھی بہ کثرت

اور ہر سمت موجود ہوا کرتے ہیں اُس نے پاکیزگی کا عَلَم ہمیشہ غیر معمولی طور پر بلند رکھا ہے۔ اُس نے سچّائی اور صداقت کی راہ سے اُس وقت بھی کبھی پہلو نہیں بچایا جب سچّائی اور صداقت پُرخطر تھی اور نہ کذب و دروغ کی طرف اُس وقت کبھی دوستی اور یاری کا ہاتھ بڑھایا جب کذب و دروغ میں راحت تھی اُس کے صاف اور درخشاں ذہن نے ہمیشہ پوری صاف بیانی اور نفرت کے ساتھ ایسی ذلیل پالیسیوں کی راہ سے مُنہ پھیر لیا ہے جہاں کامیابی اتنی ہی آسان تھی جتنی کہ وہ ذلیل اور کمینہ تھی۔ سچّائی اور صداقت کا یہ بلند نصب عین جنگِ آزادی میں جواہر لعل کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔

اور اِن تمام باتوں میں اُنھوں نے اپنے لئے ایک موزوں شریکِ زندگی اپنی بیوی کے روپ میں پایا تھا۔ یہ خاتون بھی اپنے شوہر کی طرح ایک ایسے اُولوالعزمانہ سکونِ قلب و دماغ کی مالک تھی جو خموشی کے ساتھ شومیِ طالع کے تمام سنگ دلانہ و بے رحمانہ حملوں کے برداشت کر لینے کی قوّت اپنے اندر رکھتا تھا۔ اُس نے اپنے نصب عین کو فریب دے کر آسان راہِ فرار اختیار کر لینے کی طمع سے کبھی شکست تسلیم نہیں کی۔ تپسیہ اور ترکِ لذّات کے اس نادر وصف نے اس خاتون کے لئے اُس کے شوہر کے پہلو میں ایک ابدی و دائمی جگہ حاصل کر لی ہے —— یعنی وہ جگہ جو اُس کی زندگی میں اُس کے لئے مخصوص تھی۔

ماضی بعید کے پردۂ تصویر پر دنیا کی مشہور اُولوالعزم خاتونیں تاریخ کے تابناک اُفق میں اپنی پوری شان وشکوہ کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ وقت نے ابھی کملا کو ہم سے بہت دُور نہیں کر دیا ہے۔ وہ ابھی حاضر قریب کی چہار دیواریوں کے اندر رہی ہے جہاں اہم اور پُرمعنی چیزیں غیر اہم اور بے قیمت چیزوں کے ساتھ کچھ اس طرح رُل مِل جاتی ہیں کہ ایک کو دوسری سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اِس نقص اور خامی کے باوجود کملا ہمیں ایسی شان وشکوہ میں ملبوس نظر آتی ہے جو قومی رزمیہ نظموں کی مشہور خاتونوں کی شان وشکوہ ہوتی ہے —— ایسی شان وشکوہ جس میں وہ اپنے شوہر کی شریک ہے۔

آج ہماری ہولی کے تہوار کا دن ہے، آمدِ موسمِ بہار کا تہوار۔ زمین پر گری ہوئی اور مُرجھائی ہوئی پتیوں کے انبار میں فطرت ایک موت پر فتحیاب حیاتِ نو کی آمد کا اعلان کر رہی ہے جس کے لئے نو دمیدہ کونپلیں اپنی مسرت اور خوشی کے چڑھاوے لئے آ رہی ہیں۔ اور جواہر لعل اس تہوار کا ریتو راج ہے جو عہدِ شباب اور فتحیاب مسرت کا، جہادِ آزادی کی ایک ناقابلِ تسخیر روح کا، اور مقصدِ آزادی کے ساتھ ایک غیر مصالحت پذیرانہ وفاداری کا نمائندہ ہے۔ کملا نہرو نے بھی ہندوستان کی قومی زندگی کی عظمت و شوکت کو اپنی مخصوص دل آویزی عطا کی جو اپنے تیاگ کی قوت میں بہت ہی شان دار ہے، یعنی اپنی عظیم الشان نسوانی روح جو بالآخر ہماری فتحیابیوں کے سر پر تنہا تاجِ کامرانی رکھ سکتی ہے۔

اب آج ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کو محسوس کریں کہ عہدِ حاضر کے نہایت تیزی کے ساتھ متحرک پردے پر کملا اپنی ایک دائمی اور ابدی چھاپ چھوڑ گئی ہے۔ اب جب کہ اُس کی روح ہمیشہ ہمارے ساتھ ہے کسی نامبارک احساسِ زیاں کو کیوں دلوں میں جاگزیں رکھیں؟

۱۳۶۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

"اُترایان" شانتی نکیتن، بنگال
۵ر اپریل ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر لعل،

مجھے تمھارا خط ملا۔ یہ جان کر مجھے مسرت ہوئی کہ جو چند کلمے میں نے آشرم کے طلبا کے سامنے کملا کے بارے میں کہے اُن سے تم کو امید اور قوت بہم پہنچی۔ یقین جانو کہ میں تمھارے اس عظیم نقصان کو شدت سے محسوس کرتا ہوں۔

جو چند لمحے مجھے گاڑی میں تمھاری صحبت کے میسر آئے اُن سے میں خود بھی مطمئن نہیں ہوا۔ مشقتِ سفر سے میرا جسم اور میرا دماغ دونوں تھکے ہوئے اور ماندہ تھے اور مشکل سے بول پا رہا تھا۔ تم یہاں ضرور آؤ اور چند دن میرے

ساتھ گزارو۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ الہ آباد کے مقابلے میں تم شانتی نکیتن کو کوئی زیادہ گرم جگہ نہ پاؤ گے۔

تمھارا پُراز محبت

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۳۷۔ از رفیع احمد قدوائی،

یو۔پی۔ پراونشیل کانگریس کمیٹی
امین آباد پارک، لکھنؤ،
۲۰ را پریل ۱۹۳۶ء

پیارے جواہر لعل جی،

میرے پچھلے چند دن بڑی کوفت میں گزرے۔ بہ ظاہر آپ تنہا ہمارے امید گاہ تھے۔ تو کیا اب آپ بھی ایک امید نہیں، فریبِ امید ثابت ہونے والے ہیں؟ کچھ لوگوں کو شبہ تھا کہ دیکھنا چاہیے آپ گاندھی ازم کے متحدہ اثر و مخالفت کے مقابلے کی تاب کہاں تک لا سکیں گے۔

مجلسِ عاملہ کی ہئیتِ ترکیبی میں ردّو بدل کا ایک موقع آپ کو دیا گیا تھا آپ نے ٹنڈن، ناریمان، پٹابھی اور سردول سنگھ کو علیحدہ کر دیا۔ آپ نے بھولا بھائی اور راج گوپال آچاریہ کو گوونداس اور سرت بوس پر ترجیح دی اور ان کو لے لیا۔ یہ لوگ آپ کے لئے موجبِ قوت ثابت ہوتے۔ ان لوگوں نے اپنی ترکیبوں سے آپ کو بیچ کے لوگوں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ اب ہم لوگ دونوں جگہ کمزور ہیں: آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں بھی اور مندوبین میں بھی۔ اور جو مجلسِ عاملہ اب آپ نے بنائی ہے وہ پہلی مجلس کے مقابلے میں لازمی طور پر زیادہ رجعت پسندانہ ہوگی۔

ہو سکتا ہے کہ میں تنگ نظر ہوں۔ مگر میں خیالی اور نظریاتی تقریروں کے مقابلے میں افراد کی تعداد پر زیادہ اعتماد کرتا ہوں۔ میں بے قرار تھا کہ صورتِ حال سے متعلق اپنے تاثرات آپ تک پہنچا دوں۔ آئندہ اس کے متعلق آپ سے کچھ نہ کہوں گا۔

رفیع

۱۳۸- از مہاتما گاندھی،

۲۱ر اپریل ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھاری یادداشتیں دل چسپ اور اچھی ہیں۔ تمھارے جوابات خاصے مکمل اور یقیناً صاف اور سیدھے تھے۔

تم آنے والی میٹنگ سے متعلق پریشانی کیوں محسوس کر رہے ہو؟ اگر میٹنگ میں بحث و مباحثہ ہوا تو مقصد یہ ہوگا کہ ایک رُکن دوسرے رُکن پر اپنے خیالات کی صحت واضح کر کے اُسے مطمئن کر دے۔ تمھیں حق ہوگا کہ جب تم یہ محسوس کرو کہ کسی تجویز پر پوری طرح بحث ہو چکی ہے تب تم مزید بحث و مباحثہ روک دو۔ بہر حال تم ایک ہم آہنگ ٹیم کا سا کام چاہتے ہو۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہی ہوگا۔

میں ۲۲ر کی شام کو ناگ پور پہنچ رہا ہوں۔

میرا جی یہ چاہتا ہے کہ رنجیت آپ اپنی خبر گیری کرے۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ وہ کھا لی گیا ہوا ہے۔ توقع ہے کہ سروپ تمھارے ساتھ آئے گی۔

سردار اب تک بیمار ہیں اور اس وقت صرف چھاچھ پر گزارہ کر رہے ہیں۔ ۸ر مئی کے بعد میں اُنھیں کوہِ نندی پر لے جا رہا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ تم بھی آ سکتے۔

محبّت

باپو

۱۳۹- از مہاتما گاندھی بنام اگاتھا ہیری سَن

واردھا

۳۰ر اپریل ۱۹۳۶ء

میری عزیز اگاتھا،

مجھے تمھارا ستّرھویں کا خط ملا۔ جواہر لعل سے اس سے کم کسی چیز کی توقع بھی نہیں تھی۔ اُن کا خطبہ اُن کے ایمان و یقین کا اعلان ہے۔ انھوں نے اپنی جو کابینہ ترتیب دی ہے اُس سے تم پر عیاں ہو جائے گا کہ انھوں نے اکثریت

ایسے ہی لوگوں کی رکھی ہے جو قدیم روایتی طرزِ فکر کی نمایندگی کرتے ہیں یعنی ۱۹۲۰ء سے۔ یقیناً اکثریت میرے طرزِ فکر کی نمایندگی کرتی ہے۔ میں بڑے شوق سے نئے دستور کو آج ہی موت کی نیند سُلا دوں اگر میرے بس کی بات ہو۔ اس دستور میں مشکل ہی سے کوئی چیز ایسی ملے گی جو میرے جی کو بھائی ہو۔ مگر جواہر لعل کا طرزِ کار اور ہے اور میرا اور۔ زمین کی تقسیم وغیرہ سے متعلق اُن کے مطمحِ نظر کو قبول کرتا ہوں مگر عملاً میں اُن کے طریقوں میں سے کوئی طریقہ پسند نہیں کرتا۔ میں طبقاتی لڑائیوں کے روکنے میں سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھوں گا۔ مجھے توقع ہے کہ وہ بھی یہی کریں گے۔ مگر وہ طبقاتی لڑائیوں سے بچنے کو ممکن باور نہیں کرتے۔ میں اس کو بالکل ممکن سمجھتا ہوں بہ شرطیکہ میرا طریقۂ کار مان لیا جائے۔ لیکن جواہر لعل اپنے طریقِ کار کے بیان و تعبیر میں اگرچہ انتہا پسندانہ روش رکھتے ہیں مگر عمل میں وہ سنجیدہ و متین ہیں۔ جہاں تک میں انھیں جانتا ہوں کسی قسم کا کوئی تصادم برپا کرا دینے میں وہ عجلت سے کام نہ لیں گے لیکن ایسا کوئی تصادم اگر اُن پر لاد ہی دیا گیا تو وہ پہلو بھی نہ بچائیں گے۔ مگر شاید پوری کانگریس ایک ہی خیال کی نہیں ہے۔ اختلافِ رائے یقیناً موجود ہے۔ میرا طریقۂ کار کچھ اِس ڈھب کا بنایا گیا ہے کہ ملک کو تصادم و نزاع سے بچائے۔ جواہر لعل کا طرزِ کار اس ڈھب کا نہیں ہے۔ میرا اپنا احساس یہ ہے کہ جواہر لعل اپنے رفقائے کار کی اکثریت کے فیصلوں کو قبول کریں گے۔ اُن کے مزاج کے آدمی کے لئے یہ بات نہایت دشوار ہے، یہ دشواری انھوں نے محسوس کرنی شروع کر دی ہے۔ مگر وہ جو کچھ کریں گے شریفانہ طور پر کریں گے۔ اِس میں شک نہیں کہ زندگی سے متعلق ہمارے ان کے نظریوں کے درمیان جو خلیج حائل ہے وہ وسیع تر ہو گئی ہے پھر بھی ہمارے دلوں کے درمیان جو قُرب آج ہے وہ شاید اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔

یہ خط عام استعمال کے لئے نہیں ہے مگر دوستوں کو تم دکھا سکتی ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اپنے سوال کے جواب میں تم اس سے زیادہ کچھ چاہتی ہو۔

محبت
باپو

مس اگاتھا ہیری سن

۱۴۰۔ از مہاتما گاندھی،

کوہ نندی

۱۲ر مئی ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

آگا تھا کے خط کا میں نے جو جواب لکھا تھا اس کی نقل میں نے تم کو اس لئے بھیجی کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ میں نے تمھارے اندازِ فکر کی صحیح ترجمانی کی یا نہیں۔

مگر مجھے مسرّت ہے کہ میرے عوض تم ہی نے اس کام کو انجام دے دیا۔ میں کسی ایسے نظامِ کار کی تائید کرنے کا مجرم نہیں ہوں جو اک مبہم و متصل اور تباہ کن طبقاتی جنگ کو مستلزم ہو اور نہ ایسے نظامہائے کار کی نسبت اظہار پسندیدگی کا جُرم مجھ سے سرزد ہوا ہے جو لازمی طور پر ہمسا (تشدد) پر مبنی ہیں اور نہ مجھ سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ کچھ لوگوں پر تو میں نے کم و بیش چھوٹی موٹی غلطیوں کی بنیاد پر نکتہ چینی کی ہو اور انھیں ہدف ملامت بنایا ہو اور کچھ ایسے لوگوں کی میں نے تعریفیں کی ہوں جن سے نسبتاً کہیں زیادہ بڑی اور اہم کمزوریاں ظہور میں آئی ہیں۔

یہ ممکن ہے کہ غیر شعوری طور پر میں اُن باتوں کا مرتکب ہوا ہوں جو تم میری طرف منسوب کرتے دکھائی دیتے ہو۔ اگر ایسا ہوا ہے تو چاہیئے کہ تم مجھے واقعی مثالیں دو۔ میں اس بات کا اعتراف کر چکا ہوں کہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے، مسائل سے نپٹنے کا میرا طریقہ تمھارے طریقے سے مختلف ہے۔ مگر موجودہ نظام کو ہم جس زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اُس میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

ڈاکٹر انصاری کی موت ایک سخت صدمہ ہے میرے لئے میرا اُن کا تعلق ایک سیاسی دوستی سے کہیں بڑھ کر تھا۔

امید ہے کہ تم کھالی جا رہے ہو یا کچھ ٹھنڈی ہوا میں سانس لینے کو میرے پاس آ رہے ہو۔

ازراہِ کرم سروپ کو بتادو کہ مجھے اُس کے دونوں نوٹ مل گئے۔ سر تیج کو
میں خط لکھوں گا۔

محبت

باپو

۱۴۱۔ از مہاتما گاندھی،

کوہ نندی،

۲۱ رمئی ۱۹۳۶ء

عزیز جواہر لعل،

لو یہ جریدۂ "ہندو" کے دو تراشے ہیں۔ میں نے اس بات کو باور کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ نامہ نگار نے تمھاری صحیح ترجمانی کی ہے۔ مگر میں صحیح بیان دیکھنا چاہتا ہوں اگر ہو سکے تو تم دونوں موضوع پر مجھے ایک صحیح بیان بھیج دو۔ عورتوں کے علیحدہ کر دینے کی ذمّہ داری تنہا تم پر ہے۔ سچ پوچھو تو کسی دوسرے شخص نے کابینہ سے عورتوں کے اخراج کو ممکن ہی نہیں جانا تھا۔ جہاں تک کھادی کا تعلق ہے میرے علم میں تم نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ملک کے موجودہ اقتصادی حالات میں تو وہ ناگزیر ہے مگر جب قوم اپنی آپ فرماں روا ہوگی تب ہو سکتا ہے کہ ملوں کے بنے ہوئے کپڑے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑوں کی جگہ لے لیں۔

محبت

باپو

۱۴۲۔ از مہاتما گاندھی،

بنگلور

۲۹ رمئی، ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارا ۲۵ رماہِ رواں کا خط ملا۔ تو اب تم طوفانی دورے کر رہے ہو۔ خدا تمھیں پوری قوّت و طاقت عطا کرے۔ کھادی کے لئے تم ایک ہفتہ بھی نکال سکو

تومیں اُس کو عطیۂ الٰہی جانوں گا۔

کھادی سے متعلق جو بیان تم نے دیا ہے میں اُس کا پبلک استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس بہت سے سوالات آئے ہیں۔ تمھارے بیان کے مسخ شدہ خلاصہ نے ہمارے اُن آدمیوں کو جو کھادی پر ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں حیرت واستعجاب میں ڈال دیا ہے۔ تمھارا بیان صورتِ حال کے اس کھنچاؤ کو کسی قدر کم کر دے گا۔ تم نے مجلسِ عاملہ میں کسی عورت کے نہ رکھنے کی جو توجیہہ کی ہے اُس سے مجھ کو تسکین نہیں ہوئی۔ اگر تم نے مجلس میں کسی عورت کے رکھنے کی طرف خفیف سا میلان بھی ظاہر کیا ہوتا تو معمّر و سن رسیدہ خاتونوں میں سے کسی کے سامنے آجانے میں مطلق کوئی دشواری نہ ہوتی۔ اگر اس خواہش کو دباؤ کا نام دیا جا سکے تو یہ دباؤ تنہا ایک بھولا بھالی کی نسبت ڈالا گیا۔ اور جب اُن کا نام پہلی بار لیا گیا تو تمھیں اس نام پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ کسی دوسرے رُکنِ مجلس کے بارے میں کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا۔ اور پھر تمھیں ایک اشتراکی نام کو حذف کر کے ایک خاتون کے چن لینے کا اختیار مطلق حاصل تھا۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے سروجینی دیوی کا کوئی بدل ڈھونڈھنے میں خود تمھیں دشواری پیش آرہی تھی اور تم اُن کو حذف کر دینے کی خاطر فکرمند تھے۔ تم تو اس حد تک چلے گئے تھے کہ تم نے یہ کہہ دیا تھا کہ: "میں کابینہ میں ہمیشہ ایک خاتون اور چند مسلمانوں کے رکھنے کی روایت یا رواج پر ایمان و عقیدہ نہیں رکھتا" اس لئے جہاں تک کہ کابینہ سے عورتوں کے اخراج کا تعلق ہے میرے خیال میں وہ تنہا تمھارے غیر منقید اختیار تمیزی کا رہینِ منّت ہے۔ کسی دوسرے رُکنِ مجلس نے نہ تو اس قدیم رواج سے انحراف کی خواہش کی ہوتی اور نہ جُراُت۔ میں تم سے یہ بھی ضرور کہہ دینا چاہتا ہوں کہ بعض کانگریسی حلقوں میں سارا الزام مجھ پر رکھا جا رہا ہے، اس لئے کہ میری بابت کہا جا رہا ہے کہ مسز نائیڈو کا نام میں ہی نے نکالا اور اس بات پر اصرار بھی میں نے ہی کیا کہ کابینہ میں کوئی خاتون نہ رکھی جائے ـــــ یہ ایسی بات ہے، جیسا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں، جس کی میں جُراُت بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کسی اور خاتون کا کیا ذکر، میں تو مسز این کا نام بھی حذف نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے ارکانِ مجلس کی نسبت بھی میرا تاثر یہ رہا ہے کہ تم نے ان لوگوں کو صرف اس لئے چُنا ہے کہ اس مقصد کے لیے انہی لوگوں کا انتخاب درست اور بجا تھا۔ جب ہر شخص شریفانہ ترین محرکات کے زیرِ اثر کام کر رہا تھا یعنی اپنے اپنے علم و روشنی کے مطابق مقصدِ قومی کی خدمت کے جذبے کے زیرِ اثر، تو پھر "بے حیا"، اور "حیادار" کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ تمھارے بیان سے جس کی تائید تمھارا خط بھی کر رہا ہے، راجن بابو، سی۔ آر اور ولبھ بھائی کو سخت تکلیف پہنچی ہے۔ یہ لوگ محسوس کرتے ہیں، اور مجھے اُن سے اتفاق ہے، کہ اُن لوگوں نے شریفانہ طور پر اور ایک رفیقِ کار کی حیثیت سے تمہارے ساتھ پوری وفاداری کو ملحوظ رکھ کر کام کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمھارے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمھارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے اور تم مظلوم ہو۔ میرا جی چاہتا ہے کہ تم اِس نقطۂ نظر کو سمجھو اور اگر کسی طرح بھی ممکن ہو تو اخباروں میں شایع شدہ رپورٹ کی تصحیح کر دو۔

تیسری چیز کی نسبت، میں نہایت ہی ذوق و شوق کے ساتھ چاہوں گا کہ اُس کی وضاحت ہو جائے۔ میں قیاس نہیں کر سکتا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو مگر اس کو ملاقات پر اٹھا رکھو۔ مجھے اُس محنت و مشقت یا بوجھ میں کوئی مزید اضافہ ہرگز نہ کرنا چاہیے، جو تم اس وقت کر رہے ہو یا اٹھائے ہوئے ہو۔

ڈاکٹر انصاری کی یادگار کے متعلق میں نے آصف علی سے اپنی رائے صاف طور پر بیان کر دی ہے کہ ڈاکٹر کی یادگار قائم کرنے کے سوال کو سیاسی نقطۂ نظر سے بہتر اور موزوں تر وقت کے لیے اٹھا رکھا جائے جیسا کہ پاپا کی یادگار قائم کرنے کے بارے میں کیا گیا ہے۔ کیا تمھاری رائے کچھ اور ہے؟

کملا کی یادگار کا معاملہ بہت سست رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔

لو یہ شاہزادی کا خط ہے جس میں اندو کا ذکر ہے۔

بنگلور سٹی دسویں تک۔ محبت

باپو

۱۴۳۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں

۱۹ر جون ۱۹۳۶ء

اگر تحریر اتنی دھندھلی ہو کہ پڑھی نہ جا سکے تو خط پھینک دو۔

عزیز جواہر لعل،

میں یہ ملفوف تحریر تمھیں بھیجنے ہی والا تھا کہ کل تمھارا خط ملا۔ یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ رنجیت اب بہتر ہے۔ اُس کو اپنا خبر گیر آپ رہنا چاہیے۔

میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی کابینہ میں کسی خاتون کے نہ لینے سے متعلق کوئی خاص بیان جاری کرو۔ میرا خیال ہے کہ کابینہ سے خواتین کے حذف کر دیئے جانے کا مسئلہ اُس حیثیت کا کوئی مسئلہ نہیں ہے جو حیثیت دوسروں کے لئے جانے یا حذف کر دیئے جانے کے مسئلے کو حاصل ہے۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی مجلسِ عاملہ سے ایک خاتون کے قطعی اخراج کا نہ تو خواہش مند تھا اور نہ اس کی جرأت رکھتا تھا۔ اگر تمھارے اندازِ فکر و عمل کی یہ تعبیر صحیح ہے تو جب موقع آئے اس بات کی وضاحت ہو جانی چاہیے۔

جہاں تک دوسرے ارکان کا تعلق ہے مجھے افسوس ہے کہ جو کچھ پیش آیا اُس سے تم اب بھی رنجیدہ ہو۔ تم مقصدِ قومی کی خاطر بھولا بھائی والی گولی تو نگل گئے۔ پہلے ہی غور و فکر کے موقع پر، اس سے پیشتر کہ تم اِس امر کا ذکر کرتے، میں نے خود ہی کہہ دیا تھا کہ کابینہ میں اشتراکی خیال کے لوگ بھی ہونے چاہئیں۔ میں نے نام بھی لے دیے تھے۔ بہر حال میں جس بات پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ نہیں ہے کہ کس نے کس کا نام پیش کیا بلکہ یہ ہے کہ سب ہی جس محرک کے زیرِ اثر کام کر رہے تھے وہ مقصدِ مشترک کی خدمت کے جذبے کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں تھا۔

جہاں تک مجھے یاد ہے جو تحریر تم نے مجھے بھیجی ہے وہ، وہ بیان نہیں ہے جو میں نے دیکھا تھا۔ جو تحریر تم نے ملفوف کی ہے وہ تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں نے پہلی بار دیکھی ہے، ازراہِ محبت ڈاکٹر ایچ سے پوچھو کہ کیا انھوں نے

کوئی دوسری چیز تو شایع نہیں کی تھی۔ جو تحریر تم نے بھیجی ہے وہ اُس چیز سے مختلف ہے جس کا ذکر مجھ سے ڈاکٹر کیا کرتے تھے۔ وہ اگر اپنے خیالات کا اظہار کریں تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، اگرچہ میری نظر میں وہ غلط ہیں۔ مجھے شکایت یہ ہے کہ انھوں نے مجھ سے ایک بات کہی اور اشاعت کے لئے کچھ اور کہہ دیا۔ تم کو اجازت ہے کہ یہ خط تم ڈاکٹر کو دکھا دو۔

امید ہے کہ تم بخیر ہو گے۔ میں تمھارے پنجاب کے طوفانی دوروں کی خبریں جو خالی از فکر و تردد نہیں، پڑھتا رہا ہوں۔

محبت

باپو

۱۴۴۔ از رابندر ناتھ ٹیگور،

شانتی نکیتن

۳۱ر مئی ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

میں نے تمھاری گراں قدر کتاب ابھی ابھی ختم کی ہے، میں تمھارے اس کارِ نمایاں سے بہت ہی متاثر ہوا اور فخر و غرور سے میرا سر اونچا ہو گیا۔ اُس کی تمام تفصیلات میں انسانیت کی ایک گہری لہر جاری و ساری پائی جو حوادث و واقعات کے اُلجھاووں سے گزار کر ہماری رہبری اُس انسان تک کرتی ہے جو اپنے کارناموں سے بزرگ تر اور اپنے ماحول سے صادق تر ہے۔

تمھارا بہت ہی مخلص

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۴۵۔ از چارلس ٹریویلین

والنگٹن، کیمبو، مارتھ

۱۲ر جون ۱۹۳۶ء

پیارے مسٹر نہرو،

میں نے آپ کی تالیف پڑھی۔ میں اُس انسان سے ملنا چاہوں گا جو

اِس کتاب کے صفحوں پر ظاہر ہوا ہے۔ ہم دونوں کی تعلیم کا آغاز ہارو اسکول سے ہوا جہاں ہمیں ہارے ہوئے اور دبے ہوئے کُتّوں کا حامی و مددگار بننا نہیں سکھایا جاتا تھا۔ یہ بات جبر و تشدد اور اپنی قوم کی غریبی نے آپ کو سکھائی اور جنگ اور شہر کی گندی اور تاریک گلیوں اور محلّوں نے مجھے سکھائی۔ اب ہم دونوں بہت کچھ یکساں طور پر سوچا کرتے ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ آپ جب انگلستان میں ہوں تب مجھے ضرور مطلع کریں۔ میں نہیں سمجھتا کہ میں ہندوستان آؤں گا اس لئے کہ میں تاریک سرزمینوں، جرمنی، ہندوستان اور اٹلی کی سیر کا شوق نہیں رکھتا جب کہ سُرخ (کمیونسٹ)، یا سُرخی مائل (اشتراکی)، وہاں جانے کو موجود ہیں۔ لیکن اگر کبھی میں ہندوستان آیا تو میں آپ کو ڈھونڈھ لوں گا خواہ آپ جیل میں ہوں خواہ آزاد۔

آپ کا برادرانہ

چارلس ٹریویلین

۱۴۶۔ از سر محمد اقبال

لاہور

۲۱ رجون ۱۹۳۶ء

میرے محترم پنڈت جواہر لعل،

آپ کے خط کا جو مجھے کل ملا بہت بہت شکریہ۔ جب میں نے آپ کے مقالات کا جواب لکھا تب مجھے اس بات کا یقین تھا کہ احمدیوں کی سیاسی روش کا آپ کو کوئی اندازہ نہیں ہے۔ در اصل جس خیال نے خاص طور پر مجھے آپ کے مقالات کا جواب لکھنے پر آمادہ کیا وہ یہ تھا کہ میں دکھاؤں علی الخصوص آپ کو، کہ مسلمانوں کی یہ وفاداری کیوں کر پیدا ہوئی اور بالآخر کیوں کر اُس نے اپنے لئے احمدیت میں ایک الہامی بنیاد پائی۔ جب میرا مقالہ شائع ہو چکا تب بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ مجھے یہ معلوم ہوا کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی اُن تاریخی اسباب کا کوئی تصور نہیں ہے جنھوں نے احمدیت کی تعلیمات کو ایک خاص قالب میں ڈھالا۔ مزید براں، پنجاب اور دوسری جگہوں میں

آپ کے مقالات کو پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدت مند خاصے پریشان ہوئے۔ اُن کو یہ خیال گزرا کہ احمدی تحریک سے آپ کو ہمدردی ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہوا کہ آپ کے مقالات نے احمدیوں میں مسرّت و انبساط کی ایک لہر سی دوڑا دی۔ آپ کی نسبت اس غلط فہمی کے پھیلانے کا ذمّے دار بڑی حد تک احمدی پریس تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میرا تاثّر غلط ثابت ہوا۔ مجھ کو خود دینیات سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر احمدیوں سے خود انہی کے دائرۂ فکر میں نپٹنے کی غرض سے مجھے بھی دینیات سے کسی قدر جی بہلانا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے یہ مقالہ اسلام اور ہندوستان کے ساتھ بہترین نیتوں اور نیک ترین ارادوں میں ڈوب کر لکھا تھا۔ میں اِس باب میں کوئی شک و شبہہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدّار ہیں۔

لاہور میں آپ سے ملنے کا جو موقع میں نے کھویا اُس کا سخت افسوس ہے۔ میں اُن دنوں بہت بیمار تھا اور اپنے کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ مسلسل اور پیہم علالت کے سبب میں عملاً عزلت گزیں ہوں اور تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ضرور مطلع فرمائیں کہ آپ پھر پنجاب کب تشریف لا رہے ہیں۔ شہری آزادیوں کی انجمن کی آپ کی جو تجویز ہے اُس سے متعلق میرا خط آپ کو ملا یا نہیں؟ چونکہ آپ اپنے خط میں اس خط کی رسید نہیں لکھتے اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا ہے کہ یہ خط آپ کو ملا ہی نہیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۱۴۷۔ از راجندر پرشاد و دیگر اصحاب

واردھا

۲۹ جون ۱۹۳۶ء

پیارے جواہر لعل جی،

لکھنؤ کانگریس کے بعد جب آپ نے ہماری رائے اور نظریوں کے

جانے بوجھے اختلافات کے باوجود ہم لوگوں کو مجلسِ عاملہ کا ممبر مقرر کیا تو ہم لوگوں کو امید ہوگئی تھی کہ ایک مشترک خطِ عمل کا ترتیب دے لینا اور اپنے اختلافات کو پس پشت رکھ کر باہم مل جل کر کام کرنا اور اپنی تمام توجہ نقطۂ اتفاق پر مرتکز رکھ کر آگے بڑھنا ممکن ہوگا۔ ہم حتی المقدور اس امر کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ اپنے آپ کو حالات سے ہم آہنگ بنالیں مگر بدقسمتی سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس سعی و کوشش کے باوجود ایسی ہم آہنگی پیدا کر لینا ہمارے لئے ممکن نہیں نکلا جو دونوں مختلف الرّائے عنصروں کو یک جہتی کے ساتھ مل جل کر کام کرنے اور ایک آواز سے بولنے کے قابل بنادے ہم محسوس کر رہے ہیں کہ صدر کانگریس اور مجلسِ عاملہ کے دوسرے اشتراکی ممبروں کی طرف سے اشتراکیت کی تبلیغ کرنی اور اس پر زور دینا خصوصاً اِس منزلِ سفر میں جب کہ کانگریس نے اس مسلک کو ابھی اپنایا نہیں ہے نہ صرف ملک کے بہترین مفاد کے حق میں مضر ہے بلکہ اس قومی جنگِ آزادی کی کامیابی کے حق میں بھی مضرت رساں ہے جو ہم سب کی نظر میں اِس وقت ملک کی فکر و توجہ کا اوّلین اور اہم ترین مرکز ہے۔ آپ بھی یہ محسوس کرتے دکھائی دے رہے ہیں ___ اور دکھائی کیا دے رہے ہیں آپ نے تو اس کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ یہ مجلسِ عاملہ اپنی موجودہ ہیئتِ ترکیبی کے ساتھ آپ کی منتخب کردہ نہیں ہے بلکہ آپ پر لاد دی گئی ہے اور آپ نے اسے اپنی بصیرت کے فیصلے کے خلاف قبول کیا ہے۔ لکھنؤ میں جو کچھ پیش آیا اس سے جو اثر ہم نے لیا وہ آپ کے تاثر کی نقیض ہے۔ ہم اس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ ہم میں سے کسی نے بھی آپ پر مطلق کوئی دباؤ ڈالا ہے۔ بہر صورت، آپ کے اعلانات سے جو صورتِ حال پیدا ہوگئی ہے وہ کسی طرح اطمینان بخش نہیں کہی جا سکتی۔ اور ہمارا خیال ہے کہ ہمیں آپ کو مکمل آزادیِ عمل دینی چاہیئے تاکہ آپ کے دماغ سے یہ خیال دور ہو جائے کہ ایسے رفقائے کار کی موجودگی سے، جن کو آپ اپنے لئے سنگِ راہ سمجھ رہے ہیں، آپ کے راستے میں رکاوٹیں پڑ رہی ہیں۔ دوسری طرف

ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ کانگریس کو اب بھی اُنہی مطامح نظر اور اُسی طرزِ کار اور اُسی پالیسی پر عمل پیرا رہنا چاہیے، جن پر وہ ۱۹۲۰ء سے عمل کرتی چلی آئی ہے اور جن کو ہم اپنے وطن کے لئے، خصوصاً اُس کے موجودہ حالات میں، موزوں تر مطامحِ نظر، مناسب تر طرزِ کار اور سازگار تر پالیسی سمجھتے ہیں اور جن سے بڑے شان دار نتائج رونما ہو چکے ہیں۔ ہماری رائے میں آپ کی اور دوسرے رفقائے کار کی تقریروں اور دوسرے اشتراکیوں کے کارناموں سے جن کی اِن مذکورہ تقریروں سے ہمت افزائی ہوتی رہی ہے کانگریس کی تنظیم کمزور تو ملک کے ہر گوشے میں ہو گئی مگر اس ضعف و کمزوری کا نعم البدل کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ قوم کے سامنے اِس وقت جو فوری سیاسی کام منتظرِ تکمیل ہے، خصوصاً انتخابات کا پروگرام اُس پر آپ کے پروپاگنڈے کا بہت بُرا اثر پڑا ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ جو صورتِ حال پیدا کر دی گئی ہے اُس میں ہم آنے والے انتخابات کی جنگ اور اس جنگ کی تنظیم کی ذمّے داری اپنے کندھوں پر نہیں لے سکتے۔

اِن حالات میں ہم نے بڑے پس و پیش اور تردّد کے بعد بادلِ ناخواستہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم مجلسِ عاملہ سے مستعفی ہو جائیں۔ ہمارا خیال ہے کہ بڑے غور و فکر کے بعد ہم نے جس اقدام کا فیصلہ کیا ہے وہ آپ کے حق میں بھی عادلانہ و منصفانہ ہے اور ہمارے حق میں بھی اور جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں ملک کے بہترین مفاد کا مقتضیٰ بھی۔

آپ کے مخلصین

راجندر پرشاد	ولبھ بھائی پٹیل
سی۔ راج گوپال آچاریہ	جے۔ پی۔ کرپلانی
جے رام داس دولت رام	ایس۔ ڈی۔ دیو

جمنالال بجاج

۱۴۸۔ از راجندر پرشاد

واردھا

یکم جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر لعل جی،

کل آپ سے جُدا ہونے کے بعد ہم لوگوں نے مہاتما جی سے ایک طویل گفتگو کی اور باہم بھی ہم نے دیر تک مشورے کیے۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جو راہِ عمل ہم نے اختیار کی اُس سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچی۔ خصوصاً ہمارے خط کے لہجے سے۔ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں تھا کہ آپ کو پریشان کیا جائے یا آپ کو تکلیف و اذیت پہنچائی جائے۔ اگر آپ نے اشارہ کیا ہوتا یا اس بات کا اظہار کیا ہوتا کہ اس خط سے آپ کو اذیت پہنچی تو ہم نے بغیر پس و پیش کے خط میں ترمیم کر دی ہوتی یا اُسے بدل دیا ہوتا۔ مگر ہم نے پوری صورتِ حال پر دوبارہ غور و فکر کے بعد اپنا خط بھی واپس لے لینے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اپنے استعفے بھی۔

اب کہ ہم نے اپنے استعفے واپس لے لینے کا فیصلہ کر لیا ہے آپ ہمیں اجازت دیں گے کہ ہم اپنے اس بالکل نجی خط میں اپنے احساسات کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ گوش گزار کر دیں۔ اس شرح و بسط سے، ہم کسی رسمی سے خط میں جس کی اشاعت ناگزیر ہوتی، کام نہیں لے سکتے تھے۔ یقین کیجیے کہ ہم نے جو راہِ عمل اختیار کی اُس میں کوئی چیز بھی ہمارے ذہنوں سے اتنی دُور نہیں تھی جتنا کہ آپ کو کوئی اذیت پہنچانے کا خیال دُور تھا۔

ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی تمام تقریروں میں، جو پریس میں آیا کرتی ہیں، کانگریس کے عام پروگرام پر اتنی مفصل گفتگو نہیں فرماتے جتنی مفصل گفتگو کہ آپ اُس مسلک پر فرماتے ہیں جس کو کانگریس نے ابھی منظور نہیں کیا ہے۔ ہمیں آپ سے یہ توقع تھی کہ صدرِ کانگریس ہونے کی حیثیت سے اپنی تقریروں میں آپ زیادہ تر اکثریت کی ترجمانی فرمایا کریں گے۔

مگر آپ کر یہ رہے ہیں کہ ہمارے اُن رفقائے کار کی ترجمانی آپ کی تقریروں میں زیادہ ہوا کرتی ہے جو مجلسِ عاملہ اور کانگریس دونوں جگہ اقلیت میں ہیں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ اخباروں میں آپ کی تقریروں کا صرف وہی حصّہ شائع ہوتا ہے جو اشتراکیت سے متعلق ہوتا ہے، باقی حصّے کو اخباروں میں اس لئے اتنی نمایاں جگہ نہیں ملا کرتی کہ اُس کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے اندر اخباری قیمت و اہمیت کم رکھتا ہے۔ ہمیں یہ بات بہرحال یاد رکھنی چاہیئے کہ آپ کی تقریریں آپ کی زبان سے سُننے والا اگر ایک شخص ہوتا ہے تو اُس ایک شخص کے مقابلے میں سیکڑوں اشخاص ایسے ہوتے ہیں جو آپ کی تقریریں صرف اخباروں میں چھپی ہوئی پڑھتے ہیں، ایسی حالت میں آپ اُس اثر کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو آپ کی تقریروں کا آپ کے سامعین کی اس بڑی تعداد پر ہوتا ہے۔

ایک باقاعدہ اور مسلسل جدوجہد ہم لوگوں کے خلاف جاری ہے۔ جو ہم لوگوں کو از کارِ رفتہ اور دقیانوسی ٹھیراتی ہے، جو ہم لوگوں کو ایسے فرسودہ و دور از کار خیالات کا ترجمان بتاتی ہے۔ جو عہدِ حاضر میں کوڑی کی قیمت بھی نہیں رکھتے، جو ہم لوگوں کو ملک و قوم کی ترقّی کی راہ کے صرف روڑے قرار دیتی ہے اور جو ہم لوگوں کو اس قابل سمجھتی ہے کہ ہم لوگ اُن جگہوں سے جن پر ہم بغیر کسی استحقاق کے جمے بیٹھے ہوئے ہیں نکال باہر پھینکے جائیں۔ گاندھی جی کی صحبت و معیتت میں جن مطامحِ نظر، طرقِ کار اور ترکیبوں کی ہم نے تعلیم پائی ہے وہی ہم کو کسی تنظیم و ادارے میں توسّت و اقتدار کے لئے کھینچا تانی کرنے سے بھی روک دیتی ہیں۔ ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ دوسروں نے تو ہمارے ساتھ یہ ظلم اور یہ بے انصافی کی اور کر رہے ہیں مگر آپ سے بھی ہم لوگوں کو وہ حمایت اور وہ تحفّظ نہیں مل رہا ہے جس کے ہم آپ سے بہ حیثیت ہمارے ایک رفیق کار ہونے کے نیز بہ حیثیت ہمارے صدر ہونے کے حق دار تھے۔ جب بڑی مفصّل اور مکمّل تیّاریاں ہمارے نکالے جانے کی ہو رہی ہیں اور جب اس بات کے اعلانات بھی آپ کی موجودگی میں کیئے جا رہے ہیں

اور کہا جا رہا ہے کہ آپ کی ہمدردیاں بھی ایسی ہی ٹولیوں کے ساتھ ہیں، جیسا کہ ٹریڈ یونین کانگریس میں ہو چکا ہے، تب ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جو باتیں کہی جا رہی ہیں وہ نہ صرف اُن لوگوں کے احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں جو یہ باتیں کہا کرتے ہیں اور ان لفظوں میں کہا کرتے ہیں بلکہ وہ ایک حد تک آپ کی رائے اور خیال کی بھی ترجمانی کرتی ہیں۔ اس خیال سے ہم کو تکلیف پہنچا کرتی ہے اس لئے کہ ہمیں مطلقاً اس بات کی خواہش نہیں ہے کہ ہم کسی عہدہ و مقام سے چمٹے رہیں۔ ہم قدم بہ قدم بتدریج اس خیال تک پہنچا دیئے گئے ہیں کہ بہ حیثیت آپ کے رفقائے کار ہونے کے جس حد تک ہمیں آپ کا اعتماد حاصل ہونا چاہیئے اُس حد تک یہ اعتماد ہمیں حاصل نہیں ہے اور اب آپ کے دل میں ہمارے لیئے یا ہمارے افکار و خیالات کے لیئے کوئی احترام باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ان تمام باتوں سے ہم قدرتی طور پر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ آپ ہم لوگوں کو اپنی راہ کے سنگِ گراں سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں ہمارا اپنی جگہوں پر باقی رہنا قطعاً بے سود ہوگا اور ہم کوئی مفید خدمت انجام نہ دے پائیں گے۔

بمبئی میں خاتونوں کے ایک جلسے میں آپ نے جو تقریر فرمائی اُس سے ہم میں سے بہتوں کو سخت اذیت پہنچی اور ہم نے سمجھا کہ آپ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم لوگ زبردستی آپ کے اوپر لد گئے ہیں اور آپ نے اس مجلسِ عاملہ کو بھی اپنے فہم و بصیرت کے فیصلوں کے خلاف بادلِ ناخواستہ قبول فرمایا ہے۔ اگر لکھنؤ میں ہمیں علم ہو گیا ہوتا کہ آپ کے احساسات یہ ہیں تو حالات نے اور ہی صورت اختیار کی ہوتی۔

ہمارا خیال یہ بھی ہے کہ ملک کی صورتِ حال سے جس طرح آپ نپٹ رہے ہیں وہ ہمارے تعمیری پروگرام کو، جسے ہم کانگریس کے پروگرام کا ایک لابدی اور اہم جز سمجھتے ہیں نقصان پہنچا رہا ہے۔

تمام شخصی و ذاتی اعتبارات سے صرفِ نظر کر کے ہم نے شدت کے ساتھ یہ بات بھی محسوس کی ہے کہ گزشتہ سولہ یا سترہ برسوں سے ہم جس نصب العین

اور جس پالیسی کے حامی اور ترجمان رہے ہیں اور جس نصب عین اور جس پالیسی کے سوا ہم کسی دوسرے نصب عین یا پالیسی کو ملک کے لئے موزون و درست نہیں جانتے، آج اُس نصب عین اور اُس پالیسی کی بنیادیں بڑے عزم و استقلال کے ساتھ کھوکھلی کی جارہی ہیں اور جو لوگ اس کھیل میں لگے ہوئے ہیں، ہم محسوس کر رہے ہیں، کہ آپ بھی اپنے طرزِ فکر اور اپنی ہمدردیوں کے ساتھ اُنہی کے مؤید ہیں۔ ہم نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ ایسی حالت میں ہمارا آپ کے ساتھ رہنا ایک غلط سا اثر پیدا کر رہا ہے اور ہم اپنے اس طرزِ عمل سے ایک طرح بادلِ ناخواستہ اور غیر شعوری طور پر ان تخریبی سرگرمیوں کی تائید کر رہے ہیں۔ اسی قسم کی سرگرمیوں سے بہ تدریج کانگریس کی تنظیم اور اُس کی ساکھ کو نقصان پہنچ رہا ہے اور وہ اس لئے کہ ملک بہ حیثیتِ مجموعی اب بھی قدیم مطامحِ نظر اور قدیم پالیسی کا حامی اور مؤید ہے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ کانگریس کی کمزوری اور کام کرنے والوں میں انتشار پسند رجحانات کی ہمت افزائی ہے۔ یہ حالت آئندہ انتخابات میں فطری طور پر کانگریس کی کامیابی کے امکانات کم تر کرتی جارہی ہے۔ اس بارے میں آپ کی رائے کچھ اور ہے۔ انتخاب کے نتائج کا معاملہ بہر حال ایک قیاس آرائی کا معاملہ ہے اور اس باب میں اختلاف آراء کچھ بعید نہیں۔ ہم نے اِس استدلال کی قوت مان لی ہے کہ ہمیں وہ انتہائی سخت قدم جس کا ہم نے ارادہ کر لیا تھا اُس وقت تک نہ اٹھانا چاہیے جب تک ہمیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ ہمارا استعفیٰ اور اُس سے پیدا ہونے والے نتائج آئندہ انتخابات میں کانگریس کی کامیابی کے امکانات کو اگر بہتر نہ بنائیں گے تو بہ حیثیت مجموعی اُن کو نقصان بھی نہ پہنچائیں گے۔ ہم میں سے کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے ہمارے اِس اقدام سے ایسے حوادث کا ایک سلسلہ قائم ہو جائے جو انتخابات سے متعلق ہماری حالت و حیثیت کو اور بدتر کر دے اور اس بات کو ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ اس موقع پر کوئی قسمت آزمائی کی جائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کانگریس کی تنظیم اور اس کے ضبط و نظم

کے عام طور پر کمزور ہو جانے کی نسبت جو اندیشہ ہمارے دلوں میں سمایا ہوا ہے
ہے وہ ہمارے اُس ذاتی تجربے پر مبنی ہے جو صوبوں کی موجودہ صورتِ حالات
کا ہمیں حاصل ہے اور ہم اپنا فرض جانتے ہیں کہ ہم یہ بات آپ کے علم میں
لے آئیں تاکہ آپ اُس سے، بہتر سے بہتر طریقے پر جو آپ کے ذہن میں
آئے عہدہ برآ ہو سکیں۔

جیسا کہ ہم آپ سے کئی بار کہہ چکے ہیں ہمارے ذہنوں کا یہ تاثر کسی ایک
عمل یا کسی ایک تقریر کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ وہ ایسے اقدامات اور
تقریروں کے مجموعے کا نتیجہ ہے اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے ذمّے
آپ کا یہ ایک فرض ہے کہ ہم آپ سے یہ تمام باتیں صفائی کے ساتھ کہہ دیں
تاکہ جو افکار و خیالات ہمارے دلوں میں گزر رہے ہیں وہ پورے طور پر آپ کے
علم میں آجائیں اور اگر آپ یہ سمجھیں کہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے تو آپ اپنی
صوابدید کے مطابق بہتر سے بہتر طریقے پر اُسے انجام دے سکیں۔ ہمیں
افسوس ہے کہ ہم نے آپ کے احساسات کو صدمہ پہنچایا اور ہمیں امید واثق
ہے کہ ہمارے اس خط میں معاملات کے سلجھانے میں مدد ملے گی، ہم معاملات
کو پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دینے کی مطلق کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ میں یہ خط
اپنے رفقاء سے مشورے کے بعد سب کی طرف سے لکھ رہا ہوں۔ جہاں تک
ہمارا تعلق ہے یہ ضمنی قصہ، ملک کے بہترین مفاد کی خاطر جیسا کہ وہ ہمارے
تصوّر میں تھا، ہمارا پیدا کردہ ہے اور اب آپ اُس استعفے والے خط کو
ایسا سمجھیں کہ گویا وہ لکھا ہی نہیں گیا۔ اس لئے یہ خط آپ ہمیں ازراہِ کرم
واپس کر دیں۔

یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ یہ ایک بالکل نجی اور ذاتی خط ہے جو اس
نیّت سے نہیں لکھا گیا ہے کہ دفتری کاغذات کا کوئی جزو بنے۔

آپ کا مخلص

راجندر پرشاد

۱۴۹۔ بنام مہاتما گاندھی،

الہ آباد

۵ر جولائی ۱۹۳۶ء

میرے محترم باپو

میں شب گزشتہ یہاں پہنچا۔ جب سے میں نے واردھا چھوڑا ہے اپنے جسم کو کمزور اور دماغ کو بے چین پا رہا ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میری یہ کیفیت ایک حد تک جسمانی اسباب کی پیدا کردہ ہے۔ مثلاً وہ ٹھنڈ جس نے میری حلق کی تکلیف بڑھا دی۔ مگر کچھ دوسرے اسباب بھی ہیں جو قلب و دماغ کو براہِ راست متاثر کر رہے ہیں۔ جب سے میں یورپ سے واپس آیا ہوں، دیکھ رہا ہوں کہ مجلس عاملہ کے جلسے مجھے بہت تھکا دیا کرتے ہیں۔ یہ جلسے مجھ کو مُردہ اور بے جان سا بنا دیتے ہیں اور ہر نئے تجربے کے بعد میرا احساس کم و بیش یہ ہوتا ہے کہ میری عمر کچھ زیادہ ہے۔ اگر میرے دوسرے رفقائے کار بھی ایسا ہی کچھ محسوس کرنے لگتے ہوں تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہ ہوگا۔ یہ کوئی صحت مند تجربہ نہیں ہے۔ اور اس سے عمدہ اور نتیجہ خیز کام کی راہ میں رکاوٹیں پڑ جاتی ہیں۔

جب میں یورپ سے لوٹا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ملک اخلاقی حیثیت سے انحطاط پذیر اور پست ہمت ہو چکا ہے اور اس لئے ہمیں دھیمی رفتار سے چلنا پڑے گا۔ مگر گزشتہ چار مہینوں کے میرے مختصر سے تجربے نے اس تاثر کی تائید نہیں کی۔ سچ پوچھئے تو میں جہاں کہیں بھی گیا زندگی کے اُبلتے ہوئے چشمے دیکھے اور پبلک کو جس جوش و خروش کے ساتھ میں نے آمادۂ تعاون پایا اُسے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ یہ کس بات کا نتیجہ ہے میں یقین و تعین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔ میں صرف مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کر سکتا ہوں۔ پبلک کے اس جوشِ تعاون نے فطری طور پر میری ہمت بڑھا دی ہے اور میرے اندر قوت و طاقت کی ایک تازہ لہر دوڑا دی ہے۔ مگر قوت و طاقت کی یہ تازہ لہر مجلسِ عاملہ کی ہر نشست کے بعد میرا ساتھ چھوڑ جاتی ہے اور

جب مجلس کی نشست سے واپس آتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک بالکل سرد اور خالی بیڑی ہوں۔ اس موقع پر جو ردِّ عمل مجھ پر ہوا وہ نہایت سخت ہوا اور وجہ اس کی یہ تھی کہ جسمانی طور پر کمزور تھا۔

مگر میں اپنی جسمانی یا دماغی حالت کی نسبت آپ کو خط نہیں لکھنا چاہتا تھا۔ اس سے اہم تر کچھ معاملات ہیں جو میرے لئے موجب فکر و تردد ہیں اور جن سے نجات پانے کا کوئی صاف اور واضح راستہ اب تک میں نے نہیں پایا ہے۔ میں پورے طور پر معاملات پر غور و فکر کئے بغیر عجلت میں کوئی قدم اٹھانا نہیں چاہتا۔ مگر اس سے پیشتر کہ میرا اپنا ذہن کوئی فیصلہ کرلے آپ کی خدمت میں عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ میں کس سمت دیکھ رہا ہوں۔

معاملات کے سلجھانے میں اور کسی بحران سے بچ کر گزر جانے کی سعی و کوشش کو مدد دینے میں آپ نے جو زحمتیں گوارا فرمائی ہیں میں اُن کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔ مجھ کو اُس وقت بھی یقین تھا اور اب بھی ہے کہ جس قسم کی علیحدگی کی تجویز سامنے آئی تھی اُس کے عواقب و نتائج ہمارے تمام کاموں کے حق میں بہ شمولِ انتخابات سنگین ہوتے۔ مگر پھر بھی، غور فرمایئے کہ اس وقت ہم کہاں ہیں اور مستقبل ہمارے لئے اپنی آغوش میں کیا رکھتا ہے؟ میں نے راجندر بابو کا نجی خط (یعنی اُن کا دوسرا خط) اور میرے خلاف اُن کی عائد کی ہوئی مہیب فردِ قرارداد جُرم دوبارہ پڑھی۔ یہ فردِ قرارداد جُرم اگرچہ ڈراؤنی اور مہیب ہے مگر بجز میری اُس تقریر کے جو میں نے خواتین کے ایک اجتماع میں کی اور جو، واقعہ یہ ہے کہ، کسی وسیع تر مسئلے سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی، مبہم و غیر مُصَرّح ہے۔ خاص اور اہم بات اِس فردِ قرارداد جُرم میں یہ ہے کہ میری سرگرمیاں کانگریس کے مقاصد کے حق میں مضر ہیں۔ وہ کانگریس کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور انتخابات میں اُس کی کامیابی کے امکانات کو گھٹا رہی ہیں۔ اور اگر میرا یہی طرزِ عمل جاری رہا تو حالات کا بد سے بدتر ہو جانا قرین قیاس ہے۔ اور میرے رفقائے کار

اِس اہم معاملے میں کوئی قسمت آزمائی کرنی نہیں چاہتے۔

اب، بدیہی طور پر، اس الزام میں اگر کوئی صداقت ہے، تو اُس کا مقابلہ ضرور کرنا چاہیئے۔ معاملہ اتنا سنگین ہے کہ محض لیپ پوت یا اُس کی غلط توجیہہ و تاویل پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا۔ اِس الزام میں سیاہ و سپید کی آمیزش نہیں ہے اور نہ میری سرگرمیوں سے پیدا ہونے والی بھلائیوں یا بُرائیوں کے درمیان کوئی نازک موازنہ ہے۔ الزام اوّل سے آخر تک سیاہ ہے اور یہ بات فیصلے کو آسان تر بنا دیتی ہے۔ اس لئے کہ واقعہ کو کتنا ہی نرم کر کے بیان کیا جائے پھر بھی اُس کا حاصل یہ ہوگا کہ: میں ایک ناقابلِ برداشت مصیبت ہوں اور وہی اوصاف جو میرے اندر پائے جاتے ہیں ——— یعنی کسی قدر اہلیت و استعداد، قوّتِ عمل، اخلاص اور کچھ شخصیت جو قوم کے لئے ایک مبہم سی جاذبیّت رکھتی ہے ——— یہ تمام اوصاف خطرناک بن جاتے ہیں اس لئے کہ وہ ایک غلط رتھ میں جوت دیے گئے ہیں۔ نتیجہ جو ان تمام باتوں سے نکلتا ہے ظاہر اور واضح ہے۔

میرا اپنا تاثر لکھنؤ کے اجلاس سے پہلے اور کسی حد تک لکھنؤ میں بھی، یہ تھا کہ ہم سب کے لئے اس سال مل جل کر کام کرنا دشوار نہ ہوگا۔ اب یہ ظاہر ہو گیا کہ میں غلطی پر تھا، اگرچہ دونوں جانب سے مسالمت و مفاہمت کی سعی و کوشش میں کوئی کمی نہیں رکھی گئی۔ شاید قصور میری ہی جانب سے ہے، گو مجھے اس کا علم نہیں ہے، لیکن کوئی شخص اپنی آنکھ کا شہتیر خود بہت کم دیکھ پاتا ہے۔ واقعہ بہرحال اپنی جگہ پر ہے اور آج کوئی ایسی قلبی اور روحی وفاداری نہیں ہے جو ہمارے اِس گروہ کو باہم لبستہ و پیوستہ رکھتی ہو۔ یہ ایک میکانیکی یا کل پرزوں کا جُڑا ہوا ایک گروہ ہے اور دونوں جانب ایک دبی دبائی سی بیزاری اور دباؤ کا ایک احساس ہے اور جیسا کہ نفسیات کا ہر طالب علم جانتا ہے، ایسی حالت سے ہر قسم کی، انفرادی اور اجتماعی، ناخوش گوار دماغی پیچیدگیاں جو رجحانات اور جبلّتوں کے دبانے سے پیدا ہو جاتی ہیں، رونما ہوتی ہیں۔

اِس بار جب میں بمبئی پہنچا تو بہت سے لوگ مجھے آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ اُن کے لیئے یہ باور کرنا مشکل تھا کہ میں زندہ کیوں کر بچ گیا۔ وہاں یہ بات عام طور پر مشہور تھی، جیسا کہ ٹائمز آف انڈیا میں پہلے چھپ بھی چکا تھا کہ ایک پُر سکون خاتمہ میرا انتظار کر رہا ہے ـــــ خاتمے سے مراد یقیناً سیاسی خاتمہ ہے۔ ہر بات کا انتظام ہو چکا تھا، صرف چتا میں آگ لگا دینے کی رسم رہ گئی تھی۔ لوگوں کو مجھے دیکھ کر غرقِ حیرت و استعجاب ہو جانے کی یہی وجہ تھی۔ مجھے یہ بات عجیب سی معلوم ہوئی کہ میں اِن تمام متیقن افواہوں سے یکسر بے خبر کیوں کر رہ گیا جب کہ سڑکوں کے ہزاروں راہ گیر بھی اُن سے پورے طور پر باخبر تھے۔ لیکن میں اگرچہ اِن افواہوں سے بے خبر تھا مگر یہ افواہیں اپنی شہرت کے نہایت ہی مستحکم اور معقول اسباب رکھتی تھیں۔ اِسی ایک بات سے میری موجودہ تنہائی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

میں نے اپنے موجودہ افکار کی نسبت اپنی کتاب میں بھی بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے اور بعد کو بھی۔ میرے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیئے مسالہ یا مواد کی کمی نہیں ہے۔ میرے یہ افکار اتفاقی نہیں ہیں، وہ میرے قلب و دماغ میں پیوست اور میرا ایک جُز ہیں اور اگرچہ یہ ممکن ہے کہ آگے چل کر میں اُنھیں بدل دوں یا اُن میں ترمیم کر دوں مگر جب تک کہ میں اُنھیں نہیں بدلتا یا اُن میں کوئی ترمیم نہیں کرتا میں اُن کا اظہار ضرور کروں گا۔ اور چونکہ میں ایک وسیع تر اتحادِ رائے کو اہمیت دیا کرتا تھا، میں نے ان افکار کا اظہار، جس حد تک میرے امکان میں تھا، نرم ترین طریقے پر کیا اور وہ بھی متعین و مُسلّم نتائج کے طور پر نہیں بلکہ بیشتر ایک دعوتِ فکر کے طور پر۔ کانگرس جو کچھ بھی کر رہی ہے اُس کے اور اپنے افکار کے اس انداز سے پیش کرنے کے درمیان میں نے کوئی تصادم یا ٹکراؤ نہیں دیکھا۔ جہاں تک کہ انتخابات کا تعلق تھا میں نے وثوق و یقین کے ساتھ محسوس کیا کہ اِن افکار کا اس طرز پر پیش کیا جانا ہمارے لیئے یقیناً ایک قیمت رکھتا تھا۔ اس لیئے کہ یہ افکار عوام کے اندر جوش و ولولہ پیدا کرتے تھے۔ مگر میرا یہ

طرز و انداز ان افکار کے پیش کرنے کا، اگرچہ نرم و مبہم تھا، میرے رفقائے کار کی رائے میں مضر اور خطرناک تھا۔ مجھ سے یہاں تک کہا گیا کہ میرا ہندوستان کی ناداری اور بے روزگاری پر زور دینا غیر دانش مندانہ ہے یا، کم از کم جس طریقے پر میں ایسا کیا کرتا ہوں وہ طریقہ غلط ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ دہلی اور لکھنؤ دونوں جگہ میں نے یہ بات صاف کر دی تھی کہ معاشرتی مسائل پر اپنے آراء و افکار کے اظہار کی آزادی مجھے ضرور ملنی چاہیئے۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ آپ اور ممبرانِ کمیٹی اس سے متفق ہیں۔ سوال اب خود ان افکار و آراء سے زیادہ آزادیِ اظہارِ رائے کا ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ سوال اقدارِ زندگی کا ایک سوال ہے اور اگر ہم کسی چیز کو بہت گراں قدر جانتے ہیں تو اُسے ہم قربان نہ کرنے کے مجاز ہوں۔

یہی ایک ناقابلِ انکار نزاع ہے۔ کون بر سرِ حق و صواب ہے اور کون بر سرِ غلط، اس پر بحث و مباحثہ فضول ہے۔ مگر گزشتہ ہفتے کے واقعات کے بعد مجھے اِس امر میں شبہہ ہونے لگا ہے کہ ہم صحیح راستے پر چل بھی رہے ہیں یا نہیں۔ میرا میلانِ طبع اِس خیال کی طرف ہے کہ ہمارے لئے صحیح راہِ عمل یہ ہوگی کہ ہم اس معاملے کو اختصار کے ساتھ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی آئندہ نشست کے سامنے رکھ کر اُس کی رہنمائی حاصل کریں۔ اس کام کو بہتر سے بہتر طریقے پر کیوں کر انجام دیا جائے، یہ بات ابھی واضح طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی ہے مگر اس کام کو تا حدِ امکان نہایت ہی سادہ طریقے سے بغیر زیادہ بحث و مباحثہ کے انجام دینا چاہیے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، سو میری طرف سے کوئی بحث و مباحثہ نہ ہوگا۔

اِس کا نتیجہ غالباً یہ ہوگا کہ میں علیحدہ ہو جاؤں گا اور ایک زیادہ ہم آہنگ کمیٹی تشکیل پائے گی۔

آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ آپ کسی قسم کا کوئی بیان جاری فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں اس بیان کو خوش آمدید کہوں گا اس لئے کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ ہر زاویہ نگاہ صفائی کے ساتھ ملک کے سامنے رکھ دیا جانا

چاہئے۔

میں ابھی اس معاملے کا ذکر کسی سے نہیں کر رہا ہوں۔ یقیناً متجسس اور گستاخ نگاہیں اس کو راستے ہی میں دیکھ لیں گی۔ اس سے پیشتر کہ یہ آپ تک پہنچ پائے۔ مگر ایسی تجسس اور گستاخ نگاہوں کو برداشت کرنا پڑے گا۔

بمبئی میں میں نے مریدولا سے باتیں کی تھیں۔ وہ میرے بلانے پر احمد آباد سے چند گھنٹوں کے لئے بمبئی آئی تھیں۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ جہاں تک نفسِ واقعات کا تعلق ہے، جو کچھ آپ نے اُن سے فرمایا تھا اُس کے اور جو کچھ میں نے عرض کیا یا لکھا تھا اُس کے درمیان انھوں نے نہ تو کوئی اختلاف پایا نہ کسی اختلاف کا ذکر کیا۔ در اصل انھوں نے یہ بات اُس خط میں واضح کر دی تھی جو انھوں نے آپ کو لکھا تھا، مگر آپ شاید دو ایک جملے نظر انداز فرما گئے۔ انھوں نے اپنے پچھلے خط کی ایک نقل آپ کو بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تاکہ یہ بات آپ اپنی آنکھوں دیکھ لیں۔

واردھا میں مجھ سے کہا گیا کہ گجراتی خواتین یہ کہتی پھر رہی ہیں کہ مجلسِ عاملہ سے خاتونوں کے اخراج کے ذمے دار آپ تھے یا ولبھ بھائی یا دونوں صاحب۔ میں نے مریدولا سے یہ بات پوچھی۔ انھوں نے کہا کہ اُن کے علم میں نہ کسی نے یہ بات کہی تھی اور نہ کسی نے ایسا خیال ہی کیا تھا۔

اس موضوع پر میں نے سروجینی سے بھی باتیں کی تھیں۔

میں جیوراج مہتا اور خورشید سے ملا تھا۔ جیوراج لاگت وغیرہ کے متعلق بدھان سے بالکل متفق نہیں ہیں۔ مگر انھوں نے اپنی پچھلی رقم کسی قدر گھٹا دی۔ اب وہ کہتے ہیں کہ شفا خانے کی عمارت اور ساز و سامان کے لئے دو لاکھ کی رقم کافی ہونی چاہیے۔ مگر وہ اس بات کو پسند کریں گے کہ دو لاکھ کی رقم اور بہ طور سرمایۂ محفوظ فراہم کر لی جائے۔ اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ شفا خانہ سوراج بھون کے میدانوں پر نہیں، جیسا کہ ابتدائی نقشے میں قرار پایا تھا، بلکہ آنند بھون کے شرقی جانب جو میدان ہے، اُس پر تعمیر کیا جائے۔ میں اِس بارے میں میونسپلٹی سے دریافت کروں گا۔

میرا ارادہ ہے کہ جب آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ بمبئی میں منعقد ہو تب اُسی وقت کسی موقع پر ایک جلسہ کملا میموریل کے متولیوں کا اور ایک جلسہ سوراج بھون کے متولیوں کا بھی کروں۔

بمبئی میں نرگس نے مجھے ایک جرمن ماہر امراضِ حلق کے پاس بھیجنے پر اصرار کیا۔ اس شخص نے مجھے ایک ہفتے تک تقریباً بالکل خاموش رہنے کا مشورہ دیا ہے تاکہ میرا حلق آرام کرلے۔ یہ بڑا دشوار کام ہے۔

محبّت

آپ کا محبّت آگیں

جواہر لعل

۱۵۰۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا

۸ رجولائی ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل

تمہارا خط مجھے ابھی ابھی ملا ہے۔ میں اس فکر میں تھا کہ وقت ملے تو واردھا کے واقعات کی نسبت تمھیں لکھوں۔ تمہارا خط میرے خط لکھنے کو دشوار بنا رہا ہے۔ بہ ہر حال میں اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ استعفوں کی واپسی والا خط اُس معنیٰ کا متحمل نہیں ہے جو تم اُسے دے رہے ہو۔ یہ خط تمھیں بھیجے جانے سے پہلے مجھے دکھالیا گیا تھا۔ استعفے کی جگہ اک ایسا خط بھیجنے کا مشورہ میں نے دیا تھا۔ میری آرزو ہے کہ تم اس خط کی نسبت زیادہ انصاف پسندانہ رائے قائم کرو۔ بہ ہر صورت میری یہ مستحکم رائے ہے کہ سال کا جو حصّہ باقی رہ گیا ہے اُس میں یہ تمام تو تو میں میں ختم ہو جانی چاہیے اور کسی کو مستعفی نہ ہونا چاہیے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی مفلوج ہو کر رہ جائے گی اور اس بحران سے عہدہ برآ ہونے کی قوّت اپنے اندر نہ پائے گی۔ وہ دو جذبوں میں بٹ کر رہ جائے گی۔ یہ سخت بے انصافی کی بات ہوگی کہ جمہوریت کے نام پر یک بیک اُس کے اوپر ایک ایسا بحران لا ڈالا جائے۔ جس کے مقابلے کی اُس کو

کبھی کسی زمانے میں دعوت نہیں دی گئی۔ تم خط کے منشاء و مُراد کی شرح میں مبالغے سے کام لے رہے ہو۔ مجھے بحث و مباحثہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ مگر اتنا میں تم سے باصرار کہوں گا کہ صورتِ حال پر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور افسردگی و بددلی کے عالم میں جو تمھارے لیئے نہایت نازیبا ہے اُس سے مغلوب نہ ہو جاؤ۔ تم مجلسِ عاملہ کی میٹنگوں پر اپنی خوش طبعی اور ذوقِ ظرافت کو سحر آفرینی کے موقعے کیوں نہیں دیا کرتے؟ اُن لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنا تمھارے لیئے کیوں دشوار ہو جائے جن کے ساتھ تم نے بغیر کسی خرخشے کے سالہا سال تک کام کیا ہے؟ اگر وہ لوگ ناروا داری کے مجرم ہیں تو اس میں تمھارا حصہ حصۂ غالب ہے۔ تمھاری باہمی ناروا داری کے سبب ملک مبتلائے مصیبت کیوں ہو؟

مجھے قوی امید ہے کہ تم نے جرمن طبیب کا نہایت ہی معقول مشورہ قبول کر لیا ہو گا۔

محبت

باپو

۱۵۱۔ از جے۔ بی۔ کرپلانی

سوراج بھون

الہ آباد

۱۱ر جولائی ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر،

تم بمبئی سے کسی قدر علیل واپس آئے۔ میں نے تم کو پریشان کرنا پسند نہیں کیا۔ اب کہ تمھاری صحت کم و بیش اپنی طبیعی حالت پر آ گئی ہے میں چند سطریں لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

واردھا میں پچھلی بار جو اقدام کیا گیا وہ اتنی شخصی اہمیت نہیں رکھتا تھا جتنی کہ تم نے اُسے دے ڈالی۔ کم از کم میری نظر میں وہ صرف ایک سیاسی اہمیت رکھتا تھا۔ میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی

کہ اپنے رفقائے کار کا ساتھ دینے کے معنی یہ ہوں گے کہ شخصی طور پر میرے دل میں تمہارا کوئی احترام نہیں ہے۔ میں نے تمہاری دوستی کی ہمیشہ قدر کی ہے۔ اس دوستی کی بنیاد یقیناً سیاسی تھی۔ مگر تمہارے ساتھ میرے سالہا سال کے قریبی تعلقات نے اس سیاسی رشتے کو دوستی کی شکل دے دی ہے۔ تم اس دوستی کے حدود سے شاید واقف نہ ہو اس لئے کہ اس دوستی کا اظہار کبھی لفظوں میں نہیں کیا گیا۔ تم کو یہ سُن کر حیرت ہوگی مگر یہ ایک واقعہ ہے کہ میں نے ڈیڑھ سال اپنی شادی اس لئے ملتوی رکھی کہ تمھیں فرصت نہیں تھی۔ اس شادی کے موقع پر اور تو کسی کی موجودگی کی مجھے آرزو نہیں تھی مگر تمہاری موجودگی کی تمنا ضرور تھی۔ سوچیتا کو یہ باتیں سمجھا دی گئی تھیں اور میری عمر کے پیش نظر اگرچہ وہ انتظار پر رضامند نہیں تھی مگر اُس نے میرے جذبے کو سمجھا اور اُس کا احترام کیا۔ مجھے تم سے جو محبت و شیفتگی ہے ہماری مشترک دوست خورشید بہن اُس سے آشنا ہیں۔

باپو نے مجھ سے فرمایا کہ تم کو میری وجہ سے بہت رنج پہنچا۔ آپ کو شکایت یہ ہے کہ باوجودیکہ ہم دونوں اکثر یکجا رہے میں نے معاملات کچھ اور پہلے تم سے بیان نہیں کردیئے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے اس الزام کی قوت کو تسلیم ہی کرلینا چاہیئے۔ ایسا میرے اِک ناقابلِ توجیہہ حجاب کی وجہ سے ہوگیا۔ لکھنؤ کے بعد سے میں برابر سوچتا رہا کہ میں تم سے باتیں کرلوں۔ کسی نہ کسی طرح، کام کے ہجوم اور دباؤ اور پیہم نقل و حرکت کے سبب میں اس گفت و شنید کو ٹالتا رہا اور اُس کے لئے کوئی موقع نہیں پیدا کرسکا۔

واردھا میں جو اقدام ہوا، جہاں تک میں جانتا ہوں، یک بہ یک اور پہلے سے کچھ سوچے سمجھے بغیر ہوا۔ جن لوگوں نے دستخط کیے اُن کے ردِ عمل اور تاثر میں یک رنگی و یکسانی سی تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ اقدام کوئی شخصی اہمیت رکھتا ہے۔ تم شاید نہ جانتے ہو، مگر پہلا خط قریب قریب پورا اور دوسرا از اوّل تا آخر راجندر بابو کا نوشتہ تھا۔ تم کو ممکن ہے اس پر حیرت ہو مگر ہم میں سے واقعی ہر شخص کا یہ خیال تھا کہ تم ہم لوگوں کو

اپنی راہ کا ایک پتھر سمجھتے ہو اور اگر کوئی تبدیلی ہو گئی تو تم کو اس پر کوئی افسوس نہ ہو گا۔ ہم نے یہ بھی سوچا کہ تنفیذی جماعت کا از سرِ نو مرتب کر دیا جانا بالکل ممکن ہے اور یہ کچھ ضروری نہیں کہ اس نئی ترتیب میں اشتراکیوں ہی کو لایا جائے بلکہ کچھ ایسے لوگ رکھ دئے جائیں جو اگرچہ قطعیت کے ساتھ اشتراکی پارٹی سے تعلق نہ رکھتے ہوں مگر کم و بیش تم سے اتفاق رکھتے ہوں۔ میں سب کی نسبت تو نہیں کہہ سکتا مگر اپنے رفقا میں سے اکثریت کی نسبت تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ تمھارا گھبرا اٹھنا تو دور کی بات ہے، تم اس اقدام سے پریشان بھی ہو گے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ ہم غلطی پر تھے۔ یہ باتیں میں تم کو اس لئے لکھ رہا ہوں تاکہ تم اس اقدام کی نسبت جو رائے قائم کرو صحت کے ساتھ کرو، مبادا تم دوستوں کے ساتھ غیر ارادی طور پر زیادتی کر بیٹھو۔

یہاں تک تو میری یہ توجیہہ اپنی ذات سے متعلق تھی۔ میں نے اپنے جو سیاسی افکار حال ہی میں ظاہر کئے ہیں اُن سے تم کو طبیعی طور پر حیرت ہوئی ہے۔ تم ایک خاصی مدت تک اکھاڑے سے دُور رہے ہو۔ تم پس منظر کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے۔ اشتراکی دوستوں کے ساتھ مباحثوں کا سلسلہ بمبئی کانگریس کے پہلے سے جاری ہے۔ بلکہ وہ پونا کانفرنس سے بھی پہلے سے جاری ہے۔ تم کو شاید معلوم ہے کہ جب پونا کانفرنس میں ان لوگوں کی طرف سے سول نافرمانی واپس لے لینے کی تجویز پیش ہوئی تب اس تجویز کے خلاف بولنے والوں میں میں ایک خاص شخص تھا بلکہ یوں کہئے کہ میں نے تنہا اس تجویز کے خلاف تقریر کی تھی۔ تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ کچھ دوستوں نے، خصوصاً بھولا بھائی وغیرہ نے، میری اس مخالفت کو پسند نہیں کیا۔ عہدہ سنبھالنے سے بہت پہلے سے ان لوگوں سے میری مخالفت موجود تھی۔ میں کوشش کروں گا کہ اختصار کے ساتھ اس مخالفت کی پیدائش کی تاریخ تمھارے سامنے رکھ دوں اور ضمناً اپنا زاویۂ نگاہ بھی۔

میں اس کو ایک سنگین غلطی جانتا ہوں کہ باپو کے اثر و نفوذ کو گھٹانے کی کوشش کی جائے اور اُن کی پالیسیوں پر حملے کیے جائیں۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر باپو زندہ رہے اور کوئی جنگ چھڑی تو ہمیں پھر اُن کی ضرورت ہو گی۔ میں اِس بات کو ایک واقعے کے طور پر جانتا ہوں کہ باپو ایک جنگ کے لئے بے تاب ہیں۔ وہ صرف مناسب موقع اور وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو سیاسی نقطۂ نظر سے یہ کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ اُن کے اثر و نفوذ کی بنیادیں کھوکھلی کی جائیں اور اُن کے منصوبوں کا مضحکہ اُڑایا جائے۔ کانگریسی اشتراکیوں نے فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی یہ حماقت کی ہے اور کر رہے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ایک قسم کا اشتراکی میں خود بھی ہوں۔ روس نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں بہت سے اور لوگوں کے ساتھ میں بھی اُن کا مدّاح ہوں اشتراکیت پر جو کتابیں موجود ہیں اُن میں سے اکثر اہم کتابیں میں نے پڑھ ڈالی ہیں۔ مگر میں ایک خیالی آدمی ہونے سے زیادہ ایک عملی آدمی ہوں۔ اس حیثیت سے میں اپنا کام شروع کرنے سے پہلے پوری تصویر تمام و کمال دیکھ لینے کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا عقیدہ ہے کہ کسی مصلح نے ایسا نہیں کیا اور نہ کر سکتا ہے۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو مجھے یقین ہے کہ عمل میں وہ اپنے آپ کو ناکارہ پائے گا۔ ہم لوگوں کو تو اُن فن کاروں جیسا بننا پڑے گا جو ہر چیز کو اُجاگر کر کے نہیں دکھاتے اور نہ اس امر کی کوشش کرتے ہیں کہ حقیقت سے قطعی طور پر ہم آہنگ ہونے اور اصل سے نقل کو پورے طور پر مطابق بنا دینے کی غرض سے اپنی تصویر میں مناظر کی ہر جزوی تفصیل کو اُبھار کر دکھا دیں۔ اور اس لئے ایک کارکن ہونے کی حیثیت سے بہت دور تک کی سوچنے سے گھبراتا ہوں۔ میری تمام توجہ اور میری تمام سرگرمیاں حاضرِ پیشِ نظر پر مرتکز رہتی ہیں، مگر اِس حاضرِ پیشِ نظر کو کسی تنگ و محدود اور تخیل سے کورے معنی میں نہیں سمجھتا، بلکہ جس معنی میں اُسے ایک عملی مصلح سمجھا کرتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ قومیت کا عقیدہ، خصوصاً آج کے ہندوستان

میں، کوئی فرسودہ و از کارِ رفتہ عقیدہ نہیں ہے۔ میرا ایمان ہے کہ جب تک ہم سیاسی آزادی حاصل نہیں کر لیتے یہ عقیدۂ قومیت و قوم پرستی فرسودہ و از کار رفتہ نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے میں یقین رکھتا ہوں کہ تمام طبقے اور تقریباً تمام اغراض و مفادات کو اسی عقیدے کی خدمت میں لگایا اور ایک متحدہ محاذ اس بُنیاد پر بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ وطن کی آزادی ایک کافی جوش و ولولہ پیدا کرنے والا اور عسیر الحصول مقصد ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اس آزادی و استقلال کے تصوّرات ہندوستانی معاشرے کے تمام طبقوں میں پیوست نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے میں متوسط درجے کے لوگوں کے سامنے کوئی ایسا مقصد رکھنے سے ڈرتا ہوں جو اس مقصدِ آزادی و استقلال سے ماوراء ہو، مبادا میں ایک ہی نقطہ سامنے رکھ کر لوگوں کی کام کرنے کی صلاحیت برباد کر دوں اور اُن کی استعدادِ کار بھی ضائع کر دوں۔ میں جانتا ہوں کہ منطقی استدلال اس پوزیشن یا مقامِ فکر کو منہدم کر سکتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی اس تعبیر میں ادھورا ہے مگر ادھوری صداقت بھی وقتی اور عارضی طور پر پوری صداقت ہو جاتی ہے جب عمل عقیدے کی روح اور جان ہو۔

میں اس بات پر بھی یقین رکھتا ہوں کہ ہم کوئی زوال پذیر قوم نہیں ہیں، ہم اب بھی کچھ قدریں اپنے اندر ایسی رکھتے ہیں جن کو میں دورِ حاضر کے لئے از کارِ رفتہ قرار دینے پر اب تک آمادہ نہیں ہوں۔ میں اپنی قوم کو اتنا ذہین باور کرتا ہوں کہ وہ کوئی نہ کوئی بات اپنے لئے پیدا کر لے گی۔ ٹھیک اُسی طرح جس طرح باپو نے ایک نفسیاتی موقع پر ایک بات پیدا کر لی تھی۔ وہ بات کیا ہو گی، میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر بہ حالتِ موجودہ میں اُن لوگوں پر اعتماد نہیں رکھتا جو اپنے تمام افکار و تصوّرات، مطامحِ نظر و طرقِ کار باہر سے لے کر آئے ہیں۔ اُن کے دعوے خواہ کچھ ہی ہوں۔ بدقسمتی سے میں اپنا یہ خیال اپنے تمام نوجوان اشتراکی دوستوں کی نسبت صحیح باور کرتا ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ آج کل تم پرانے لوگوں کی نسبت، خواہ اُن لوگوں نے ایامِ گزشتہ میں اپنی صلاحیتوں کا کتنا ہی اچھا ثبوت کیوں نہ دیا ہو، اِن

نوجوانوں سے اپنے آپ کو زیادہ ہم آہنگ اور متفق پاتے ہو۔ تم ان لوگوں سے اپنے آپ کو زیادہ مانوس اور بے تکلف پاتے ہو۔ افکار و تصورات کے لحاظ سے یہ لوگ باپو کی نسبت تم سے قریب تر ہیں۔ یہ اشتراکی احباب جس طریقے پر گٹھ جوڑ کر لیتے ہیں اُس پر مجھے اعتماد نہیں ہے۔ ان کا یہ گٹھ جوڑ عارضی اور وقتی ہے۔ پونا میں اِن لوگوں نے جمنا داس نامی کسی شخص کی خدمات حاصل کیں۔ اگر ان لوگوں کو کسی فوری طور پر حل طلب مسئلے میں پنجاب اور بنگال کے فرقہ پرستوں سے بھی کوئی مدد مل جانے کی امید ہو تو یہ لوگ ان سے بھی اشتراکِ عمل میں کوئی مضائقہ نہ سمجھیں۔ ہندوستانی سیاسیات میں میں اس روش کو خطرناک سمجھتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ باپو نے ہم لوگوں کو اس روش سے خاصی حد تک محفوظ رکھا۔ میں جانتا ہوں کہ باپو کے پیرو بھی ایسا کر گزرتے ہیں۔ سوال مقدار اور درجے کا ہے۔ میں برسرِ غلط ہو سکتا ہوں۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کھیل میں اشتراکی حضرات گوئے سبقت لے جاتے ہیں جو ایک بے سیرت، کمزور اور اُفتادہ مُلک کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

اِس لئے فطری طور پر میں اُس جماعت کے ساتھ رہتا ہوں جو افکار و تصورات میں باپو سے قریب تر ہوتی ہے۔ گزشتہ سال اس جماعت سے میری جو لڑائی اندرونی طور پر ہوئی اُس سے ہمارے اشتراکی دوست بھی واقف ہیں۔ مگر اس وقتی جھڑپ کے باوجود میں دیکھ رہا ہوں کہ تنہا یہی لوگ، خواہ کتنے ہی ناقص طور پر، تعمیری پروگراموں کے، عموماً باپو کے آراء و افکار کے حامی و مؤید اور ہندوستانی سیاسیات میں برابر اُن کی ضرورت کے معترف اور قائل ہیں۔ تم کو یہ سُن کر تعجب ہوگا کہ لکھنؤ میں جب میں نے سُنا کہ بھولا بھائی کے مجلسِ عاملہ میں لے لئے جانے کی تجویز زیرِ غور ہے تب میں نے جے رام داس سے باتیں کیں اور ہم دونوں دوڑے ہوئے باپو کے پاس گئے اور اس مسئلے پر اپنی رائے ان کی خدمت میں وَلبھ بھائی کی موجودگی میں کسی قدر تُند لہجے میں پیش کی۔ جمنالال جی بھی موجود تھے۔ باپو

نے ہماری باتیں سُن کر بی۔ بورڈ کے توڑ دیے جانے کا واقعہ ہمارے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ "اُس جد و جہد یا سرگرمی کا کوئی نمائندہ وہاں ضرور رہنا چاہئے۔ بہ ہر صورت ہم لوگ باپو کو یا ولبھ بھائی کو یا سیٹھ جی کو مطلق متاثر نہیں کر سکے۔ مگر جب اشتراکی دوستوں کو مجلسِ عاملہ میں لیا گیا تب ہم نے ایسا کوئی اعتراض نہیں کیا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ مختصر طور پر میں تمھارے سامنے اپنے سوچنے اور فکر و تامل کا وہ انداز رکھ دوں جو گزشتہ دو یا تین برسوں سے میرے ذہن کار رہا ہے۔ مجھے امید نہیں ہے کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ تم کو متاثر کر سکے گا۔ مگر میری تسکینِ قلب کے لئے اتنا ہی جان لینا کافی ہو گا کہ میری اُس عمیق محبت اور احترام پر جو میرے دل میں تمھارے لئے ہے، تمھیں کوئی شبہہ نہیں ہے۔ میں سچائی کے ساتھ عرض کر سکتا ہوں کہ سیاسیات کے میدان میں تمھاری جو محبت اور عزت میرے دل میں ہے وہ، یقیناً بہ استثنائے باپو، کسی دوسرے شخص کی نہیں ہے۔

میں اس خط کے طویل ہو جانے پر عذر خواہ نہیں ہوں اس لئے کہ اس طوالت کے باوجود احاطہ و جامعیت سے وہ اب بھی بہت دُور ہے۔ اگر اس خط سے میری تمھاری ملاقات اور گفتگو کے امکانات پیدا ہو جائیں اور ہم مسائل زیرِ غور پر باہم زیادہ تفصیل کے ساتھ بات چیت کر ڈالیں تو میں ایسے موقع کو خوش آمدید کہوں گا۔ بہ ہر صورت، میرے اس خط سے اگر یہی ایک نتیجہ نکلے کہ آئندہ میں خواہ کوئی سیاسی قدم اٹھانے پر اپنے آپ کو مجبور بھی پاؤں تو تم میری شخصی محبّت و احترام پر شبہہ نہ کرو گے۔ میری تسکین کے لئے اتنا بھی کافی ہو گا۔

ہمیشہ تمھارا

جیوت

۱۵۲- از سبھاش چندر بوس

بوساطت سپرنٹنڈنٹ پولیس
دارجلنگ، ۳۰ر جون ۱۹۳۶ء

میرے عزیز جواہر،

مجھے تمھارا خط مورخہ ۲۲ر ماہِ رواں پاکر بڑی مسرّت ہوئی۔ یہ خط مجھے ۲۷ر کو ملا۔ اخباروں سے مجھے معلوم ہوا کہ تم آج کل بے حد مشقّت کر رہے ہو۔ تمھاری صحت سے متعلق مجھے فکر سا لاحق ہوگیا۔ مجھے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ تم آرام کرنے کی غرض سے مسوری چلے گئے تھے، اگرچہ کچھ ہی دنوں کے لئے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنی قوّت سے زیادہ بوجھ اپنے اوپر نہ ڈالو گے۔ اگر تم خدانخواستہ گر پڑے تو اس سے کسی کو کچھ مدد نہ ملے گی۔

جو کچھ تم نے اپنے نسبتی بھائی رنجیت کی نسبت لکھا ہے وہ بہت ہی افسوسناک ہے۔ بہرحال یہ سن کر کسی قدر تشفّی ہوئی کہ اطبّا کسی سنگین بات کا اندیشہ نہیں کرتے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ تبدیلِ آب وہوا اور آرام انھیں صحتیاب ہونے میں مدد دے گا۔

میں یہاں خاصا تندرست ہوں۔ معدے میں کچھ ہلکی سی تکلیف ہے، فلو کا بھی ایک ہلکا سا اثر ہوگیا تھا (جو ممکن ہے صرف حلق کی خرابی کی وجہ سے ہو) مگر یہ شکایتیں وقت پر دُور ہو جائیں گی۔

اگر درجِ ذیل کتابیں تمھارے کتب خانے میں ہوں اور تم بآسانی مستعار دے سکو تو ازراہِ کرم ایک ایک دو دو کرکے مجھے بھجواتے رہو۔

۱- یورپ کا تاریخی جغرافیہ، از گورڈن الیسٹ۔
۲- ثقافتوں کا تصادم اور قوموں کا انفصال، از پِٹ ریورز
۳- اپنے عہد کی ایک مختصر تاریخ، از جے۔ اے اِسپنڈر
۴- سیاسیاتِ عالم، از آر۔ پی۔ دت
۵- سائنس اور مستقبل، از جے۔ بی۔ ایس ہالڈین
۶- منظرِ افریقہ، از ہکسلے

۷۔ چنگیز خاں، از رالف فاکس
۸۔ شہنشاہی کا فرض، از بارنس
مذکورۂ بالا کتابوں کی جگہ تم کوئی دوسری دل چسپ کتاب بھی بھیج سکتے ہو۔ جو حال میں شائع ہوئی ہو۔ خط و کتابت اور کتابیں سپرنٹنڈنٹ پولیس دارجلنگ کی معرفت بھیجی جائیں۔

امید ہے تم اب بہتر ہو گے۔

بہ محبّت
تمھارا پر از محبّت
سبھاش

پنڈت جواہر لعل نہرو
الہ آباد

جانچا جا چکا ہے اور پاس ہو چکا ہے۔
سپرنٹنڈنٹ پولیس
دارجلنگ

۱۵۳۔ از مہاتما گاندھی

میں نے نظر ثانی نہیں کی ہے۔
سیگاؤں
۱۵ر جولائی ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

۱۔ مجھے امید ہے کہ ٹائمز آف انڈیا والے خط کی نسبت میرا تار تمھیں مل گیا ہوگا۔ کل میں نے اُسے بہم پہنچایا اور پورا پڑھا۔ اس موضوع سے متعلّق مجھے کبھی کسی نے نہیں لکھا۔ خط پڑھ کر میری یہ رائے اور پختہ ہو گئی کہ اس بہتان کے متعلق تمھیں قانونی چارہ جوئی کرنی چاہیے۔

۲۔ اگر تم مجھے غلط نہ سمجھو تو تم مجھے سول لبرٹیز یونین سے آزاد رکھو۔ میں سر دست کسی سیاسی ادارے میں شریک ہونا نہیں چاہتا۔ اور ایک پختہ سول نافرمان کا اس ادارے میں شریک ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بہر حال، اِس یونین میں میرے شریک ہونے یا نہ ہونے سے قطعِ نظر، مکمّل غور و فکر نے

مجھے اپنی اس رائے میں پختہ تر بنادیا کہ سروجینی یا جہاں تک اِس امرِ خاص کا تعلق ہے کسی بھی سول نافرمان کو اس یونین کا صدر بنانا غلط ہوگا۔ میری رائے اب بھی یہ ہے کہ صدر یونین کوئی مشہور و معروف ماہرِ قانون دستوری ہونا چاہیے۔ اگر یہ تجویز تمھیں پسند نہ آئے تو کسی ایسے مشہور و معروف مصنّف کو صدر منتخب کرنا چاہیے جو قانون شکن نہ ہو۔ میں تم سے اس بات کی بھی درخواست کروں گا کہ یونین کے ممبروں کی تعداد محدود رکھو۔ تمھیں صلاحیت و استعداد چاہیے تعداد نہیں چاہیے۔

۳۔ تمھارا خط ایک نشتر ہے۔ تم محسوس کر رہے ہو کہ تم پر سخت ظلم کیا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تمھارے رفقائے کار میں تمھاری جیسی جرأت اور صاف بیانی نہیں تھی۔ نتیجہ مصائب انگیز نکلا ہے۔ میں نے ہمیشہ ان لوگوں کو تاکید کی کہ یہ لوگ تم سے صفائی کے ساتھ نڈر ہو کر گفتگو کریں۔ مگر فقدانِ جسارت کے سبب اِن لوگوں نے جب کبھی تم سے گفتگو کی بھونڈے طریقے پر کی اور تم برافروختہ ہوگئے میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ لوگ تم سے ڈرا کرتے تھے اور اس کی وجہ تمھاری تنک مزاجی اور ان لوگوں کے ساتھ تمھاری بے صبری تھی۔ یہ لوگ تمھاری جھڑکیوں اور تمھارے حاکمانہ انداز سے پیچ و تاب کھاتے رہے ہیں اور سب پر بالاتر تمھارے اِدّعائے بے جا سے جس کے معنی اُن کی نگاہوں میں یہ تھے کہ تم اپنے آپ کو معصوم اور سب سے زیادہ صاحبِ علم جانتے ہو۔ یہ لوگ محسوس کرتے ہیں کہ تم اِن لوگوں سے کج خلقی کے ساتھ پیش آئے اور اگر اشتراکیوں نے کبھی ان لوگوں کا مضحکہ اُڑایا یا ان کی نسبت غلط بیانی کی تو تم نے اِن لوگوں کی طرف سے کبھی دفاع نہیں کیا۔

تم کو یہ شکایت ہے کہ ان لوگوں نے تمھاری سرگرمیوں کو مضر قرار دیا۔ اِس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اپنی ذات سے مضر ہو۔ اُن کے خط پر اپنی خوبیاں، اوصاف یا خدمات گنانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ وہ تمھاری غیر معمولی قوّتِ عمل اور عوام اور ملک کے نوجوانوں پر تمھارے اثر و نفوذ سے پورے طور پر واقف تھے۔ وہ جانتے ہیں کہ تم ہمارے لیے ناگزیر ہو۔ اور اس بناء پر اُنھوں نے

دب جانا اور راہ سے ہٹ جانا چاہا۔

میری نظر میں یہ پورا معاملہ ایک المناک مزاحیہ ہے۔ اس لئے میں تم کو مشورہ دوں گا کہ اس پورے قصے پر کسی قدر ظریفانہ انداز میں نظر ڈالو۔ تم اگر آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اپنے اعتماد میں لے لو تو میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ تم اس پر اپنے گھریلو جھگڑوں کے تصفیے کا یا اپنے اور اُن لوگوں کے درمیان کسی ایک کو چن لینے کا ناقابلِ برداشت بار ڈالو۔ تم جو کچھ بھی کرو، آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے وہی چیزیں رکھو جو پایۂ تکمیل کو پہنچائی جا چکی ہیں۔

اگر تمام ضمنی کمیٹیوں وغیرہ میں اُن لوگوں کی اکثریت کا رنگ جھلکتا ہے تو تم اس پر خفا کیوں ہوتے ہو؟ تم اِن لوگوں کے متفقہ انتخاب سے برسرِ عہدہ آئے ہو مگر ابھی برسرِ اقتدار نہیں ہو۔ تم کو برسرِ عہدہ لے آنا اس امر کی ایک کوشش تھی کہ اور طریقوں سے تم جتنی دیر میں صاحبِ اقتدار ہوتے اس سے کم وقت میں صاحبِ اقتدار ہو جاؤ۔ بہرصورت جب میں نے اس کانٹوں کے تاج کے لئے تمہارا نام تجویز کیا تب میرے ذہن میں یہ بات بھی تھی۔ اس تاج کو پہنے رہو خواہ سر زخمی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ کمیٹی کے جلسوں میں اپنی خوش طبعی اور ظرافت سے پھر کام لینا شروع کردو۔ تمہارا نہایت ہی عام اور معتاد رول یہ ہے نہ کہ ایک فکر زدہ، چڑچڑے شخص کا رول جو خفیف سی خفیف بات پر بھی برس پڑنے کو تیار رہے۔

میرا کس قدر جی چاہتا ہے کہ تم مجھے تار دو کہ جب تم اس خط کو پڑھ چکے تو تم اتنے ہی مسرور اور خوش تھے جتنے کہ تم سالِ نو کے پہلے دن لاہور میں تھے جب لوگ کہتے ہیں کہ تم ترنگے جھنڈے کے گرد ناچے تھے۔

دیکھو اپنے گلے سے زیادہ کام نہ لو۔ اُسے سنبھلنے کا موقع دو۔

میں اپنے بیان پر نظر ثانی کر رہا ہوں۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ جب تک تم اسے دیکھ نہ لو گے میں اُسے شایع نہ کروں گا۔

میں نے طے کر لیا ہے کہ مہادیو کے سوا کوئی دوسرا ہماری

خط وکتابت نہ دیکھے۔

محبت

باپو،

۱۵۴۔ از ارنسٹ ٹالر

لندن

۲۱ جولائی ۱۹۳۶ء

میرے عزیز نہرو،

تمھارے خط کا بہت بہت شکریہ۔ مجھ کو بھی اس بات پر فخر و ناز ہے کہ گزشتہ ہفتوں کے تبصروں میں میرا اور آپ کا نام اکثر ساتھ ہی ساتھ لیا گیا۔ جب میں نے آپ کی کتاب پڑھی جو اُن نفیس ترین خود نوشت سوانح عمریوں میں جو میری نظر سے گزری ہیں ایک نہایت ہی نفیس خود نوشت سوانح عمری ہے اور جو نہ صرف ایک عظیم شخصیت کی آئینہ دار ہے بلکہ جس سے آپ کی قوم کے اُس قابلِ تحسین جہاد پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اُس نے بیرونی و اندرونی غلامیوں سے آزادی حاصل کرنے کی غرض سے کیا تو مجھے وہ رابطے اکثر یاد آئے جو میرے آپ کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ جو لوگ جیلوں میں رہ چکے ہیں وہ باہم اِک ایسا غیر مرعی برادرانہ رشتہ قائم کر لیتے ہیں جس کی بنیادیں مصیبتوں اور قلب و دماغ کے اُس وسیع تر تخیل پر اُستوار ہوتی ہیں جو جیلوں میں نشو و نما پاتا ہے۔

مسز ٹالر اور میں آپ کی صاحبزادی اندرا کی خبروں کا سخت انتظار کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہم سے ملنے آئیں تو ہمیں بڑی مسرت ہو گی۔

چند ہفتے قبل مسز ٹالر نے، میرے نئے ڈرامے "اب کوئی صلح و امن نہیں" میں ایک پارٹ ادا کیا اور نہایت کامیاب رہیں۔ غالباً اب کے جاڑوں میں وہ لندن میں اسٹیج پر آئیں گی۔ آخر ستمبر میں میں امریکا جا رہا ہوں جہاں میں مختلف موضوعوں پر تقریریں کروں گا مثلاً:

"ہٹلر، توقع اور حقیقت"

"کیا اپنے عہد کے ذمّے دار آپ ہیں"؛
"عہدِ حاضر کا تھیٹر"۔
یورپ کی صورتِ حال پر مجھے آپ کو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔
اِس صورتِ حال سے آپ بھی اُتنے ہی واقف ہیں جتنا میں ہوں۔ انجمن اقوام کی اندرونی کمزوریاں روز بروز روشنی میں آتی جا رہی ہیں اور فاشستی ڈکٹیٹر اُن سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ یورپ میں فاشستی اور جمہوری جتھوں کے درمیان ایک آخری اور قطعی جنگ ناگزیر ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا جمہوریتیں ایک واضح پروگرام اور ایک قوی ارادے کے ساتھ متحد ہو جائیں گی۔ اگر وہ متحد نہ ہو پائیں تو وہی چیز اُن کے سامنے آ کر رہے گی جس سے وہ بچنا چاہتی ہیں: یعنی مستقبل قریب میں ایک جنگ۔ بد قسمتی سے تاریخ سے کوئی سبق نہیں لیتا۔ جرمن جمہوریت بھی کمزور تھی۔ اور اس نے خانہ جنگی سے بچنے کی کوشش یوں کی کہ ہٹلر کو مراعات پر مراعات دیتی رہی۔ اور یوں اُس نے اپنے زوال کا خود سامان کیا۔
میں نے آپ کا مقالہ بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھا۔ فلسطین میں یہودیوں کے مسئلے پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے مجھے بالکل اتفاق ہے۔ یہاں دو خطرے ہیں: یہودی قوم پرست جو اپنی قوم پرستی کے جوش میں ہمارے عہد کے اُن افکار و تصورات کو بھول جاتے ہیں جو قوم پرستی سے عظیم تر ہیں اور عرب قوم پرست جو فاشستی پروپاگنڈے سے مسموم ہو کر عظیم تر مسئلے سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔
آپ کی کتاب نے اس ملک میں بڑی گہری دل چسپی پیدا کر دی ہے حتیٰ کہ آپ کے مخالفین تک میں۔
کچھ دن ہوئے میں نے پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا کے ایک مشہور رُکن سے باتیں کی تھیں۔ اُن سے معلوم ہوا کہ وہ آپ کی کتاب اب تک دو بارہ پڑھ چکے ہیں۔ نظریہ اور رسم و رواج ...... ہر اچھی تمنّا

آپ کا ہمیشہ، ارنسٹ ٹالر

۱۵۵۔ از کرسٹیسین ٹالر

لندن

۲۷ر اگست ۱۹۳۶ء

عزیز مسٹر نہرو

کل آپ کی صاحبزادی اندرا چاشت پر ہمارے یہاں آئی تھیں۔ بدقسمتی سے مسٹر ٹالر گھر پر موجود نہیں تھے۔ وہ امریکا کے لئے ویزا حاصل کرنے کی غرض سے امریکی قونسل کے پاس گئے ہوئے تھے۔ وہ امریکا جانا چاہتے ہیں جہاں انھیں کچھ دشواریاں پیش آگئی ہیں۔ اُن کو اندرا سے نہ مل سکنے کا سخت افسوس ہوا۔

میں آپ سے صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ اندرا سے مل کر ہمیں کس قدر مسرت ہوئی ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ بہت خوب صورت ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اتنی پاکیزہ سیرت ہیں کہ اُن سے مل کر ہر شخص نہایت خوش ہوتا ہے اور اُن کے خلاف اُس کو کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ مجھ کو تو وہ ایک ننھا سا پھول نظر آئیں جس کو بڑی آسانی کے ساتھ ہوا کے جھونکے اُڑا لے جا سکتے ہیں۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ وہ ہوا سے نہیں ڈرتیں۔

میں آپ کی سوانح حیات نہایت دل چسپی اور عمیق ہمدردی کے ساتھ اب پڑھنی شروع کر رہی ہوں۔

میری بہترین تمنائیں اور گرم جوش احترامات۔

آپ کی مخلص

کرسٹیسین ٹالر

۱۵۶۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں

۳۰ر جولائی ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

میرا جی کس قدر چاہتا ہے کہ تم ان مجنونانہ پروگراموں کو اپنے پیروں

تلے روندڈالو اور اپنی قوتیں عام بھلائی کے کاموں کے لئے محفوظ رکھو
سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، اگر تم نے اپنی خوش طبعی ہمیشہ باقی رکھی
اور یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی مدّتِ صدارت پوری کر ہی کے ہٹو گے اور کوشش
کرتے رہو گے کہ تا حدِّ امکان اپنی پالیسی کی تکمیل اپنی اسی موجودہ ٹیم کے
ہاتھوں کراؤ گے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرنے کا وقت آ گیا ہے،
یعنی دوسرے سال کے منصوبوں کی نسبت۔ جو کچھ بھی پیش آئے، تم
مخالف گروپ کے ساتھ ہرگز نہ رہنا۔ یہ میری سوچی سمجھی اور مستحکم رائے ہے۔
جب تم والد کی طرح یہ محسوس کرنے لگو کہ تم پوری کانگریس کو تنہا اپنی ذمّے داری
میں لے لینے کو تیار ہو تو میرا خیال ہے کہ تم اپنے موجودہ رفقائے کار
میں کسی کو اس کا مخالف نہ پاؤ گے۔ مجھے امید ہے کہ بمبئی میں تم اپنا کام
بہت آسان پاؤ گے۔

کملا میموریل کی نسبت میں پریشان ہوں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ
سرمائے کی فراہمی یا اسکیم کے متعلق کیا ہو رہا ہے۔ اگر خورشید یا سروپ
یا دونوں اس کام پر اپنی تمام توجّہ مرتکز کئے ہوئے ہیں تو بہت اچھا ہے،
ازراہِ کرم سروپ سے کہہ دو کہ مجھے اس سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں وہ
اپنی کارگزاریوں سے مجھے مطلع رکھے گی۔

میں یہاں اشتراکیت کے مسئلے پر بحث نہ کروں گا۔ میں جوں ہی
اپنی یادداشت پر نظرِ ثانی کر چکوں گا، اشاعت کے لئے پریس میں جانے
سے پہلے مسودہ تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ میری دشواریوں کا تعلق
مستقبل بعید سے نہیں ہے۔ میں اپنی توجّہ صرف حال پر مرتکز رکھ سکتا
ہوں اور یہ بات بعض اوقات مجھے پریشان بھی رکھا کرتی ہے۔ اگر حال کا
پورے طور پر دھیان رکھا جائے تو مستقبل اپنی خبر گیری آپ کر لے گا۔
مگر مجھے پیش بینی ہرگز نہ کرنی چاہیے۔ مجھے امید ہے کہ تم سچ مچ اچھے ہو گے۔

محبّت

باپو

جنکنس اور میرے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے وہ تمھاری نظر سے گزرے گی۔ قانونی اور عدالتی کارروائیوں سے مجھے بھی نفرت ہے۔ مگر یہ معاملہ مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ اس میں کارروائی کی ضرورت ہے۔

۱۵۷۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں

۲۸ر اگست ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

ہماری کل کی گفتگو نے مجھے غور و فکر میں ڈال دیا ہے۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ خواہ میں کتنا ہی چاہوں میری سمجھ میں وہ بات نہیں آسکتی جو تمھارے لئے اتنی کھلی ہوئی اور ظاہر سی ہے؛ جہاں تک میں جانتا ہوں میں ذہنی اور فکری قوتوں کے انحطاط میں مبتلا نہیں ہوں۔ کیا تم دل سے اس بات کی کوشش نہ کرو گے کہ کم از کم مجھے اپنا وہ مقصد سمجھا تو دو جس کے تم پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں تم سے اتفاق نہ کروں۔ مگر میں اس قابل تو ہو جاؤں کہ ایسا کہہ سکوں۔ کل کی گفتگو سے اُس مقصد پر کوئی روشنی نہیں پڑتی جس کے تم درپے ہو۔ اور غالباً جو بات میرے حق میں درست ہے وہ بعض اور لوگوں کے حق میں بھی درست ہے۔ اس وقت میں راجا جی سے اس مسئلے پر باتیں کر رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اگر تم وقت نکال سکو تو اپنے پروگرام کے بارے میں اُن سے گفتگو کر لو۔ چونکہ میرے پاس وقت نہیں ہے اس لئے مجھے کوئی طویل و مفصل خط نہ لکھنا چاہیے۔ تم میرا مقصد سمجھتے ہو۔

محبت

باپو

۱۵۸۔ از ایڈورڈ تھامپسن

ہوٹل سیسل، دہلی   ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

پیارے نہرو،

چونکہ حکومت (جو اس ملک میں "بغاوت" کا ایک بہت پست معیار

رکھتی ہے) میری خط و کتابت میں دلچسپی لیتی دکھائی دے رہی ہے اس لئے مجھے اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ اس خط کے آپ تک پہنچنے میں دیر لگے گی۔ اس خیال سے میں پہلے ہی لکھ رہا ہوں۔

میں دو یا تین دن باغیوں کے سرغنہ رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کے ساتھ الہ آباد میں گزارنے چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ غالباً ۳۰ ر یا ۳۱ ر اکتوبر تک میں الہ آباد پہنچوں گا۔

کیا آپ سپرو کو بتادیں گے کہ آپ الہ آباد میں کب ہوں گے۔ میں آج ٹھیک نہیں بتا سکتا کہ میں الہ آباد کس دن پہنچوں گا، اس لئے کہ اس بات کا انحصار اس پر ہے کہ ۲۹ ر یا ۳۰ ر میں سپرو کو بھی سہولت ہوگی یا نہیں۔ یوں تو مجھے پرسوں تک معلوم ہو جانا چاہئے مگر میرے خطوط ایک دن کی مسافت چار یا پانچ دنوں میں طے کیا کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ جو بھلا آدمی اس خط کے آپ تک پہنچنے سے پہلے اس کو پڑھتا ہے وہ بڑا اچھا آدمی ہے، اپنے گھر والوں پر مہربان وغیرہ۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ اس خط کی نقل لے چکنے کے بعد وہ فوراً ہی اُسے آپ کے پاس بھیج دے گا۔

آپ کا مخلص

ایڈورڈ تھامپسن

تکملہ: اور ہاں خوب یاد آیا، لندن کے ایک پرچے نے یہ خواہش کی ہے کہ اگر میں کچھ لکھنا چاہوں تو لکھ کر اُسے بھیج دوں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کس موضوع پر لکھوں۔ میرا خیال ہے کہ ایک واہی تباہی اور سوقیانہ سا مضمون حکومتِ ہند کے معیارِ بغاوت پر لکھ کر بھیج دوں۔ اگر میں نے اپنے چھبیس[۲۶] سالہ تجربۂ ہندوستان کو سامنے رکھ کر کوئی ایسا مضمون لکھ دیا تو قارئین کے لئے بڑی دلبستگی کی چیز ہو سکتا ہے۔

۱۵۹۔ از ایڈورڈ تھامپسن

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

پیارے نہرو،

میں غالباً کل شام کو ۶۔ ۳۸ والی گاڑی سے کلکتہ جاؤں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں اس عجلت میں کچھ نہیں لکھ سکتا اور اگر میں نے کچھ لکھنے کی کوشش کی تو بس فاترالعقل ہی سا ہو کر لکھوں گا۔ مگر جو حصّہ میں بہ طور دیباچہ رکھنا چاہتا ہوں وہ آپ کو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر وقت ہوتا تو میں اس سے بہتر لکھ سکتا تھا۔ مگر یہ ضروری ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے آپ اُسے دیکھ لیں۔ سی۔ آئی۔ ڈی اسے روک سکتی ہے۔

بعد ازیں، میں وہ سوالات ملفوف کر رہا ہوں جو خواہ خوش اسلوبی کے ساتھ پیش نہ کیے گئے ہوں، وہ کتنے ہی بھدّے طریقے پر لفظوں کا جامہ پہنائے گئے ہوں، آپ کے احباب انگلستان میں پوچھیں گے۔ اپنے جوابات میں آپ ہر ایسے پہلو کی یقیناً تردید کر دیں جو اِن سوالات سے جھلکتا ہو اور آپ کی نظر میں غلط ہو، یعنی یہ کہ "چاشنی دینا" ایک گمراہ کُن ترجمہ ہے۔ یا اگر کوئی ایسا سوال آپ کے ذہن میں آئے جو میں نے نہیں پوچھا ہے لیکن آپ اُس کا صفحۂ قرطاس پر لانا پسند کرتے ہوں، تو اُسے شامل کر کے اُس کا بھی جواب دے دیں۔

یہ تمام باتیں بڑی بھونڈی اور بھدّی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر میں تو بس کبھی کبھار کا (اور بڑا نالائق) صحافی ہوں۔

مجھے اس بات کا اظہار کر دینا چاہیے کہ کچھ دن ہوئے میں نے نیوز کرانیکل میں لکھا تھا کہ میرے خیال میں ۱۔ کانگریس آخر کار دستور کو نافذ کرے گی اور چلائے گی، ۲۔ گاندھی اب کوئی اہم ترین سیاسی اہمیت کے آدمی نہ رہیں گے۔ (اگر یہ کوئی غلط رائے ہے تو الزام بڑی حد تک خود گاندھی پر ہے! اگر میں واقعی ایک دوست تھا، جیسا کہ انھوں نے میری نسبت کہا تھا، تو انھوں نے میرے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہیں کیا!!!)

۲۶۔ جب کانگریس اس دستور کو نافذ کرے گی تب وہ ناگزیر طور پر بدل جائے گی اور کوئی ایسی تنظیم نہ رہے گی جیسی کہ اب تک ہم اُس کو جانتے بوجھتے آئے ہیں اور اس لئے کانگریس کی حیثیت سے اُس کا وجود باقی نہ رہے گا۔

میں اس بات کے لئے تیار ہوں کہ مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ میں سرتاپا غلطی پر تھا مگر میں نے اپنی سعی و کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور میری بعض باتیں درست ہوں گی۔

میں آپ کو اپنی وہ تحریر بھی بھیج رہا ہوں جو ساحلِ ہندوستان پر قدم رکھنے کے بعد ہی میں نے قلم بند کی تھی۔ یہ اشاعت ولنشر کے لئے نہ تھی۔ اس تحریر سے آپ میری حیثیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگالیں گے۔ اس میں شبہہ نہیں ہے کہ میں سرتاسر ایک "لبرل" ہوں۔

اِس خط کو پڑھ کر آپ ازراہِ کرم اسے تلف کردیں۔ یہ اب تقویم پارینہ ہے۔ میں اب دیکھ رہا ہوں کہ یہ غلط تصوّرات سے پُر ہے۔

آپ کا

ایڈورڈ تھامپسن

تکملہ: اگر آپ اپنے جوابات پر نمبر لگادیں تو نمبروں سے میں سمجھ لوں گا کہ یہ کس سوال کا جواب ہے۔ ازراہِ کرم یقین رکھئے کہ میں لازمی طور پر ہندوستان کی آزادی کا دوست ہوں اور جب ایک بار میں مطمئن ہو جاؤں گا تو یہ اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ میں اپنی جگہ پر مستحکم رہوں گا۔ جب تک مجھے اختلاف ہے میں آزادیِ ہند سے ہمدردی کا دم نہیں بھر سکتا اور جھوٹ موٹ اِس ہمدردی کا دعویٰ نہ کروں گا۔

۱۶۰۔ از ایڈورڈ تھامپسن،

جیسے کہ ۱۶ ا رصدر اسٹریٹ، کلکتے سے

یکم نومبر ۱۹۳۶ء

پیارے نہرو

اِن کتابوں کو پاکر میں بہت خوش ہوا۔

مگر آپ نے ان کتابوں پر میرا نام نہیں لکھا!

میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آیا میری بھی کوئی کتاب آپ اپنے پاس رکھنی پسند کریں گے؟ آپ نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ مجھے افسوس ہے۔ میری کوئی اور کتاب نہ سہی، مگر میرا جنگِ میسوپوٹامیہ والا ناول تو ضرور پڑھنے کے لائق ہے۔

گاندھی کے متعلق میں اس سے زیادہ اب کچھ نہ کہوں گا کہ اگر وہ کوئی نیا پیام دریافت نہ کر پائے تو، سول نافرمانی کے قریب قریب کامیاب ہو جانے مگر پھر بھی ناکام رہ جانے کے بعد، یہ خطرہ اُن کو اب برابر رہے گا کہ کہیں وہ صرف ایک طاقت ور گن پتی ہو کر نہ رہ جائیں، ایک ایسے گن پتی جو گنوں کو بیدار تو کر سکتے ہیں مگر کوئی ایسا ہدف نہیں رکھتے جس کی طرف ان گنوں کو متوجّہ کر دیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ انھیں رجواڑوں اور نوابوں والی اُس فضیحت و رُسوائی کا کوئی احساس ہے جو آپ کے ہاں کی بڑی اور سنگین بُرائیوں میں سے ایک بُرائی ہے۔ وہ ایک قدامت پسند ہیں۔

اگر آپ سے میری ملاقات کچھ اور پہلے ہو گئی ہوتی تو میرے نیوز کرانیکل والے دونوں مقالے کچھ اور طرح لکھے گئے ہوتے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ صرف کانگریسیوں سے مل کر کانگریس کی قوّت کا اندازہ لگانے میں اس بات کا امکان ہے کہ یہ اندازہ حقیقت سے زیادہ ہو۔ کم از کم میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اُن چند نوجوان شیروں کے جواب میں یہ ایک خاصا معقول دفاع ہوتا جنھوں نے کل مجھے گھیر لیا تھا اور یہ الزام لگایا تھا کہ میں صرف "لبرلوں" سے ملا ہوں۔

آج حقیقۃ الحقائق مجھے یہ نظر آتی ہے ۱؎ کہ جو قوّتیں حکمرانی کر رہی ہیں وہ محکوم قوّتوں پر پہلے کی نسبت ہمیشہ سے زیادہ تفوّق رکھتی ہیں۔ ۲؎ کہ بے رحمی اور قساوت کا معیار بے اندازہ بے قیاس بلند ہو گیا ہے۔ جب میں نے آپ سے یہ کہا تھا کہ آپ کی ترکیبیں اور چالیں میری نظر میں اچھی نہیں معلوم ہوتیں

تب میرے ذہن میں آپ کی مخالف (اور ہر جگہ ہر آزادی کی مخالف) قوتوں کا
یہی سخت سے سخت تر ہوتے جانا اور اُن کا آج کل کا طاقت ور استحکام تھا۔
مجھے نہ تو حوادث و واقعات کی تشریح بعد الموت سے مطلق کوئی دلچسپی ہے
اور نہ جو کچھ وقوع پذیر ہو چکا ہے اُس کی ذمّے داری کے بٹوارے سے۔
مگر جو کچھ کہ صبح کا اخبار ہمیں تقریباً ہر روز بتاتا ہے اُس کے پیشِ نظر اپنے
آپ کو بے وقوف بنوانا مجھے کچھ معقول معلوم نہیں ہوتا۔ یہ لوگ اپنی دھجیاں
اُڑوا دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

آپ کا

ایڈورڈ تھامپسن

۱۶۱۔ از ایڈورڈ تھامپسن

جیسے کہ اسکار ٹوپ، بورس ہِل

آکسفورڈ

۲۴ر نومبر ۱۹۳۶ء

پیارے نہرو،

بہت بہت شکریہ۔ آپ نے بڑی نوازش فرمائی جو وقت نکالا۔
اب چوں کہ بوڑھا ہو چکا ہوں اور وہ طلسمِ فریب ٹوٹ چکا ہے جس کا میں
شکار تھا نیز مغرب اور ہندوستان کی ہر چیز سے افسردہ و بددل ہو چکا
ہوں میں نے تہیّہ کر لیا ہے کہ زندگی کا یہ تھوڑا سا وقت جو باقی رہ گیا ہے
اُسے میں اپنے ہی مُلک کے معاملات پر صرف کروں گا۔ جو بات مجھے درست
اور شائستہ و شستہ نظر آئی اُسے آگے بڑھانے کی سعی و کوشش میں
چھتیس سال ضائع کر چکنے کے بعد اب یہ امر مجھ پر روشن ہے کہ جو انگریز
ہندوستان سے متعلق اپنے آپ کو زحمت و کلفت دیتا ہے وہ احمق ہے۔
یہی رائے اور یہی فیصلہ ہندوستانیوں کا بھی ہے اور بلا شبہہ اُن کی یہ
رائے درست اور اُن کا یہ فیصلہ صحیح ہے۔ میں دیکھتا ہوں، اگرچہ کسی قدر
تعجب کے ساتھ، کہ آپ کے مُلکی بھائی اُنہی غیر مُلکیوں کو پسند کرتے ہیں اور

اُنہی کو اپنا حلیف اور دوست بنانا قبول کرتے ہیں جو اتنے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں کہ ہر ہندوستانی چیز کو ایک گل رنگ دھندلکے کی وجد آفریں کیفیت میں ڈوب کر دیکھا کرتے ہیں۔ ہاں بھئی، ہر قوم کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنا معاملہ آپ ہی خوب سمجھتی ہے اور اگر آپ کی قوم اپنے اِن پرستاروں کا قطعی ناکارہ پن نہیں دیکھ سکتی تو مجھے یہی فیصلہ کرنا پڑے گا کہ یہ لوگ آپ کی قوم کے لئے ضرور کسی ایسے طریقے پر واقعی کارآمد اور مفید ہیں جو میری نظر سے مخفی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ جذباتیوں اور غیر ناقدانہ جوشیلوں کی اس فوجِ گراں نے ہندوستان کو ایک احمقانہ کابوس کی سی صورت دے دی ہے جو مسخروں کی ٹوپی اوڑھے ہوئے ہے۔ (اگر آپ بھی اپنی چشمِ تخیّل سے اسے دیکھ سکیں!) اور چھبّیس سالوں تک ایک لامتناہی جلوس برطانوی یورپین اور امریکن مردوں (اور عورتوں، ہاں نہرو! انبوہ در انبوہ احمق عورتوں) کا دیکھا ہے جن کے دماغ ایسے گھٹیا قسم کے ہوتے ہیں کہ ہندوستان سے باہر اُن کی رائے یا خیال پر کوئی اپنے پانچ منٹ بھی برباد کرنے کو تیار نہ ہو، پھر بھی یہ لوگ اپنے آپ کو ہندوستان سے منسلک کر کے جذبات کی ایک لہر اور نام نہاد یا نقلی اہمیت کے ایک مبہم شور و غل میں جیتے رہے ہیں۔ "ہندوستان" ہی ایک ایسا موضوع ہے جو بیوقوفوں کے لئے ایک ایسا پلیٹ فارم مہیّا کر دیتا ہے جس کے سہارے وہ ہندوستانی اخباروں کے صفحۂ اوّل کی اخباری اہمیت حاصل کر لیا کرتے ہیں اور ایک حد تک عالمی شہرت بھی۔ ان لوگوں کو ہندوستان کی محبّت نہیں بلکہ ذوقِ خود بینی و خود نمائی آپ کی طرف مائل کیا کرتا ہے۔

مجھے آپ کے حال پر افسوس ہے۔ اگر مجھے اجازت ہو تو اتنا عرض کروں کہ سالہا سال سے اتنی سرسری سی ملاقات پر بھی جس قدر آپ میرے جی کو بھائے کوئی دوسرا نہیں بھایا۔ میرا اب بھی یہ خیال ہے کہ اگر ہم ایک دوسرے سے زیادہ مل پائے ہوتے اور کسی فرصت کے موقع پر اپنے مختلف تجربے ہم نے باہم ایک دوسرے کے سامنے رکھے ہوتے تو

نظری اور فکری طور پر ہم ایک دوسرے کی مدد کر پائے ہوتے۔ مگر ہمیں تو مختلف ہی راہیں چلنی ہیں ——— "راہ بہر حال راہ ہے اور اس کی غایت وا انتہا ہے" ——— مجھ کو اپنے سفر زندگی کے اِس آخری حصے میں انگریزی کے ایک شاعر اور افسانہ نگار کے پیشے سے بالکل جائز و فطری طور پر لگ جانا ہے اور آپ کو اپنی قوم کی حماقت اور بے وقوفی پر اپنے قلب و جگر کے ٹکڑے کرتے رہنا ہے۔ میں نے دیکھا اور بہ نظرِ استحسان دیکھا کہ آپ نے اُس وقت بھی اپنے اندر عقل و ہوش کی صحت کا ایک انداز قائم رکھا جب آپ کو بھارت ماتا کے نئے مندر کی پوجا کرنے اور ہری جنوں کی بارگاہ میں بڑا او نکور کی بڑی دیدہ ریزی و کاوش سے تیار کی ہوئی اُس پیش کش پر جو حقیقت میں کچھ بھی نہیں تھی قبل از وقت حمد و ثناء کے گیتوں میں شریک ہونے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ آپ نے اپنی خودداری حیرت انگیز طریقے پر محفوظ رکھی۔ مگر آخر تا کجے؟ کوئی چیز آپ کو اس سے نہیں بچا سکتی کہ ایک اُسی قسم کے سرکس کا حلقہ آپ کے گرد و پیش بھی برابر بڑھتا رہے جیسا سرکس کہ مہاتما جی کو اپنے گھیرے میں لیے رہتا ہے۔ یہی آپ کی تقدیر ہے۔ اور یہ بڑی ہی سخت بدبختی کی بات ہے، اس لیے کہ آپ کبھی کبھی دیکھ ہی لیتے ہیں کہ کیا ہوا!

اب پنڈت جی، ہر چیز ایک سبب رکھتی ہے، یہاں تک کہ انگریزوں کی نامعقولیت بھی! آج سال کے اُن تین دنوں میں کا ایک دن ہے جب شری آرو بندو گھوش درشن دیا کرتے ہیں۔ پانڈیچری میں، جہاں سے میں یہ خط لکھ رہا ہوں، ایک خلفشار، ایک شورش سی برپا ہے۔ سو سے اوپر کچھ گدھے جا رہے ہیں کہ جیسے ہی وہ ہانک کر اُس شخص کے حضور میں لے جائے جائیں (اور پھر ہانک کر باہر لائے جائیں) جو دعوے کرتا ہے کہ وہ روح الارواح کا اوتار ہے، اور جس کے پہلو میں "اماں" بھی جلوہ افروز ہیں (اماں۔ پاربتی جی اور بعض موڈوں میں "اندرا ——— ماک رچرڈ) یہ گدھے بڑے ادب کے ساتھ سلام کر لیں اور جلدی جلدی

مختصر سی اُس کی عبادت کرلیں۔ آپ اُس سرزمین کی کیا خدمت کرسکتے ہیں جہاں ایسے احمقانہ دیوتا پوجے جاتے ہوں؟ اور اس حماقت میں وہ لوگ حصّہ لیا کرتے ہیں جو عقل مند مشہور ہیں۔ اور پھر بھی آروبندو کسی زمانے میں بڑا ذہین آدمی تھا اور اُس کے اندرونی حلقے کا ایک شخص، جس کو میں بخوبی جانتا تھا اس لئے کہ وہ میرا ایک رفیق کار رہ چکا تھا، ایک بڑی دل آویز سادگی اور دیانت دارانہ سیرت کا ایک ہندوستانی تھا۔

لیکن شاید مجھے اس طرح کی باتیں نہ لکھنی چاہئیں۔ ہم میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ اپنے مخصوص تناقضات رکھتا ہے۔ جیسے آپ اپنی کتاب "تاریخ عالم" کی جھلکیوں میں نپولین کی پرستش کا قصّہ بیان کرکے اپنے قارئین کو محوِ حیرت بنا دیتے ہیں (نہایت حیرت انگیز، جواہر لعل نہرو کے اندر!) ٹھیک اُسی طرح آپ پانڈیچری آشرم والے معاملے میں بھی اِس محوِ حیرت بنا دینے والی کائنات کی اندرونی قوّت و صداقت کی حقیقی کارفرمائی دیکھیں گے۔ اس صورت میں مجھ پر آپ سے معافی چاہنا واجب ہے۔

آئیے اب دوسرے معاملات دیکھے جائیں: آپ نہرو گھرانے کے لوگ بہت سے پہلوؤں سے بڑے خوش قسمت واقع ہوئے ہیں اور سب سے بڑھ کر آپ لوگ اپنی دل فریب اور عالی شان خاتونوں کے معاملے میں خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ آپ کے خطوط بنام اندرا نہایت ہی دل آویز تالیف ہے۔ اگر اندرا مجھے اور میری بیوی کو اپنا دوست سمجھے تو ہمارے لئے موجب عزّت ہوگا اور وہ دیکھ لے گی کہ ہم واقعی اُس کے دوست ہیں۔

میں پانچویں دسمبر کو بمبئی سے پی۔ اینڈ۔ او کے جہاز سے سفر کر رہا ہوں اور اس سفر کے ساتھ (بعد اس کے کہ میں نے کچھ دھاگے درست کرلئے ہیں جن میں دو تاریخی کتابیں بھی شامل ہیں جن کا پہلا مسودہ لکھا جا چکا ہے) ہندوستان کے معاملات سے میرا عملی تعلق ختم ہوتا ہے۔ میں اُن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا وہ اتنے ہی ناقابلِ فہم ہیں جتنا کہ دُنیا کے لئے آروبندو گھوش کا نیا (اور جس کا کبھی اظہار نہیں کیا گیا) دین ہے۔

اور بلا شبہہ وہ اپنی منزلیں پوری کر کے رہیں گے۔ شخصی طور پر! خوش بختی آپ کی ہم عناں رہے، آپ صحیح فرماتے ہیں: پورے معاملے کو، اس کے ہر حصّے کو، از سرتا پا، ایک بالکل نئے قالب میں ڈھالنے کی ضرورت ہے، مگر ہر حصّے یا ہر فریق آپ کے (اور میرے) ہم وطنوں کا صرف ایک حصّہ کو نیا قالب دینا چاہتا ہے اور ناجائز نفع اندوزی کے منصوبوں میں اپنے مخصوص حصّے کو بالکل محفوظ رکھنے کے لئے بے ایمانی کے ساتھ لڑنے پر آمادہ ہے۔

ازراہِ کرم اپنی بہن کو میرا سلامِ محبّت پہنچا دیجئے، جن کی دل آویز میزبانیاں میں بہت دنوں تک یاد رکھوں گا۔ میری خواہش تھی کہ وہ میری بیوی کو جانتی ہوتیں۔ امید ہے کہ جب آپ آکسفورڈ آئیں گے تب وہ میری بیوی سے ملیں گی۔

آپ کا

ایڈورڈ تھامپسن

۱۶۲۔ از ایڈورڈ تھامپسن

جیسے کہ بوارس ہل

آکسفورڈ سے

۶ر دسمبر ۱۹۳۶ء

پیارے نہرو

آپ نے کرم فرمایا جو مجھے خط لکھا۔ نیوز کرانیکل والا مقالہ میری آپ کی ملاقات سے پہلے لکھا گیا تھا۔ مگر میرا خیال ہے کہ بدقسمتی سے اس کا بنیادی نظریہ یا خیال، درست ہے۔ جب میں ہندوستان آیا تب میرے علم میں آچکا تھا کہ یورپ میں اور میرے اپنے وطن میں جمہوریت کو شکست ہو رہی۔ میں ہندوستان سے بھی یہ جان کر افسردہ و دل گرفتہ واپس جا رہا ہوں کہ یہاں بھی جمہوریت کو شکست ہو رہی ہے۔

جب میں نے نیوز کرانیکل کے لئے مقالہ لکھا تب میرے ذہن میں

تنہا آپ کی خود نوشت سوانح عمری تھی۔ شاستری کے ساتھ آپ نے جو سختی برتی ہے، جیسا کہ غالباً آپ بھی محسوس کرتے ہوں گے، اکثر قارئین کی نظر میں ایک نفیس کتاب میں بدترین قسم کی خامی محسوس ہوئی۔ میں نیوز کرانیکل کو لکھوں گا کہ مجھ سے آپ کے ساتھ جو بے انصافی ہو گئی ہے اُس کی تصحیح کر دے۔

شاستری میرے دوست ہیں۔ اس سے قطع نظر، میرا خیال ہے کہ جس معاملے کو میں ایک آزمائشی سوال سمجھتا ہوں ـــــ یعنی رجواڑوں اور نوابوں کا معاملہ ـــــ اُس میں اُنھوں نے جرأت سے کام لیا ہے۔ میری گزشتہ دو سال کی تاریخی تحقیقات نے مجھے رجواڑوں اور نوابوں کا سخت مخالف بنا دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آغا خاں جس طریقے پر اپنی آغا خانی کو بچائے جاتے ہیں، ہندوستان میں بھی اور انگلستان میں بھی، اُس پر آپ کو بڑی حیرت ہے۔ مجھے بھی حیرت ہے۔ مگر اتنی ہی حیرت مجھے رجواڑوں اور نوابوں کے اپنی ریاستوں کے بچائے جانے پر ہے۔

اب میری سمجھ میں آیا کہ جب میں نے نیوز کرانیکل والا وہ مقالہ لکھا تب میرا یہ سوچنا غلط تھا کہ سپرو اور امبید کر کسی قومی محاذ پر کھینچ لائے جا سکتے ہیں۔ سابق الذکر کو اشتراکیت کے اندیشوں (۹) نے غصّہ دلا دیا ہے، اور مؤخر الذکر کے طبقے کے لوگ ابھی حُبِّ وطن کے جذبے کو نشو و نما نہیں دے سکتے۔ اِن لوگوں کا پہلے ایک نسل تک معاشرتی اور اقتصادی انصاف کی پہلی قسط سے مستفید اور محظوظ ہو لینا ضروری ہے۔

مگر ازراہِ کرم اپنا یہ عقیدہ دل سے نکال ڈالیے کہ میں ہندوستان کے خلاف کوئی تلخی لیے جا رہا ہوں یا میں مدر انڈیا کے طرز پر جیت کے پوائنٹ بنانے پر اپنا وقت صرف کر رہا ہوں۔ میرے متعلق آپ جو کچھ جانتے ہیں، میرا گمان ہے، کہ وہ بڑی حد تک محض سُنی سُنائی باتوں پر مبنی ہے۔ جو ماڈرن ریویو وغیرہ سے حاصل کیا گیا ہے۔ اور اِدھر حال تک میں بھی آپ کی نسبت جو کچھ جانا کرتا تھا اُس کی بنیاد بھی زیادہ تر سُنی سُنائی باتوں پر تھی۔ میں نے بعض اہم اعتبارات سے یقیناً آپ کی نسبت غلط رائے

قائم کرلی تھی۔ غالباً آپ اس بات کو کوئی درجۂ اولیٰ کی اہمیت نہیں دیتے کہ میری نسبت غلط رائے قائم کرتے ہیں یا صحیح، اور اگر میں یہ سمجھتا کہ آپ بھی اُن لوگوں میں سے ہیں جو ماڈرن ریویو گروہ کے محبانِ وطن کو کوئی اہمیت دیتے ہیں تو میں اس میں بھی کوئی مضائقہ نہ پاتا۔ بہ ہر حال میری بیس سال کی شایع شدہ تصانیف موجود ہیں جو غلطیوں سے پُر ہیں، مگر بہ ہر صورت اُس قسم کی کمی اور چھوٹا پن ان میں نہیں پایا جاتا جو آپ مجھ سے منسوب کرتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ اُس شخص کو بھی دشمن سمجھ لیا جاتا ہے جو بھولے سے بھی کبھی تنقید کا مرتکب ہوجاتا ہے۔ مگر تحریکِ قومی کے اصل دشمن وہ لوگ نہیں ہیں جو کبھی کبھار تنقید یا نکتہ چینی کے مرتکب ہوجاتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو طفیلیوں کی طرح اس سے چمٹے رہا کرتے ہیں۔ یعنی تحریک قومی کے سیلن گھوش، سید حسین اور رزمی جیسے طفیلی ——— (جو اُتنی ہی حُبِ وطن اپنے اندر رکھتے ہیں جتنی ایک لُٹیرا)، اور اس تحریک کے مغربی جاہل پرستار۔ وہ وقت آسکتا ہے جب آپ کو اس کا اعتراف کرنا پڑے گا، اور اگرچہ آپ اس بات کو باور نہ کریں گے مگر ہندوستان کو قطعی اور مکمل آزادی دلوانے میں اگر میں مدد دے سکتا ہوں تو ضرور دوں گا۔

میرا خط جس طریقے پر آپ پر اثر انداز ہوا وہ طبعی اور فطری تھا۔ اور مجھ کو اعتراف ہے کہ میرے ذہن، رُوح اور جسم کی خستگی اور ماندگی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ مگر یہ خط ایک خاص سیاق و سباق رکھتا تھا: یعنی پانڈیچری! میں مانتا ہوں کہ آرو بندو کا یہ عجیب الخلقت احمقانہ دیوتا کوئی قابلِ لحاظ اہمیت نہیں رکھتا۔ تاہم کوئی کتنے ہی فریب ہائے نظر کھو چکا ہو جب اُس کے کسی نئے فریبِ نظر کا پردہ چاک ہوتا دکھائی دیتا ہے تو اُسے تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اِس بات پر یقین رکھا تھا کہ آرو بندو ایک نفیس ذہن اور سیرت کا مالک ہے اور ایک حقیقی محبِّ وطن ہے میں اس انکشاف کے لیے تیار نہیں تھا کہ وہ اتنا بڑا ابتذال ڈھونگیا ہے۔ اور مجھے اس بات سے تکلیف ہوئی کہ اُس کے خاص قائم مقاموں میں سے ایک خاص قائم مقام (جس سے مجھ کو آشرم نے ملنے نہیں دیا)، اب وہ آدمی باقی

نہیں رہا جس کو پہلے میں اپنے ایک رفیق کار کی حیثیت سے جانتا تھا اور پھر اُس شخص کی حیثیت سے جس نے امرتسر کے دَور کے بعد ہی میرے کالج کو تباہ کرنے کی کوشش کی تھی یعنی اِک ایسا شخص جس کے سینے میں اِک بے لوث و بے غرض حبِّ وطن اور سادگی کا شعلہ سا بھڑکتا رہتا تھا۔ تیسرے ایک مسلمان صاحب ملے جو ہندوستان بھر میں نیز انگلستان میں ایک سخت مذہبی آدمی کی حیثیت سے مشہور و معروف ہیں ——— ایک ایسے شخص جن کی بہ ظاہر مخلصانہ مذہبیت نے مجھے بہت متاثر کیا، حال ہی میں جب وہ اپنی صبح کی ریاضتوں اور عبادتوں میں مجھے بھی اپنے ہمراہ لے گئے ——— ایک ایسے شخص جن کی فرقہ پرستی ایسی ہے کہ جہاں اُن کو اقتدار حاصل ہوا کرتا ہے وہاں ہندوؤں کو اپنے وجود کے معقول اظہار کا بھی کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ اس شخص نے آروبندو کی پوجا "شیو" کی حیثیت سے کی اور اُس فرانسیسی عورت کی پوجا 'پاروتی' کی حیثیت سے اگر مجھ سے یہ کہا جاتا کہ آرچ بشپ آف کانٹربری، ایک چھپے ہوئے صوفی تھے تو جو حال میرے احساس کا اُس وقت ہوتا وہی حال اِس وقت ہوا۔ جب ایک مشہور مسلمان لیڈر بھی ایسے مکّار کی پرستش کر لینا گوارا کرتا ہے تو پھر آپ کس پر اعتماد کر سکتے ہیں؟

اگر ہم پھر کبھی ملے (جیسی کہ مجھے امید ہے جب آپ دوبارہ آکسفورڈ آئیں گے تب کیا آپ ہمارے ساتھ ٹھیرنا پسند کریں گے؟ اس سوال کا جواب دینے کی زحمت نہ اٹھایئے گا مگر اس کو ذہن میں رکھیئے گا) تب میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ آپ جو ایسے اشتعال پر بھی اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اتنے فیاض اور وسیع القلب رہے، اپنی دوسری کتاب "تاریخِ عالم کی جھلکیاں" میں ابتداء سے انتہا تک ہماری قوم کے ساتھ، برابر اتنے غیر فیاض کیوں رہے ہے؟ " یہ بات تو آپ کے عظیم الشان اور فیاضانہ آداب و اطوار سے میل نہیں کھاتی۔" واقعات میں غلطیاں ہم سب کرتے ہیں اور آپ کی کتاب آپ کی تصنیفی مہارت اور سلیقے کا ایک حیرت انگیز شاہکار تھی۔ مگر یہ کوئی تنہا یا خاص طور پر واقعاتی غلطی نہیں تھی۔ میں فرض

کیے لیتا ہوں کہ آپ کی یہ تلخ نوائی کوئی اُسی قسم کا وقتی اور مخصوص سیاق و سباق رکھتی تھی جیسا کہ میرا حال کا ہندوستانی ردِ عمل رکھتا تھا جب کہ میں ذہنی اور جسمانی دونوں اعتبار سے علیل تھا۔ میں آپ سے یہ نہ چاہوں گا کہ آپ اپنا وقت جس کی آپ کو سخت ضرورت ہے، اس مسئلے پر خط و کتابت کرنے میں صرف کریں اور خطوط بہرصورت غلط فہمیاں پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ مگر آپ کی شہرت اور آپ کا نفوذ و اثر ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو یا تو ایک بڑی ناکامی سے دوچار ہونے والا ہے یا گنتی کے اُن چند مردانِ کار میں ثابت ہونے والا ہے جو انسانیت کا حقِ اعتمادِ نفس از سرِ نو قائم کر دیا کرتے ہیں، یہ دونوں باتیں آپ پر واجب ٹھیراتی ہیں کہ آپ اِس معاملے پر اِک غائر نظر ڈالیں۔ یہ خود آپ کی ذات کا آپ کی ذات پر ایک قرض ہے —— نہ کہ میری قوم کے لوگوں کا، اس لئے کہ اُن لوگوں نے جو اشتعال آپ کو دلایا اُس اشتعال کے عالم میں اگر آپ اُن کے ساتھ کوئی بے انصافی کر بیٹھے تو وہ قابلِ معافی ہے —— مگر اس تلخ نوائی کا کچھ "کفّارہ" ہو جائے۔

خاتمۂ سخن پر —— میں جانتا ہوں کہ اِس سے پیشتر کہ آپ اِس خط کو دیکھیں یقینی طور پر وہ غور سے پڑھ لیا جائے گا۔ اِس لئے جیسے میں اس بات کی کوشش کر رہا ہوں کہ میں اُنہی باتوں کی تشریح پر اکتفا کروں جو بہرصورت واقعی اہم ہیں ویسے ہی میں اپنا اسلوب تحریر بھی بہت سادہ رکھوں۔

میں کوئی ہندوستان دشمن جذبہ لے کر واپس نہیں جا رہا ہوں۔ مگر میں جانتا ہوں کہ ہندوستان کے باشندے ہوں خواہ انگلستان کے ہم سب ادنیٰ قسم کے حیوان ہیں اور میں اپنے آپ کو نہایت ہی مایوس پاتا ہوں۔

میرا خیال ہے کہ دوسرے قوم پرستوں کی طرح آپ کے ذہن میں بھی یہ مطالبہ ضرور دبا ہوا ہے کہ کسی انگریز کو، اگر وہ اس بات کا خواہش مند ہے کہ اُس کو دوست سمجھا جائے، کبھی کوئی تنقید نہ کرنی چاہیے۔ ہماری اپنی مزدور پارٹی بھی (جو اپنے پیچھے غدّاریوں، بے وفائیوں اور دشمنِ جمہوریت سختیوں کا ایک افسوس ناک دفتر رکھتی ہے) یہی مطالبہ کرتی ہے میں یہ مطالبہ

پورا نہیں کر سکتا۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ مجھے کسی اقدام کی نسبت ہرگز کبھی یہ نہ کہنا چاہیے کہ وہ غلط تھا تو آپ کو مجھے ایک دشمن ہی تصور کرنا چاہیے۔

اب سے سولہ سال پہلے میں نے ترکِ موالات کو غلط نہیں سمجھا تھا۔ اخلاقی بنیادوں پر میں نے اِس اقدام کو بالکل درست سمجھا تھا، اور مجھے یقین تھا کہ اگر اس تحریک پر عمل کیا گیا تو وہ کامیاب ہو کر رہے گی۔ لیکن جب مسلمانوں نے اور دوسرے بہت بڑے بڑے گروہوں نے اس کی تائید کرنے سے انکار کر دیا تب اس کو ترک کر کے دوسری ترکیبیں اختیار کرنی چاہیے تھیں۔ اس کو بددلی کے ساتھ اک زمانۂ دراز تک جاری رکھنے سے ایک ہی نتیجہ نکلا یعنی مسلمانوں اور دوسرے مستقل مفادات کو تقویت پہنچ گئی۔

میں نے گاندھی کو کبھی برسرِ غلط نہیں جانا یہاں تک کہ گول میز کانفرنس منعقد ہوئی جس میں وہ مغرور بھی ثابت ہوئے اور بے تکے بھی۔ شاید اُن کو کانفرنس میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ لیکن جب وہ آ ہی گئے تھے تو ان کے لئے جائز نہیں تھا کہ وہ دوسرے ہندوستانیوں کو جن میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جن کو اپنے سیاسی عقائد کی ایک قیمت ادا کرنی پڑی تھی اس بات کا مستحق ماننے سے انکار کر دیں کہ ان کو ان لوگوں سے بھی مشورہ کرنا چاہیے اور ان لوگوں کا شمار بھی ایسے دوستوں میں کرنا چاہیے جو ایک مشترک سعی و کوشش میں لگے ہوئے اور ایک مشترک امید پر زندہ ہیں۔

جو چیز سب سے زیادہ کانگریس کو نقصان پہنچا رہی ہے (ازراہِ کرم میری گزارش پر دھیان دیجئے: میں کُلیتہً یا ہر لحاظ سے برسرِ غلط نہیں ہوں) وہ اُس کا پیدا کردہ یہ اثر ہے کہ وہ کبھی آگے بڑھنا نہیں چاہتی۔ مجھے، یعنی اُس شخص کو جو چھبیس ۲۶ سال سے اِس تحریک کا مشاہدہ کر رہا ہے، یہ نظر آ رہا ہے کہ کانگریس اگر کبھی اپنی ترکیبیں اور چالیں بدلنے پر آمادہ بھی ہوئی ہے تو بہ مشکل اور بادلِ ناخواستہ۔ وہ چاہتی ہے کہ اب بھی وہ بہت کچھ ویسی ہی نظر آئے جیسی کہ وہ مخالفتِ تقسیم کے دَور میں تھی۔ اور اگر گاندھی واقعی ویسے ہی ہیں جیسے کہ وہ مجھے آجکل نظر آئے تو ان کے اندر اب کچھ کرنے کی

قوّت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بجز اس کے کہ وہ لوگوں کے اُن جذبات کو ابھار دیں جن سے کوئی کام لینے یا جن کو کسی متعیّن رُخ پر ڈال دینے کا ان کے دماغ میں کوئی تصوّر یا منصوبہ نہیں ہے۔

جہاں تک آپ کی اپنی اشتراکیت کا تعلّق ہے، مجھے اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ اگر اُسے سطحی طور پر دیکھا جائے تو وہ ایک بھدّی سی چال ہے۔ مگر اس بارے میں مجھے یقین ہے کہ آپ کا فطری وجدان بالآخر صحیح ثابت ہوگا۔ پورا اقتصادی اور معاشرتی (اور، خصوصاً ہندوستان میں، مذہبی) ڈھانچہ کچھ عجیب و غریب سا ہے۔ میں اس بات کو ممکن نہیں پاتا کہ آپ سے یہ چاہا جائے کہ آپ اپنی ترکیبیں یہاں بدل ڈالیں، اگرچہ میں جانتا ہوں کہ آپ کی اِن ترکیبوں نے وقتی طور پر آپ کی مخالف قوّتوں کو مضبوط بنا دیا ہے۔

میرا یہ خیال ہے کہ وہ ترکیبیں جو آپ پر زبردستی ٹھونسی جارہی ہیں غلط ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کے معاملات جس رُخ پر جارہے ہیں اُسے دیکھ کر کانگریس کو تعاون سے انکار نہ کرنا چاہیئے۔ اُسے اس امر کا اعلان کر دینا چاہیئے کہ وہ تعاون کرے گی۔ ساتھ ہی ساتھ دستور کی اُن خاص خاص باتوں کو صاف طور پر مسترد بھی کر دینا چاہیئے جو اپنے اندر مطلقاً کوئی اخلاقی زور و قوّت نہیں رکھتیں بلکہ وہ صرف اس لئے انگیز کی جارہی ہیں کہ مادّی طاقت اُن کی پشت پر ہے۔ جب خدا وہ ساعت لائے گا (اور واقعات و حوادث جس سمت جارہے ہیں اُس کے پیش نظر خدا ایسی ساعت ضرور لے آئے گا) تب یہ بات آپ کے ہاتھ بہت مضبوط کر دے گی۔ آج کے دو قابل ترین مدبّر روز ولٹ اور ڈی۔ والیرا ہیں۔ اِن دونوں نے اپنی ایک اخلاقی راہ رکھی اور زبان سے وہی بات کہی جس کی اُن کے اقدامات نے ٹھیک ٹھیک تصدیق کر دی۔ ڈی والیرا آئرستان کو بہ تدریج آگے بڑھاتا رہا یہاں تک کہ اب وہ اپنی منزلِ مقصود سے اتنا قریب آپہنچا ہے کہ ایک ہی قدم اور آگے بڑھنا رہ گیا ہے۔

آپ کا کام بے انتہا دشوار ہے اس لئے کہ رجواڑے اور مسلمان آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کا السٹر بالکل آپ کی سرحدوں کے اندر ہے، اسی طرح جیسے پجاریوں، پروہتوں اور توہم پرستوں کی رجعت پسند قوتیں بھی ملک کے اندر ہی ہیں۔ مگر کانگریس پبلک کو پہلے حیرت و استعجاب میں ڈال کر اور پھر اُسی کو اُتنا ہی شک و شبہہ میں مبتلا کر کے اپنی راہ اور بھی دشوار تر بنائے دے رہی ہے۔ لوگ ایسی زبان کیوں استعمال کریں جس کو وہ جانتے ہیں کہ جب ان کے اقدامات اس زبان کی آگے چل کر فوراً ہی تردید کر دیں گے تب اُن کی اِس زبان کے ایک ہی معنی لئے جائیں گے؟ آپ خود ہی اپنی شکست کا سامان کر رہے ہیں۔ ردِ عمل ہیبت ناک ہوگا اور مضرّت رساں۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے ہندوستان کا شدید مخالف سمجھ رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا میری نسبت یہ رائے رکھنا تقریباً ناگزیر سا ہے۔ میری تلخی اور شدّت ہندوستان کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اُس راہ کے خلاف ہے جس کو دنیا نے اختیار کیا ہے۔ میں آپ کے مسلمانوں اور رجواڑوں کی انتہائی سختی کا علم اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں۔ ان لوگوں نے ہماری اپنی قدامت پسند پارٹی سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے اور جو ہر ممکن ہتھیار سے کام لیں گے تاکہ جس قدر بھی چھین سکیں چھین لیں اور پھر اُس پر قابض رہیں۔ اور کانگریس جو ایسے کٹّر اور سخت گیر دشمنوں سے دوچار ہے دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنے والی ہے: ۱۔ یا تو وہ خود حکومت کا بار اٹھانے اور عہدے قبول کرنے سے انکار کر کے اپنے انہی دشمنوں کو ملک کے نظم و نسق وغیرہ میں کلیدی جگہوں پر قابض ہو جانے دے گی۔ ۲۔ یا اس نیّت سے عہدے قبول کرے کہ دستور کو نہ چلنے دے اور تباہ کر دے، اپنے ان حریفوں کو موقع دے گی کہ وہ بیرونی عناصر کے ساتھ اپنے گٹھ جوڑ کو مستحکم بنا لیں اور یہ حریف اس موقع سے فوراً فائدہ اٹھائیں گے۔

نہیں۔ آپ اپنی پوزیشن اتنی صاف کر دیں کہ کسی شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہ رہے اور دنیا کو سُننے اور حقیقتِ حال سے آشنا ہونے پر مجبور کر دیں۔

یہ تیس سال پرانے ترکِ موالات کا ٹھیک ٹھیک اعادہ نہیں ہے۔ تو پھر جہاں جہاں بھی آپ کے امکان میں ہو عہدے لیں اور انتظامی امور میں اور قانون سازی کے ذریعے جس قدر بھلائی بھی ممکن ہو انجام دیں: ہر حق کا مطالبہ کریں اور میدانِ کار کی ایک ایک اِنچ پر تا حدِّ امکان قبضہ کریں، اور پہلی ممکن فرصت میں کہہ دیں کہ آپ اور آگے بڑھ کر پورے میدان پر قبضہ کرنے والے ہیں۔

اِسی راہ سے آپ مسلمانوں کو روز افزوں طور پر محسوس کرا دیں گے کہ اُن کا مستقبل ہندوستان سے وابستہ ہے، برطانوی ٹوریوں سے نہیں۔ اس طریقے پر آپ قومی تحریک کو تقریباً ایک خالص ہندو تحریک سے جیسی کہ (مجھے اس کا افسوس ہے۔ مگر) وہ اس وقت ہے ایک کل ہند تحریکِ قومی بنا دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کا قضیہ ترقی معکوس کر چکا ہے اور اس حقیقت سے انکار کرنا ایمان داری کی بات نہ ہوگی۔

اس خط کا آپ جواب نہ لکھیں۔ صرف آپ اپنی اس رائے کو سرِدست معرضِ التوا میں رکھیں کہ میں ہندوستان کے خلاف تلخ و شدید ہوں۔

آپ کا مخلص

ای۔ تھامپسن

۱۶۳۔ از ایڈورڈ تھامپسن،

بوارس ہل، آکسفورڈ

۳ جنوری ۱۹۳۷ء

پیارے نہرو،

ہماری ملاقات اخباروں میں اس طرح شایع ہوئی۔ ان نامعقول سُرخیوں اور سیسے کے موٹے موٹے فاصلوں والے ٹائپ وغیرہ کا میں ذمّے دار نہیں ہوں۔ اور میرے تمہیدی ملاحظات سرے سے غائب کر دیے گئے جس کا مجھے افسوس ہے اس لیے کہ ان ملاحظات سے یہ آشکارا ہوتا کہ میرے

دل میں آپ کی کتنی محبّت ہے اور میں آپ کی نسبت کتنی بلند رائے رکھتا ہوں۔

صاف اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارا تمدّن ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچا ہے، نیم بالغ بنیادوں پر چل رہا ہے اور اس تمدّن میں ہر چیز کو کاٹ چھانٹ کر اس کے شورش انگیز نقاط کو نمایاں کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سینما اور ہر اک گوشے میں رچی ہوئی انوثت یا زنانہ پن نے ہمیں ختم کر دیا ہے۔ زمانہ قلب و جگر تک سڑ چکا ہے۔

نیز مجھے ڈر ہے کہ ہمارے ان سیاہ خطروں کے ساتھ جو ہم پر منڈلا رہے ہیں، ہندوستان ہماری دل چسپیوں کے مرکز سے بہت دُور ہٹ چکا ہے۔

برسبیلِ تذکرہ، ایک مقالہ جسے آپ پسند کرتے اور جس کی خاص خاص باتوں سے آپ اتفاق بھی کرتے، ہفتوں سے رُکا پڑا ہے، اوّلاً تو اس لئے کہ مسز سمپسن کو کہیں سے اطلاع مل گئی، ثانیاً (میرا خیال ہے) اس لئے کہ کوئی کوکبِ فلمی کسی دوسرے کوکب پر عاشق ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے۔ یہ میرے لئے ایک سبق ہو گا۔ اب میں کسی مقبولِ عام پرچے کے لئے کبھی کچھ نہ لکھوں گا۔ ان پرچوں پر آپ اعتماد ہی نہیں کر سکتے۔

ابھی ابھی کچھ دن ہوئے ایک لڑکی، پاٹریشیا آگنیو، یہاں آکر ٹھیری تھی۔ وہ آپ کی صاحبزادی کی بڑی پُرخلوص دوست ہے۔ وہ برابر آپ کی صاحبزادی کا ذکر کرتی رہی۔ دونوں اسکول میں ایک ساتھ رہی ہیں۔

۱۹۳۷ء کے لئے بہترین آرزوؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایڈورڈ تھامپسن

نیوز کرانیکل

۲ جنوری ۱۹۳۷ء

اصلاحات کے شروع ہونے پر ہندوستان میں خطرہ

نہرو کی گفتگو جریدۂ نیوز کرانیکل سے

سالِ نو ہندوستان کو ایک بار پھر دنیا کے اسٹیج کے مرکز پر لا رہا ہے۔

آئندہ ماہ نئے دستور کے ماتحت کام کرنے والی مجالسِ قانون ساز کے پہلے انتخابات ہونے والے ہیں۔ اور پہلی اپریل کو صوبائی خود مختاری وجود میں آنے والی ہے۔

ہندوستان کی نیشنل کانگریس، قوم پرستوں یا ہوم رول والوں کی غیر سرکاری "پارلیمنٹ" نے اس دستور کو مسترد کر دینے اور اُس کو نہ چلنے دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

اس مخالفت کے لیڈر جواہر لعل نہرو —— ہارو اور کیمبرج کے تعلیم یافتہ —— ہیں جو چند روز ہوئے تیسری بار کانگریس کے صدر منتخب ہوئے ہیں۔

ایڈورڈ تھامپسن نے جو ہندوستان کے معاملات پر ایک سند کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں، "نیوز کرانیکل" کے لئے جواہر لعل نہرو سے ایک خصوصی ملاقات کی۔ دورانِ ملاقات میں نہرو نے کہا کہ "دستور کا ناکام رہنا لازمی ہے"۔ نیز یہ کہ "برطانوی فوج کو ہندوستان ضرور چھوڑ دینا چاہیئے"۔

ہمیں بندھن توڑ کر ضرور آزاد ہو جانا چاہیئے۔

از ایڈورڈ تھامپسن

جہاں تک میں نے نہرو کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اُن کی اوّلیں غرض یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کو برطانی شہنشاہی سے آزاد کرالیں۔

اگر اُن کو یہ بات باور کرا دی جائے کہ شہنشاہی حقیقت میں عبارت ہے آزاد اور ہم پایہ قوموں کے ایک خاندان سے جس کے ہر رُکن کو ایک "خاصا موقع" ملے گا، تو وہ اس بات پر رضامند ہو جائیں گے کہ ہندوستان بھی ایسی ہی ایک قوم بن جائے۔

مگر اُن کا خیال ہے کہ مفاداتِ مستقلہ اُن کا گلا دبائے ہوئے ہیں اور ہم انگریزوں کی انانیت، گھمنڈ اور کوڑھ مغزا پن ہندوستان کی محکومی

اور غلامی کو پایۂ تکمیل کو پہنچا دیتے ہیں۔ بنا بریں ہندوستان اپنی آزادی کا خواب اُس وقت تک نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ وہ ہم سے تمام تعلقات منقطع نہ کرلے۔

میں ذیل میں جواہر لعل نہرو سے اپنی گفتگو سوال و جواب کی شکل میں درج کر رہا ہوں۔

سوال: آپ کی نسبت مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہندوستان نئے دستور کو "چھونا" تک گوارا نہ کرے گا۔ آپ کا اس سے کیا مطلب ہے؟

جواب: نئے دستور کے نہ چھونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہمارے انتخابات میں حصّہ لینے سے عیاں ہے کہ ہم اس سے تعلق پیدا کریں گے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہم تعاون کی نیّت سے اس دستور کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ یہ دستور ہماری خواہش کے خلاف ہم پر زبردستی ٹھونسا گیا ہے ہم اس دستور کو قطعاً ناپسند کرتے ہیں اور ہمارا ارادہ یہ ہے کہ ہم اس کا چلنا تا حدِ امکان دشوار بنا دیں۔

اس کا وفاقی حصّہ انسانیت سوزی کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے۔

سوال: تاہم ہندوستان کے اس درجہ ہیبت ناک افلاس کے پیشِ نظر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اس دستور کو اس غرض سے استعمال کیا جائے کہ ہندوستان کے لوگوں کو اپنی مصیبتوں میں تخفیف کا ایک موقع ملے؟

بڑے مسئلے

جواب: دستور کی ناکامی لازمی ہے اس لئے کہ وہ ہندوستان کا کوئی بڑا مسئلہ حل نہیں کرسکتا۔ آراضی، غربت و افلاس اور بے روزگاری کے مسئلے ایسے ہیں جو حل چاہتے ہیں۔

ہم نہیں سمجھتے کہ برطانوی شہنشاہی کے ماتحت کوئی مناسب حل نکل سکتا ہے۔

ہم نے اس اُلجھاؤ سے نکلنے کا ایک راستہ ایک انتخاب کنندہ یا نمائندہ اسمبلی کی صورت میں سامنے رکھ دیا ہے۔

سوال : میری تنقید کانگریس سے متعلق یہ ہے کہ وہ اس بات کی جرأت نہیں رکھتی کہ وہ رجواڑوں کی رعایا کے وجود کا بھی اعتراف کرے یا اُن کے حقوق کی کھل کر وکالت کرے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : کانگریس رجواڑوں کی رعایا کو نظر انداز نہیں کرتی، اگرچہ اس کی سرگرمیاں بڑی حد تک برطانوی ہند کی حدود کے اندر مرتکز رہی ہیں وہ ہندوستانی ریاستوں کی رعایا کے لئے بھی اُنہی سیاسی، اقتصادی، شہری اور دوسری آزادیوں کی حامی اور مؤیّد ہے جن کی وہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے لئے حامی اور مؤیّد ہے۔

ہندوستانی ریاستوں کے لئے کانگریس اب تک کچھ زیادہ اس لئے نہیں کر پائی ہے کہ دوسری جگہوں کے کاموں سے اُسے فرصت نہیں مل سکی اور اُس کے بہت سے لیڈروں نے اپنے بوجھ میں اضافہ پسند نہیں کیا۔

کوئی آمریت نہیں

مگر یہ اصول مان لیا گیا تھا اور اُس کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا۔

سوال : کیا ایک حقیقی قسم کا "نوآبادیاتی درجہ" بھی اُتنا ہی کارآمد ہو گا جتنی کہ آزادی؟

جواب : میں شہنشاہیت کے اندر ہندوستان کے لئے کسی حقیقی قسم کے "نوآبادیاتی درجہ" کا تصوّر نہیں کر سکتا، برطانوی نوآبادیوں کے درجے تک کا بھی نہیں۔

دونوں کے درمیان کوئی مماثلت نہیں۔ میں اگر تصوّر کر سکتا ہوں تو ایک ایسے آزاد ہندوستان کا جو برطانیہ کے ساتھ کوئی دوستانہ بندوبست یا معاہدہ کرے۔

سوال : کیا آپ ہندوستان کا کسی ایسی آمریت کے ماتحت آجانا پسند کریں گے جیسی کہ ہم فاشستی ملکوں میں دیکھ رہے ہیں؟

جواب : میں اس خیال سے بالکل متفق نہیں ہوں، علی الخصوص کسی شخصی قسم کی آمریت کے خیال سے۔

بہ ہر حال، کسی سنگین قسم کے بُحران کے زمانے، عموماً فوجی بحران کے زمانے میں، ایک حد تک کی جماعتی آمریت کے ضروری و لابدی ہونے کا میں تصور کر سکتا ہوں۔

مگر اس قسم کی آمریت کو معمولی زمانوں تک وسعت نہ دینی چاہیئے۔

سوال: کیا ہندوستان کی وحدت بڑی حد تک بناوٹی اور زمانۂ حال کی پیداوار نہیں ہے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ہندوستان قومیت اور زبانوں کی بنیاد پر مختلف قوموں میں بٹ جائے؟

جواب: میرا خیال ہے کہ اگر ہندوستان اس طریقے پر منقسم ہو گیا تو بدقسمتی کی بات ہوگی۔ ہندوستان کی وحدت نہ صرف مرغوب ہے بلکہ نہایت ضروری ہے۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کا کوئی سمجھدار آدمی مختلف طرز پر سوچتا ہو۔ یہ وحدت، بہر حال، جابرانہ قسم کی نہ ہونی چاہیئے، بلکہ اس وحدت میں تہذیبی اور دوسرے قسم کے اختلافات کو پوری آزادی دی جانی چاہیئے۔

سوال: ہندوستان کا افلاس ہر سیّاح کو ڈرا دیتا ہے۔ آپ اس افلاس سے کیوں کر نپٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

جواب: مجھے کچھ ایسا دکھائی دے رہا ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے مسائل کے حل کا تنہا طریقہ یہ ہے کہ ہندوستان کے پاس اپنا ایک سوچا سمجھا ہمہ گیر اقتصادی نظام ہو جو آراضی، بڑی اور دیہی صنعت، خدماتِ اجتماعی وغیرہا ہر چیز پر مشتمل ہو۔

"کوئی مستقل مفاد نہ ہو"

ایسا نظام صرف اُسی وقت بر روئے کار آسکتا ہے جب راہ سے وہ رکاوٹیں دور کر دی جائیں جو بڑے بڑے مستقل مفادات کی شکل میں موجود ہیں۔ اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان رکاوٹوں میں سے اکثر رکاوٹیں دُور کر دی جائیں۔

سوال: صرف برطانوی ہی آپ کے لئے موجبِ دشواری نہیں ہیں۔ کیا آپ یہ نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں فرقہ وارانہ

جھگڑے اور رجواڑے بھی حائل ہیں؟

جواب: میں نہیں سمجھتا ہوں کہ اقتصادی مسائل پر غور و فکر کرتے وقت فرقہ وارانہ مسئلہ کسی خفیف سی خفیف دشواری کا بھی موجب ہوگا۔

ہندوستان کے رجواڑوں سے متعلق یہ توقع رکھنا کہ کسی قسم کے ایسے معاہدوں کی بنیاد پر، جو آج سے سو سال پہلے انھوں نے برطانوی اقتدار کے نمائندوں سے کئے تھے، اُن کو اپنے مطلق العنان جاگیردارانہ طریقوں پر چلتے رہنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا جانا چاہئے ایک نامعقول سی بات ہوگی۔

اخیر میں خود ان ریاستوں کے باشندے اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ راجاؤں اور نوابوں کی حیثیت کیا رہے گی۔

سوال: جہاں تک فوج کا تعلق ہے، کچھ صوبے ایسے ہیں جو ایک آدمی بھی فوج میں نہیں بھیجتے، کچھ ایسے ہیں جو چند سو آدمی دیتے ہیں، مگر فوج کی بڑی زبردست اکثریت دو صوبوں سے آتی ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں آپ کبھی کوئی جمہوری طرز کی حکومت اس حالت میں قائم کرسکتے ہیں کہ ملک کا ایک حصہ ہتھیار بند ہو اور وہی باقی ملک کے لئے خطرے اٹھائے؟

جواب: فوج کا مسئلہ کوئی ناقابلِ تسخیر دشواری اپنے اندر نہیں رکھتا۔ فوج کے لئے نیز شہریوں کی رضاکار فوج کے لئے پورے ملک سے آدمی لئے جائیں گے۔ یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں کہ موجودہ ہندوستانی فوج نئے نظام کی وفادار نہ ہوگی۔

برطانوی فوج کو البتہ ہندوستان چھوڑ دینا پڑے گا۔

۱۶۴- از رابندر ناتھ ٹیگور

شانتی نکیتن، بنگال
۲۱ر دسمبر ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

اندرا نے اپنے محبّت آگیں خط میں میرا جو ذِکر کیا ہے اُس سے میں سچ مچ نہایت متاثر ہوا۔ وہ بڑی دل آویز بچّی ہے، وہ اپنے استادوں اور اپنے ہم سبق طلبا کے دلوں میں اپنی ایک بڑی خوش گوار یاد چھوڑ گئی ہے۔ وہ تمھاری سیرت کا استحکام بھی رکھتی ہے اور تمھارے ہی جیسے افکار بھی۔ مجھے اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ وہ آسودہ خاطر انگریزی صحبت میں اپنے آپ کو کسی قدر اجنبی سا پا رہی ہے۔ جب تم پھر اُسے خط لکھو تو میری طرف سے دعائیں ضرور لکھ دینا۔

ہم لوگ یہاں اس وقت اپنی سال گرہ کی تقریبوں میں منہمک ہیں۔ اور مجھے اندیشہ ہے کہ اس اژدحام اور ان سرگرمیوں کا میرے جسمانی قویٰ پر بڑا بوجھ پڑے گا۔ مگر میں دانش مندانہ اپنی قسمت کا مقابلہ تمھاری قسمت سے کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا!!

پُر از محبّت دُعاؤں کے ساتھ

تمھارا مخلص
رابندر ناتھ ٹیگور

۱۶۵- از مہاتما گاندھی،

۲۸ر دسمبر ۱۹۳۶ء

عزیزی جواہر لعل،

اگر تم آج اپنا کام ختم کر لو، جیسی کہ مجھے توقع ہے، تو شاید کل دوپہر بعد مجھے جانے کی اجازت دے دو گے۔

اگر میری یہ تجویز کہ آئندہ کانگریس کے اجلاس دیہاتوں میں منعقد ہوا کریں تمھیں پسند آئی ہو تو میں تم سے خواہش کروں گا کہ تم کانگریس کو

اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ اپنے اجلاس فروری اور مارچ کے درمیان منعقد کرنے کے پُرانے دستور کی طرف واپس جائے۔ جاڑوں کے موسم میں ہزاروں آدمیوں کو مبتلائے مصیبت کرنے سے، اگر ممکن ہو تو اجتناب کیا جائے۔ پارلیمانی حضرات کو اس انتظام سے اپنے آپ کو تطبیق دے لینی چاہیئے۔ اگر مجالسِ قانون ساز میں کانگریس اکثریت حاصل کر لیتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ کرسمس اور ایسٹر کی چھٹیوں کی طرح کانگریس کے اجلاس کے لئے بھی چھٹی نہ منوالے۔ میں نے سروپ سے کہہ دیا ہے کہ کہیں نہ کہیں زمین ضرور اور جلد حاصل کر لی جائے۔ اور پھر گھر گھر جا کر کملا میموریل کے لئے سرمایہ اکٹھا کرنے کا کام شروع کیا جائے۔

محبّت

باپو

۱۶۶۔ از وِی گولانز،

لندن

۸ر فروری ۱۹۳۶ء

میرے عزیز نہرو،

البرٹ ہال ریلی کے موقع پر آپ نے جو پیغام بھیجا اس کے لئے مخلصانہ شکریوں کی ایک سطر۔ میں نے اس پیغام کو سُناتے وقت یہ نہیں بتایا کہ یہ کس کا ہے۔ جیسے ہی یہ الفاظ "ہندوستان کے لوگ" پڑھے گئے تالیوں کی گونج سے کان پڑی آواز نہیں سُنائی دے رہی تھی۔ آپ کا نام پڑھنے سے پہلے تار کے خاتمے پر یہ فقرہ دُہرایا گیا اور جب میں نے آپ کا نام پڑھا تب تالیوں کا شور، خدا کی پناہ! یہ ایک ایسا مظاہرہ تھا جس سے یہ واقعہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ حاضرین کا ایک ایک متنفّس آپ کی اپیل سے اثر پذیر تھا۔

آپ کو یہ جان کر مسرّت ہوگی کہ پورا جلسہ واقعی حیرت انگیز طور پر کامیاب رہا اور ہمارا خیال ہے کہ اُس کا سیاسی ردِّ عمل نہایت اہم ہوگا۔

میرے بہترین شکریوں اور بہترین آرزوؤں کے ساتھ
آپ کا برادرانہ
دی گولانز

پنڈت جواہر لعل نہرو،
سوراج بھون، الہ آباد (یو-پی)

۱۶۷- از سر اسٹیفرڈ کرپس

۳، ایلم کورٹ،
ٹیمپل ای-سی-۴
۳ مارچ ۱۹۳۷ء

میرے عزیز نہرو،

آپ نے بڑا کرم فرمایا جو مجھے ایک اتنا طویل اور دلچسپ خط لکھنے کے لیے وقت نکالا۔ ہم اس خط کو ٹائمز میں شائع کر دیں گے اس لیے کہ وہ بہت ہی پُر از معلومات اور فتح و ظفر کی روح سے معمور ہے۔ ہمارے ملک کے لوگ اس وقت اِس روح کے بُری طرح حاجت مند ہیں۔

ہماری وحدت کی جدوجہد نے آگے قدم بڑھانے شروع کر دیے ہیں۔ اگرچہ ٹریڈ یونینوں اور پارٹی کے سرکاری عناصر کی طرف سے اس کی بڑی شدید مخالفت ہو رہی ہے۔ ہماری یہ جدوجہد بڑی معقول حد تک سیاسی دلچسپیوں اور احساس کو بیدار کر دینے میں مؤثر ثابت ہو چکی ہے اور اب تک اس سے فائدہ ہی پہنچا ہے۔

ہندوستان کے لوگوں کے درمیان آپ کا عالی شان جوش و خروش میرے لئے موجبِ رشک ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ایسی کوئی تحریک ہمارے یہاں بھی جاری ہوتی، مگر شاید ہم لوگ بہت زیادہ گمراہ کئے جا چکے ہیں اور ہمیں اپنی جمہوریت میں بہت سی مخصوص رعایتیں حاصل ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی فتوحات پر، جو آپ نے حاصل کی ہیں تہِ دل سے آپ کو اور کانگریس کو مبارکباد دوں۔ ہم یہاں آپ کے کنونشن کے فیصلے کا اور

اُس انداز کا جو آپ لوگ انڈیا ایکٹ کے نفاذ سے متعلق اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں بڑی عمیق دل چسپی کے ساتھ انتظار کریں گے۔

مجھ کو یقین ہے کہ آپ شہنشاہیت اور اُس کی تمام صورتوں، نیز بہت سے فاشستی طور طریقوں کے خلاف جو آج ہندوستان میں اختیار کیئے جا رہے ہیں، اپنی شدید ترین مفاومت برابر جاری رکھیں گے۔ مجھے اس میں شبہہ نہیں ہے کہ ہم یہاں سے آپ کی بہت تھوڑی ہی سی مدد کر سکتے ہیں، اس لئے کہ ہماری پارٹی اب تک شہنشاہیت کی پیدا کردہ صورتِ حال کی پیچیدگیوں کو سمجھ نہیں پائی ہے۔ مگر ہم کوشش کر رہے ہیں کہ حالات سے لوگوں کو باخبر کر دیں اور اُن کو شہنشاہی معاملات میں نقل و حرکت کی ذمّے داریاں سمجھا دیں۔

میرا خیال ہے کہ "ٹری بیون" میں ہم ہندوستان کی خبریں جس قدر زیادہ چھاپ سکیں چھاپیں، اس لئے اگر آپ وقتاً فوقتاً ہمیں کوئی خط لکھ دیا کریں یا کوئی مختصر سا مضمون بھیج دیا کریں تو یہ ہمارے لئے نہایت ہی مفید ہوگا۔ مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کس قدر مصروف رہا کرتے ہیں۔

مکرّر ہر اچھی تمنّا
آپ کا مخلص
اسٹیفرڈ کرپس

۱۶۸۔ از لارڈ لوتھین

سی مور ہاؤس
۱۷ واٹرلوپلیس، ایس۔ ڈبلیو۔ ۱
۴؍ مارچ ۱۹۳۷ء

نجی

پیارے مسٹر جواہر لعل نہرو،

میں ہندوستان کے انتخابات کی رفتار کا مطالعہ تا حدِ امکان بہت غور سے کرتا رہا ہوں، یعنی جس حد تک اِس ملک میں بیٹھ کر ہندوستان کے

انتخابات کی رفتار کا مطالعہ ممکن ہے، یہ ملک تو اس وقت زیادہ تر بین الاقوامی معاملات میں اُلجھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کانگریس نے اکثریتیں حاصل کر لی ہیں یا وہ چھ صوبوں کی اسمبلیوں میں تنہا سب سے بڑی پارٹی ہے مسرت اس لئے ہوئی کہ کانگریس پہلی بار ملک کی سب سے بڑی علمی اور تربیت یافتہ قومی قوت کو ایک بالقوہ ذمّے داری اور اقتدار کا مقام دے گی۔ مجھے بہرحال نہایت قوی امید ہے کہ جن جن مقامات پر کانگریس اکثریت میں ہے وہ اُن مقامات پر عہدوں کے قبول کر لینے اور صوبوں میں ذمّے داری سنبھال لینے پر آمادہ ہوگی۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے مخالف ہیں اور آپ کی اس مخالفت کی بنیاد صرف وہ تحفّظات نہیں ہیں جو دستور میں برطانوی اقتدار و قوّت کے لئے رکھے گئے ہیں بلکہ یہ واقعہ بھی آپ کی اس مخالفت کی ایک بنیاد ہے کہ مرکزی مجلسِ قانون ساز پر اس وقت جاگیرداروں یا بڑی بڑی جائدادوں کے مالکوں کے قبضۂ و تصرّف کا امکان ہے میں عہدوں کے قبول کر لینے پر جو اصرار کر رہا ہوں اُس کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں کہیں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ ذمّے دار حکومت کے اصول کو مان کر نافذ کیا گیا ہو اور مجلسِ قانون ساز کی اکثریت نے اپنے آپ کو حکومت کی پوری ذمّے داری سنبھال لینے کے قابل نہ پایا ہو، خواہ دستور میں کیسے ہی تحفّظات کیوں نہ رکھے گئے ہوں۔ پارلیمنٹ کا مقصد ہی یہ تھا کہ صوبائی اختیارات کے دائرے میں صوبائی حکومتیں پورے طور پر ذمّے دار حکومتیں ہوں۔ جب تک کہ وزارت کوئی ایسی پالیسی اختیار نہ کرلے جو رائے عامّہ کے بڑے حصّے کو اُس کے خلاف صف آرا کر دے تب تک کوئی گورنر لوگوں کے نمائندوں کی صواب دید کے خلاف اپنی صواب دید پر تا دیر اڑا نہیں رہ سکتا اگر یہ نمائندے اپنی اختیار کردہ پالیسی کے نتائج و عواقب کی ذمّے داری لینے کو تیار ہوں۔ اِس لئے میں سمجھتا ہوں کہ کانگریس اس وقت یہ حیثیت رکھتی ہے کہ میدانِ حکومت کے ایک خاصے وسیع حصّے پر پوری ذمّے داری کے ساتھ اس ارادے سے قابض اور متصرّف ہو جائے کہ وہ تجربہ بہم پہنچائے جو صرف حکومت کی ذمّے داری

سنبھال لینے پر اُسے حاصل ہو سکتا ہے، اور جب وہ حکومت کی اہلیت و صلاحیت ثابت کر دے تب وہ دستور کے وفاقی پہلوؤں پر، جو اُس کے اور برطانیۂ عظمیٰ کے درمیان اصل وجہ نزاع ہیں، غور و فکر کرنے کی ایک کہیں زیادہ مستحکم حیثیت میں ہوگی۔

دوسری وجہ آپ سے عہدوں کے قبول کر لینے پر اصرار کرنے کی یہ ہے کہ میرے نزدیک اِس وقت ہندوستان کا تنہا اہم ترمفاد یہ ہے کہ وہ اپنی بنیادی اور فطری وحدت کو جو اُسے اِس وقت حاصل ہے باقی اور محفوظ رکھے اور جس کا دستور وفاقی کے بنیادی ڈھانچے میں پورے طور پر انتظام کر دیا گیا ہے۔ جب آپ اُن ناقابلِ بیان مصیبتوں، لامتناہی محرومیوں اور ناکامیوں، اور خود اپنے مسائل کے حل کرنے سے اُس کے عجزِ مطلق پر نظر ڈالیں گے جس کا یورپ آج ۲۶ بادشاہتوں میں بٹ کر شکار ہے تب آپ دیکھیں گے کہ ہندوستان اپنی حکومت کا ایک ایسے دستوری ڈھانچے سے آغاز کر کے جو پورے ملک کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے کتنے عظیم الشان فائدے میں ہے۔ ایک زمانہ تھا جب چین میں مانچو خاندان کے حکمرانوں اور روس میں زار کی طرح ہندوستان میں برطانیہ بھی ملک کی وحدت کو جبر و استبداد کے ذریعے باقی رکھ سکتا تھا۔ مگر وہ زمانہ بیت گیا۔ اِس میں کچھ شبہہ نہیں کہ آپ اس دستور کے اندر حق رائے دہندگی کی تقسیم کسی اور طریقے پر پسند کریں گے۔ مگر غور کیجے، کیا بجائے اس کے کہ آپ خود اس وفاقی ڈھانچے کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیں اور خود ہندوستان کی وحدت کو خطرے میں ڈال کر اُسے یورپ کی راہ پر ڈال دینے کا خطرہ مول لیں یہ بات غیر متناہی اور بے اندازہ طور پر اہم اور مفید نہیں ہے کہ آپ اپنی تجویز کے لئے اسی وفاقی حدود کے اندر رہ کر جنگ کریں؟ میرا ایمان ہے کہ آپ اس راہ کو اختیار کر کے، بہ نسبت کسی دوسری راہ پر چل کھڑے ہونے کے، اپنی منزل تک زیادہ سرعت کے ساتھ پہنچیں گے اور ہندوستان کے لوگوں کو زیادہ

فائدہ پہنچائیں گے۔

اخیر میں، میں اِس کو کوئی درست راستہ نہیں سمجھتا کہ گورنروں سے عہد لئے جائیں کہ وہ اپنے تحفظاتی اختیارات کو استعمال نہ کریں گے۔ گورنر ایسے عہد نہیں دے سکتے اور اُن سے ایسا عہد طلب کرنا موہوم باتوں پر جھگڑنا ہے۔ اصل اور بنیادی بات ذمے داری کا سنبھال لینا ہے اور پھر اس بات پر اصرار کرنا کہ چونکہ ہم اپنی پالیسی کے عواقب و نتائج کی ذمے داری لینے کو تیار ہیں ہمیں اپنی ذمے داری کے کام میں لانے کی بغیر کسی مداخلت اور روک ٹوک کی اجازت دی جائے۔

تقریباً ایک سال پیشتر میرے آپ کے درمیان جو دوستانہ گفتگو ہوئی تھی اُس کے پیشِ نظر مجھے یقین ہے کہ آپ اِس خط کے لکھنے پر مجھے معاف کر دیں گے۔ اس خط کے لکھنے پر اوّل تو مجھے آپ کے ساتھ اور ہندوستان کے ساتھ جذبۂ خیر اندیشی نے آمادہ کیا اور پھر اس یقین نے کہ اس دستور نے، بڑی حد تک حق رائے دہی کے سبب، ہندوستانیو کے ہاتھ میں قوت و اقتدار کا ایک ایسا بیرم دے دیا ہے جس سے کام لے کر، اگرچہ بدقت اور کشمکش کے بعد بجائے اس کے کہ اُن کو اُن کے طریقوں سے کام لینا پڑے جو ماضی قریب ہی میں دنیا پر وہ المناک مصیبتیں لا چکے ہیں جو سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ سے بھی بدتر تھیں اور جن کے دُور کرنے کی راہیں اب صرف جمہوریت نے نکالنی شروع کی ہیں، وہ اپنے مقاصد کی تکمیل آئینی طریقوں سے کر سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص

لوتھین

۱۶۹۔ از ولبھ بھائی پٹیل،

احمد آباد ۹ مارچ ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر لعل،

پریس کی رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ آٹھویں کو پونا میں ایم۔پی۔سی سی کا

ایک جلسہ ہوا جس نے عہدوں کے قبول کیے جانے کے خلاف فیصلہ کیا مگر اُسی روز مہاراشٹر کے اسمبلی کے نو منتخب ممبروں نے ایک جلسہ منعقد کیا اور عہدوں کے قبول کیئے جانے کی تائید میں ایک قرارداد منظور کی۔ اِن لوگوں نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک قرارداد اور منظور کی جس میں بہ حیثیت چیف منسٹر کے مسٹر ناریمان کی نامزدگی کی سفارش کی۔ یہ بہت ہی بڑی بات ہے۔ یہ براہِ راست اُن ہدایتوں کی خلاف ورزی ہے جو اس سلسلے میں آپ نے حال ہی میں جاری کی ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ قرارداد بمبئی سے وزارت کے لئے عملاً رائے طلبی کا نتیجہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایم۔ پی۔ سی۔ سی اپنے منتخب شدہ ممبرانِ اسمبلی کو قابو میں نہیں رکھ سکتی۔ جب تک کہ مرکز کسی محکم تر ضبط اور نگرانی سے کام نہ لے گا معاملات بگڑتے جائیں گے۔ آپ کی اطلاع کے لئے میں اُن رپورٹوں کا ایک تراشہ ملفوف کر رہا ہوں۔

میں چودھویں کی شام کو براہ بمبئی دہلی پہنچ رہا ہوں۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے،

آپ کا مخلص

ولبھ بھائی

۱۷۰۔ از رابندر ناتھ ٹیگور،

"اوترایان"

شانتی نکیتن بنگال

۲۸ مارچ ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

مجھے ابھی ابھی تمہارا تار ملا ہے جو یہ امید دلاتا ہے کہ ہماری تقریب پر جو آئندہ اپریل کی چودھویں کو منائی جا رہی ہے صدارت کرنے کے لئے تم یہاں آسکو گے۔ مگر جہاں تک ہماری اس تقریب کا تعلق ہے سیاسی صورتِ حال کی وہ بے اعتباری جس کا تم نے ذکر کیا ہے بڑی

تہدید آمیز ہے۔ یہ خط میں تم کو یہ بتانے کی غرض سے لکھ رہا ہوں کہ میں خود اس معاملے کو کس روشنی میں دیکھتا ہوں۔

ایک بہت بڑا کتب خانہ اور پچاس ہزار روپئے ہندوستان کے لوگوں کے لئے چین کا ایک ہدیہ ہے۔ اگر ہم نے اس ہدیے کو اُس کے صحیح اور مناسب مقام میں نہ دیکھا تو یہ بدقسمتی کی بات ہوگی۔ چینی ہندی ثقافتی انجمن جو اس تحریک کی مؤیّد رہی ہے، اُس کے بانیوں میں چینی زندگی کے تمام رہنما شامل ہیں۔ مارشل چیانگ کائی شک، پریسیڈنٹ ڈاکٹر تسائی ٹائی ٹاؤ، اور چین کی قومی تحقیقاتی اکاڈمی کے ڈائریکٹر سب اس انجمن کے بانیوں میں شامل ہیں۔ ہم سب پر واجب ہے کہ ہم اس ہدیے کو دوستی اور تعاون کی ایک صحیح اسپرٹ میں قبول کریں اور اس انجمن کے کام کا رسمی افتتاح ایسے طریقے پر ہونا چاہیئے جو ہمارے چینی دوستوں کو متأثر کرسکے کہ ہندوستان بھی اس حسین اشارۂ محبت کا جواب مناسب اور شایانِ شان طریقے پر دے گا۔ رسمِ افتتاح کے لئے تم سے بہتر اور مناسب کوئی دوسرا شخص میرے دھیان میں نہیں آرہا ہے۔ تمھیں ضرور آنا چاہیئے، اگر ضرورت ہو تو ہوائی جہاز سے آؤ، ہمارے یہاں طیاروں کے اُترنے کے لئے بڑا عمدہ میدان ہے۔ اندرا کو ساتھ لانا نہ بھول جانا۔

میری دعاؤں کے ساتھ

تمھارا مخلص

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۷۱۔ از ارنسٹ ٹالر،

میرامار، سانٹا مانیکا، کیلیفورنیا

۳۰ مارچ ۱۹۳۷ء

عزیز جواہر لعل نہرو،

کئی ماہ گزرے جب میں نے آپ کو ایک خط لکھا تھا۔ مجھے پوری امید

ہے کہ یہ خط آپ کو بہترین صحت و تندرستی سے لطف اندوز پائے گا۔
میں نے آپ کی زندگی کے حالات اور آپ کے کام کا مطالعہ گہری دلچسپی اور توجہ کے ساتھ کیا ہے۔ امریکا کے کچھ رسالے اور اخبارات ہندوستان کے حالات پر جو رپورٹیں شایع کیا کرتے ہیں وہ مبنی بر واقعات اور کافی ہوا کرتے ہیں۔

میں اکتوبر کے اوائل میں ریاستہائے متحدہ امریکا آیا۔ میری آمد کی غرض ہٹلر اور نازی نظام کے خلاف ایک تقریری دورہ کرنا ہے، مگر تقریروں میں صرف ہٹلر کی گھریلو سیاست، اور اقلیتوں، حریت پسندوں اور اشتراکیوں پر اُس کے جبر و ظلم اور اُن کی تعذیب و ایذا کے خلاف نہ کروں گا بلکہ اُس کی سیاست خارجہ کے خلاف بھی جو امنِ عالم کو دھمکیاں دے رہی ہے۔ آپ بین میں فرانکو کو بغاوت پر آمادہ کرنے اور اُس کی بغاوت کو مدد دینے میں ہٹلر کا جو حصہ رہا ہے ظاہر ہے کہ اُس کے خلاف بھی میں نے تقریریں کیں۔ میں نے پورے امریکا کا سفر کیا اور امریکی معاشرے کے مختلف طبقوں کے سامنے، یونیورسٹیوں میں، خواتین کے کلبوں میں، مصنفوں اور صحافیوں کے سامنے اور ریڈیو وغیرہ پر مجھے تقریریں کرنی پڑیں۔

میرا یہ تقریری دورہ کچھ اوپر تین ماہ تک جاری رہا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ایک دن میں دو دو تقریریں کرنی پڑیں۔ ایک دن چار تقریریں کیں۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ میرے کام سے دلچسپی لیا کرتے ہیں اس لئے اخباروں کے کچھ تراشے جن کا تعلق میری تقریروں سے ہے، آپ کو بھیج رہا ہوں۔

ایک بالکل ہی غیر متوقع اور نہایت دلچسپ پہلو میرے اس دورے کا وہ ہمدردی ہے جو میری تقریروں سے عام لوگوں نے اور ہالی ووڈ کے اُن فلمی فن کاروں نے ظاہر کی جن سے اس قسم کی ہمدردی کی توقع نہیں کی جاتی تھی۔

ہالی ووڈ میں ایک بہت ہی بااثر نازی دشمن لیگ قائم ہے جس کے

ارکان میں بہت سے بڑے بڑے فلم ساز، فلمی مصنفین اور فلمی ستارے شامل ہیں۔

دَورہ ختم کر کے میں ہالی ووڈ واپس آگیا ہوں اور اس وقت لولا مانٹیز کی فلمی داستان میٹرو گولڈ وِن مایر کے لئے لکھنے میں مصروف ہوں۔ (لولا مانٹیز ایک آئرستان آفیسر کی وہ عجیب وغریب آئرستانی لڑکی ہے جس نے اپنا بچپن ہندوستان میں گزارا اور پھر وہ لندن میں ایک "اسپینی رقاصہ" کے روپ میں ظاہر ہوئی اور پھر وہ بویریا کے بادشاہ لوڈوِگ کے دوستوں کے حلقے میں داخل ہوگئی۔ یہی وہ لڑکی تھی جو اس بادشاہ کی سیاست پر بڑے ہی فیصلہ کن طریقے پر، سالہا سال تک اثر انداز رہی۔ یہاں تک کہ ۱۸۴۸ء میں میونخ کی وہ کسی قدر مضحکہ انگیز بغاوت برپا ہوئی جس کی انتہا اس کی جلاوطنی اور بادشاہ کے تخت سے اُتار دیے جانے پر ہوئی۔ جیسا کہ تاریخ اکثر عجیب وغریب ہوا کرتی ہے، یہی لولا مانٹیز وہ لڑکی تھی جو یورپ کے ردِّ عمل کے زمانے میں آزادی کی نقیب تھی)

یہاں کا کام ختم کر کے میں نیویارک کو واپس جاؤں گا جہاں میرے دو ڈرامے پیش کیے جائیں گے۔ یہ دونوں ڈرامے کتابی شکل میں بھی شایع ہوں گے اور جیسے ہی وہ چھپ کر آئیں گے میں بڑی مسرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیجوں گا۔

میں پچھلی بار ۱۹۲۹ء میں یہاں آیا تھا۔ اُس وقت سے اب تک امریکا پر ایک عظیم الشّان تبدیلی طاری ہو چکی ہے۔ عظیم اقتصادی بحران نے امریکا کے عام لوگوں، خصوصاً ملک کے نوجوانوں پر، گہرا اثر ڈالا۔ عام رجائیت اور اُس کی ڈالر پرستی کی جگہ ایک گہری روحانی بے قراری، حقیقی اجتماعی مسائل کی طرف ایک عام رجحان اور اجتماعی حلقوں نیز فن میں صداقت اور سچائی کی طلب اب عام طور پر پائی جا رہی ہے۔

مزید برایں ہمہ، امریکا مجھے وہ تنہا ملک دکھائی دے رہا ہے جس نے فاشزم سے بڑی تیزی کے ساتھ سبق حاصل کیا ہے۔

آبادی کے ایک بڑے حصّے میں "آزادی کا شعور" پیدا ہو گیا ہے اور روز ولٹ کے انتخاب میں 'آزادی کا حامی یا آزادی کا مخالف' کا مسئلہ جوکھم میں تھا۔

توقع ہے کہ آئندہ ماہ میں روز ولٹ سے مل سکوں گا۔ امریکا کی تاریخ میں روز ولٹ کی شخصیت ایک اہم شخصیت ہے۔

میں انگلستان کب تک واپس جا سکوں گا یہ میں اس وقت نہیں عرض کر سکتا۔ سرِ دست میں امریکا ہی میں رہوں گا۔

یورپ کے حالات و معاملات سے غالباً آپ بھی میری طرح باخبر ہوں گے۔ بے شبہہ ہم اس وقت ایک یورپی جنگ سے بہت قریب پہنچ چکے یا اُس میں گھر چکے ہیں۔ سرِدست تو انفرادی طور پر ملکوں کی فوجوں کے کچھ دستے یا رسالے لڑ رہے ہیں۔ کچھ ہی دنوں میں پوری پوری فوجیں میدان میں آجائیں گی۔ انگلستان اور اٹلی کی نزاع برابر شدّت اختیار کرتی جا رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ مسولینی اور ہٹلر کے اتحاد کا سبب مسولینی کا برطانوی تصوّرات کا مخالف ہونا ہے۔ بعض اوقات ایسا نظر آتا ہے کہ جنگ کا آغاز ہٹلر اور سوویت روس کے درمیان ایک جزوی جنگ سے ہوگا۔

اسپین کے مسئلے میں جمہوریتوں نے، اقتصادی اسباب کی بناء پر، ایک غلطی کی ہے جو بعد کی دنیا مشکل ہی سے سمجھ پائے گی۔ بجائے اس کے کہ یہ جمہوریتیں فوراً ہی محسوس کر لیتیں کہ فرانکو اور اُس کے فاشستی نالتسی حلیفوں کی فتح و نصرت کا اثر یورپ کی صورتِ حال پر کیا پڑے گا انھوں نے اپنی "غیر جانبداری" کا اعلان کر کے یورپی جمہوریتوں کی خطرناک صورتِ حال کو نازک تر بنا دیا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ، جیسا کہ ماضی میں اور بہت سے ایسے قصّوں میں ہو چکا ہے، اس قصّے میں اگر جمہوریتیں بیچ میں پڑیں تو اُن کی اِس مداخلت پر یہ کتبہ نہ لگا دیا جائے کہ "بہت دیر ہو چکی"۔

کیا ہندوستان میں بھی فاشستی تحریکیں ہیں ؟ کیا ناتسی حضرات پروپاگنڈے کے بل بوتے پر وہاں بھی اثر پیدا کرنے کی سعی و کوشش کر رہے ہیں ؟

آپ کی صاحبزادی کی کیا خبریں ہیں۔ کیا ابھی وہ لندن میں ہیں ؟ ازراہِ کرم پُرمحبت احترامات اور بہترین تمنائیں قبول فرمائیے۔

ہمیشہ آپ کا

ارنسٹ ٹالر

۱۷۲۔ از مہاتما گاندھی،

غیر نظر ثانی شدہ۔

سیگاؤں، واردھا

۵ اپریل ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

تم بیمار کیوں پڑ جاؤ ؟ اور اگر خدا نہ کردہ بیمار پڑ ہی جاؤ تو اپنے آپ کو آرام کیوں نہ کرلینے دوگے ؟ میرا خیال تھا کہ اندو کے آجانے کے بعد تم چپکے سے کہیں چلے جاؤ گے۔ جب وہ پہنچ جائے تو میرا پیامِ محبت اُسے پہنچا دینا اس خط کے ساتھ ایک سطر اُس کے لیے بھی ضرور بھیجوں گا۔

اچھا اب کچھ تمھارے گلوں شکوؤں سے متعلق۔ میری ہر بات اور شاید میرا ہر کام کسی نہ کسی طرح تمھیں ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ چپ رہنا ناممکن تھا۔ اس سیاق و سباق میں میں نے سوچا کہ اخلاق اور کج خلقی کے الفاظ بالکل درست نکلے۔ بیان کے بارے میں کانگریس کی جانب سے تمھاری یہ پہلی یادداشت پہلی یادداشت ہے۔ اگر یہ شکایت بالکل عام ہوتی تب بھی میں اپنے آپ کو مجبور پاتا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ تم نے لکھ دیا۔ جب تک کہ میرا دماغ صاف نہ ہو جائے یا تمھارے اندیشے دور نہ ہو جائیں تمھیں میرے ساتھ تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیئے۔ مجھے اپنے بیان سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ تمھارے ذہن میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے

جسے میں نہیں سمجھ رہا ہوں۔

کملا دیوی ہمارے ساتھ واردھا سے مدراس تک گئیں۔ وہ دہلی سے آ رہی تھیں۔ میرے ڈبے میں دو بار آئیں اور بہت دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ اخیر میں انھوں نے یہ جاننا چاہا کہ سروجنی دیوی کیوں علیحدہ کر دی گئیں، راجہ جی لکشمی پتی کو دور دور کیوں رکھتے ہیں، انسویا بائی کیوں الگ کر دی گئیں وغیرہ وغیرہ۔ تب میں نے اُن کو بتایا کہ خاتونوں کی علیحدگی میں میرا کیا حصہ تھا اور اُن سے میں نے اپنی اُس یادداشت کی نسبت بھی جو میں نے تم کو دوشنبہ کی خموشی کے دن لکھی تھی، جو کچھ مجھے یاد آیا بتا دیا۔ میں نے اُن کو بتایا کہ نہ تو اوّل اوّل سروجنی کے علیحدہ رکھے جانے میں میرا کوئی ہاتھ تھا اور نہ بعد کو اُن کے لے لئے جانے میں۔ میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں لکشمی پتی کی علیحدگی سے راجہ جی کو کوئی تعلق نہیں۔ میرا خیال تھا کہ تمھیں یہ بات معلوم ہو گی۔

مجھے امید ہے کہ یہ خط تمھیں پورے طور پر صحت یاب پائے گا۔ تم والدہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھتے ہو۔

محبت

باپو

۱۷۳۔ از لارڈ لوتھین

بلِک لنگ ہال، آیلشام

۹ر اپریل ۱۹۳۷ء

(بصیغۂ راز)

میرے عزیز مسٹر جواہر لعل نہرو

آپ کے خط مورخہ ۲۵ر مارچ کا بہت بہت شکریہ۔ جیسا کہ آپ کو میرے اُس خط سے معلوم ہو گیا ہو گا جو میں نے "ٹائمز" کو لکھا تھا، مجھے آپ کی اِس رائے سے پورا پورا اتفاق نہیں ہے کہ کانگریس کمیٹی کی یہ تجویز

"بہت معقول" ہے کہ وہ حکومت کی ذمے داریاں اس شرط پر قبول کر لینے کو تیار ہے کہ اُس کو اس امر کا یقین دلایا جائے کہ اپنی آئینی سرگرمیوں سے متعلق وزراء جو مشورے دیں گے گورنر اُن کے مسترد کر دینے کے اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کام لے کر مداخلت نہ کیا کریں گے۔ یہاں میں اپنی دلیلوں کا اعادہ نہ کروں گا، صرف اتنا عرض کروں گا کہ صورتِ حال کی کلید یہ ہے کہ گورنر اپنے اختیاراتِ خصوصی سے کام لے یا نہ لے، یہ بات اُس پر واجب نہیں کر دی گئی ہے بلکہ اُس کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دی گئی ہے۔ دوسرے لفظوں میں، جیسا کہ زٹلینڈ نے کل ایوانِ بالا میں اعتراف کیا، اس سوال کا کہ آیا گورنر اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرے یا نہ کرے، انحصار اس بات پر ہوگا کہ اُس کی رائے میں اِن اختیاراتِ خصوصی کا استعمال قانون، نظم و نسق اور اقلیتوں کے حق میں اپنی وزارتوں کا مشورہ قبول کرنے کے مقابلے میں زیادہ مضرت رساں ہوگا۔ ذمے دار نظامِ حکومت کے اسی بنیادی عنصر کے سبب ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ جہاں کہیں بھی یہ نظام نافذ کیا گیا اور عوامی وزارتوں نے ذمے داریاں سنبھال لیں تو پھر اس نظام نے یکساں اور ناقابلِ تغیر طور پر تمام اختیارات مجالسِ قانون ساز اور رائے دہندوں کی طرف منتقل کرا دیے ہیں۔ اس نظام کے نفاذ کا یہ نتیجہ اس لیے نکلتا ہے کہ جب تک کہ کوئی وزارت اپنی پالیسی کی نامقبولیت کے سبب رائے دہندوں کو اپنا مخالف نہیں بنا لیتی گورنر کے لیے اپنے اختیاراتِ خصوصی کا استعمال کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایسی صورت میں گورنر کا اپنے اختیارات کے استعمال پر اصرار ایک ایسا آئینی بحران پیدا کر دیتا ہے جو ایک دوسرے عام انتخاب پر ہی ختم ہوتا ہے اور اس صورت میں اختیاراتِ حکومت ایک برا یا حاکم استعمال کرتا اور رائے دہندوں کے ہاتھوں گورنر کی پالیسی کو شکست دلوا دیا کرتا ہے۔

کیا اس بنا پر میں یہ خیال ظاہر کر سکتا ہوں کہ خود آپ کی رائے کے

مطابق پیشگی یقین دہانیوں کے مطالبے کی پالیسی معقول نہیں ہے۔ آپ نہیں چاہتے کہ معاہدوں کے ذریعے پابند کئے جائیں اور نہ گورنر ایسا چاہتا ہے۔ کیوں کہ ایسے معاہدے ہمیشہ غلط فہمیوں میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ آپ عہدے قبول کرنے، اپنے قوانین وضع کرنے اور گورنر کو مداخلت کا چیلنج دینے کا قدیم روایتی طریقہ کیوں نہیں اختیار کرتے؟ اگر وہ مداخلت نہیں کرتا تو آپ حکومت کی تمام ذمے داریاں سنبھال چکے ہوں گے اور چند ہی ہفتوں یا مہینوں میں صوبوں میں پارلیمانی طرزِ حکومت پورے طور پر نفاذ پذیر ہو جائے گا اور ہر نئے مہینے کے ساتھ، جب تک کہ وزارت حماقتیں کرنی نہ شروع کر دے، گورنر کی مداخلت دشوار سے دشوار تر ہوتی جائے گی۔ اگر وہ مداخلت کرتا ہے تو آپ کو، اپنے خیال کے مطابق بازی لے جانے کا آج کے مقابلے میں زیادہ بہتر موقع ہاتھ آجائے گا۔

اپنے خط کے آخری پیراگراف میں آپ لکھتے ہیں کہ آپ کو ہندوستان کی اندرونی وحدت کے باقی رکھنے اور اس کے محکم تر بنا دینے کی اہمیت سے پورا اتفاق ہے مگر آپ کا خیال ہے کہ نئے دستور کا وفاقی حصّہ اس وحدت کے باقی رکھنے میں معاون ثابت نہ ہوگا۔ آپ کا یہ فرمانا میری سمجھ میں نہیں آتا۔ جس اصول پر امریکا، کناڈا اور آسٹریلیا کے دستور مبنی ہیں، ہندوستان کا نیا دستور بھی اپنے اساسی اور بنیادی پہلوؤں کے اعتبار سے بے کم و کاست ٹھیک اسی اصول پر مبنی ہے، یعنی اِس اصول پر کہ ہندوستان کی وحدت ایک ایسی وفاقی مجلسِ قانون ساز کی وساطت سے باقی رکھی جائے جو ہر شخص کی نمایندگی کرتی ہے، عوامی رائے دہندوں کی بھی، ریاستوں کی بھی اور اُن صوبوں کی بھی جو دستور کے اندر رہ کر اپنے قانونی اختیارات استعمال کرتے ہیں۔ ہر ایسے دستور کو جو پورے ہندوستان کے لئے ترتیب دیا جا سکتا ہے، انہی اصولوں پر مبنی ہونا چاہیے۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ کچھ دوسرے عناصر یا اجزا بھی ہیں جو وقتی و ہنگامی طور پر ضروری یا غیر ضروری ہو سکتے ہیں، مگر جو آپ کے زاویۂ نگاہ سے ـــــ اور سچ پوچھئے تو

ہر شخص کے زاویۂ نگاہ سے ـــــ بالآخر قابلِ اعتراض ہیں۔ ایسے عناصر میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ وفاقی مجلسِ قانون ساز میں جمہوریت اور استبداد پہلو بہ پہلو بیٹھتے ہیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ حقِ رائے دہی میں ریاستوں کی اہمیت نامناسب طور پر بڑھادی گئی ہے۔ آپ کے زاویۂ نظر سے ایک عنصر اور ہے جو حقِ ملکیت کے تحفظات پر مشتمل ہے۔ ذاتی و شخصی طور پر بھی میں اس کو ایک بہت بڑی غلطی سمجھتا ہوں کہ وفاقی مجلسِ قانون ساز کے ارکان کا انتخاب براہِ راست اور عوامی طور پر عمل میں نہیں آتا، اس لئے کہ جب تک کہ یہ وفاقی اسمبلی صوبوں کے مندوبین پر مشتمل رہتی ہے افتراق و انتشار پسندی کا جو رجحان صوبوں کی سرشت میں موجود ہے مرکز میں اُس کی نمایندگی حد سے زیادہ ہو جائے گی۔ اخیر میں فرقہ وارانہ تصفیہ بھی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اس وفاقی دستور کو تباہ کئے بغیر بھی دستور کے یہ جملے عناصر اصلاح پذیر ہیں۔ مجھے اس امر میں شبہہ ہے کہ مسلمانوں کو یا دوسری اقلیتوں میں سے بیشتر کو کسی نئی نمایندہ اسمبلی کی تشکیل پر آمادہ کر لینا آپ کے لئے ممکن ہوگا۔ مگر میں خود اُس قوّت و اقتدار سے جو ذمّے دار حکومت کا یہ نظام قوم کے نمایندوں کے ہاتھوں میں دیتا ہے اس درجہ مطمئن ہوں کہ مجھے اس امر کا یقین ہے کہ اس دستور کی دھجیاں اُڑا دینے کی سعی و کوشش کے مقابلے میں اُس کے ڈھانچے کے اندر رہ کر اور لڑکر اِن نقائص کا علاج اور ان کی اصلاح زیادہ دانش مندانہ طور پر اور زیادہ سرعت کے ساتھ ممکن ہوگی۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ اس دستور کے پُرزے اُڑا دینے کی کوششیں خود ہندوستان کی وحدت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے پر منتہی ہوں گی۔ میرا یہ ایمان ہے کہ ذمّے دار حکومت کا یہ نظام، اگر وہ ایک مضبوط اور تربیت یافتہ پارٹی کے ہاتھوں میں ہو، نہ صرف وہ تبدیلیاں دستور میں بروئے کار لا سکتا ہے جو خود ہندوستانی مجالسِ قانون ساز کے دائرۂ اقتدار میں ہیں، بلکہ جب ایک بار رائے عامّہ سکون پذیر نظر آنے لگے تب وہ خود پارلیمنٹ کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ

دستور کے بعض اُن اجزا کو بدل دے جن کا گول کانفرنسوں کے زمانے میں دستور میں رکھا جانا اِس غرض سے ضروری سمجھا گیا تھا کہ دستور کی گاڑی کسی نہ کسی طرح چل پڑے۔ آپ اس رائے سے اتفاق نہ کریں گے اس لئے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اُس قوت و اقتدار پر، جو ذمّے دار حکومت کا یہ نظام اُس حصولِ "آزادی" کے لیے، جو آپ کا اوّلین مقصد ہے، ایک تربیت یافتہ اکثریت کے ہاتھوں میں دیتا ہے، آپ بھی اُسی قدر اعتماد رکھتے ہیں جس قدر میں رکھتا ہوں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے جا کر سپرو سے باتیں کیں تو وہ آپ کو مطمئن کر دیں گے کہ یہ دستور آپ کے تصوّر و خیال سے کہیں زیادہ قوّت و اقتدار اکثریتوں کو دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دستور آپ کو قوّت و اقتدار کا آخری لیور یا بیرم دے دیتا ہے بشرطیکہ آپ اُس کا استعمال کرنا جانتے ہوں۔ سچ پوچھیے، تو یہی وجہ تھی کہ یہاں کے قدامت پسندوں نے اس دستور کی اتنی شدید مخالفت کی۔

آپ کا مخلص
لوتھین

پنڈت جواہر لعل نہرو،
الہ آباد

۱۷۴۔ از ایڈورڈ تھامپسن

۳ رمئی ۱۹۳۷ء

پیارے نہرو،

آپ کی علالت کی خبر سُن کر بڑا افسوس ہوا۔ امید ہے کہ آپ اچھے ہوں گے۔ آپ نے بڑا کرم فرمایا جو مجھے خط لکھنے کے لئے وقت نکال لیا۔

ہندوستان کے سیاسی معاملات کی بابت آپ کے مقابلے میں مجھے کچھ کہنے کا حق نہیں ہے۔ ہم جب کبھی باہم اختلاف کیا کرتے ہیں تو غالباً میں ہی غلطی پر ہوتا ہوں۔ اگر میں، بہر حال، کوئی دلچسپی لیتا ہوں تو وہ ایک بیرونی شخص یا ایک انگریز کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے ہوتا ہے جو یہ ایمان رکھتا

ہے کہ کانگریس ہندوستان کی ایک بے نظیر، جدید ترین اور اہم ترین تحریک ہے جو اُنہی چیزوں کے لئے جدوجہد کر رہی ہے جن کو میں خود اپنے ملک کے لئے بھی چاہتا ہوں۔ اور اس لحاظ سے آپ کی جنگ میری جنگ ہے۔

میرا خیال ہے کہ نیوز کرانیکل میں سیاسیات پر ایک ہی مقالہ تھا، اور وہ بھی اگر بالکل ابتدا ہی میں بمبئی میں نہ لکھا گیا ہوتا تو اُس کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔ دوسرا مقالہ صرف چند عام باتوں پر مشتمل تھا، جس کو ایک سب ایڈیٹر نے سادہ تر بنا دیا تھا (اور اس کوشش میں بعض اوقات وہ غلط بیانیوں پر اُتر آئے تھے، مثلاً جب پوری تین سطریں میرے مقالے سے حذف کر کے مجھ سے اُنھوں نے یہ کہلوا دیا کہ "کانگریس کی بنیاد چند برطانوی افسروں نے رکھی تھی !!!)

بہرحال، ایک بات ایسی ہے جس پر، محض میرے ساتھ انصاف کرنے کی غرض سے، آپ کو اپنے قلب کو مطمئن کر لینا چاہیے۔ جب آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی اُس وقت میں ایک نہایت ہی علیل، خستہ، غم زدہ اور اوہام کی دنیا سے بدر کیا ہوا شخص تھا۔ اسی لئے میں نے آپ سے نجی گفتگو کی ! اس گفتگو کا ذکر میں نے نہ کہیں عام مجلسوں میں کیا اور نہ اخباروں میں، یہ گفتگو میں نے کچھ اِس طریقے پر کی کہ اُس سے آپ کو بجا طور پر یہ خیال ہوا کہ میں رزمی، راما نند چٹرجی اور اسی قسم کے اور لوگوں کو زیادہ اہمیت دے رہا ہوں۔ جب میں اپنے ہوش میں ہوتا ہوں تب میں اِن لوگوں کی نہ کوئی عزت کرتا ہوں اور نہ پورے سال میں پانچ منٹ کے لئے بھی ان کا خیال دل میں لاتا ہوں۔ مجھ کو اعتراف ہے کہ ایّامِ گزشتہ میں بعض اوقات ان لوگوں نے مجھے ستایا اور دق کیا ہے اور ایسا وہ اس لئے کر سکے کہ آپ کی نقل و حرکت غرض پرستوں اور شہرت طلبوں سے گھری رہتی ہے، اِن حضرات کو آپ سے یہ قرب و تعلق حاصل نہ ہو تو کوئی ان کو کوڑی کو بھی نہ پوچھے، ——— انہی حضرات کی شان میں شیلے نے "نام اَور گمنام" کا فقرہ چست کیا تھا ——— اور ان کے ساتھ کچھ سرتاسر گدھے بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سمجھ دار

اور نیک نیّت لوگ بھانپ جاتے ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس قضیئے کی یہ لوگ غلط ترجمانی کیا کرتے ہیں اُس کی وقعت اِن سمجھ داروں کی نظر میں کم ہو جاتی ہے۔ یہی حضرات بڑی حد تک اِس بات کے ذمّے دار ہیں کہ بہت سے ملکوں میں لوگ ہندوستان پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بہ ہر حال، مجھے اس سے اتفاق ہے کہ یہ لوگ اس لائق نہیں ہیں کہ کوئی ان سے آزردہ خاطر ہو کر ان کی قیمت بڑھائے۔

اب ہم اُن معاملات پر گفتگو شروع کر سکتے ہیں جن کے بارے میں ہم بالکل یک رائے ہیں۔ میری پچھلی سیاحتِ ہند نے جو خاص تبدیلی مجھ میں پیدا کر دی ہے وہ یہ ہے کہ اب میں شدّت کے ساتھ رجواڑوں کا مخالف ہوں۔ میری یہ مخالفت اُس تاریخی کتاب میں ظاہر ہوگی جو آج کل میں لکھ رہا ہوں۔ اس کا اظہار اُس کتاب میں بھی ہوگا جو اس موسمِ خزاں میں میں شائع کر رہا ہوں۔ یہ رجواڑے میری نظر میں ایک بلا ہیں اور ان میں سے اکثر اوّل درجے کے فریبی ہیں۔ اور جو گھناؤنی باتیں ان کی چاپلوسی اور خوشامد کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں اُن کو سُن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان لوگوں سے آسانی کے ساتھ چھٹکارا نہ پایا جا سکے گا۔

زیٹلنڈ کی زیٹ کی نسبت بھی مجھے پورا اتفاق ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ وہ بالکل غیر معمولی طور پر پارٹی نواز واقع ہوئے ہیں۔ معمولی آدمی جو کچھ سوچتے یا جو مصیبتیں جھیلتے ہیں وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ نہ ہندوستان کے لئے کسی گوں کے ہیں اور نہ اپنے ملک کے لئے۔ وہ ایک خالص اور بے آمیز ٹوری یا قدامت پسند ہیں۔

ہاں، شاید میں مادّی قوّت کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں اب اکیاون سال کا ہو گیا ہوں۔ میرا تعلق اُس پُر مسرّت (یعنی جو کبھی پُر مسرّت تھی!) اور بہ خود مطمئن حرّیت پسند تحریک سے ہے جو قبل از جنگ ہمارے مزدور طبقوں کے لئے کچھ کر پائی تھی (کم از کم، عملاً جو کچھ بھی اب تک اِن طبقوں کے لئے کیا گیا تھا)، جس کا یہ ایمان تھا کہ پُر امن طریقِ عمل

سے ہم ہر قسم کی بے انصافیاں، وہ جہاں کہیں بھی ہوں، دُور کر سکتے ہیں ہم میں سے اکثر اپنی قبروں میں ہیں اور جو رہ گئے ہیں اُن کی آنکھیں کُھل چکی ہیں اور اُن کے دل قبل از وقت ٹوٹ چکے ہیں۔ ہم نے ۱۹۱۳ء میں کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ ہمیں ایسا زمانہ بھی دیکھنا پڑے گا جب جرمن جاسوسوں کو ٹاور میں گولیوں سے اُڑا دیا گیا اور ایک شخص کو ایڈورڈ سوم کے وضع کردہ ایک قانون کے ماتحت بغاوتِ عظمیٰ کے جُرم میں پھانسی دے دی گئی۔ میں خود ایک ایسے شخص سے اُس شب میں ملا ہوں جس کی صبح کو نامردی اور بزدلی کے جرم میں وہ گولی سے ہلاک کیا جانے والا تھا۔ اور اب تو یکے بعد دیگرے ہر سرزمین میں مردوں اور عورتوں کو ایک بہت ہلکے رنگ کی حریت پسندانہ سیاسی رائے رکھنے پر بھی پھانسیاں دی جا رہی ہیں۔ چند دن ہوئے کہ ایک شب لاسلکی خبریں اس یک رنگی و یک سانی کے ساتھ الم انگیز تھیں کہ اخیر میں مضحکہ انگیز بن گئیں۔ پہلے ہم نے سُنا کہ مراکش میں تیس آدمیوں کو گولیوں سے اُڑا دیا گیا پھر خبر آئی کہ اسپین میں بھی ایک ٹولی کو گولی ماردی گئی، پھر حبش میں بھی ایسا ہی ہوا، پھر چین میں، اور آخری خبر تھی کہ روس میں ایک اسٹیشن ماسٹر کو اس جُرم میں گولی ماردی گئی کہ اُس نے اپنے احکامات کچھ اس طرح خلط ملط کر دئے تھے کہ ایک ریلوے حادثہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم اب کسی قسم کے جبر و استبداد یا مارشل لا کے ماتحت کسی تحقیقات کو کسی حال میں بھی ناممکن قرار نہیں دے سکتے۔ بہر حال، آیرستان ابھی پانی سے باہر آیا ہے اور کچھ ہی دن گزرے ہیں کہ آزاد ریاستی حکومت نے چند ہفتوں کے اندر اسّی ۸۰ سے زائد آدمیوں کو پھانسی دی۔

ثانیاً، ہم لوگ اسپین کے بارے میں بہت مغز کھپا رہے ہیں اور میرے گہرے دوست اور رفیق کار جیفرے گیربٹ اور کچھ اور دوست وہاں جا کر اکتا زمانے تک رہے ہیں۔ جس طرح کانگریس میرے مقابلے میں آپ سے بہت زیادہ قریب ہے، اُسی طرح اسپین آپ کے مقابلے میں مجھ سے بہت زیادہ قریب ہے۔ مجھے اپنی سیاحتِ ہند کے دَوران میں

معلوم ہوا کہ کچھ لوگ جن میں ہندوستانی بھی ہیں اور برطانوی بھی سخت بے رحمی و بے دردی کے ساتھ تیار ہیں ــــــ اگر حالات ایسے پیدا ہو جائیں اور غصے کو اتنا بھڑکا سکیں کہ انگلستان میں لوگ ان کی مدد پر آمادہ ہو جائیں ــــــ کہ اس "بغاوت" کو تشدد اور قوت سے کام لے کر دبا دیں۔ میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ زیادہ ضروری قانون پاس کرانے اور ضرورت کے وقت قوت و اقتدار کے ساتھ موجود رہنے کی خاطر اگر کانگریس عہدے قبول کرلے تو یہ ایک نہایت عمدہ بات ہوگی۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر کانگریس عہدے قبول نہیں کرتی تو پھر آپ کو عجیب و غریب قسم کی بے ہودہ، دور از کار اور ادنیٰ درجے کی وزارتوں سے مسلسل سابقہ پڑتا رہے گا اور فرقہ پرست اور خود غرض اپنی اپنی ٹولیوں اور اپنے اپنے مذاہب کے قدم جماتے رہیں گے اور اُن کے قبضہ و تصرف کو استحکام دیتے رہیں گے جیسا کہ ان لوگوں نے پچھلے بیس سالوں میں کیا ہے۔

خیر، ان باتوں میں سے کوئی بات زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ آپ اتنا ذہن میں ضرور رکھیں کہ آپ کا خط کوئی سعیٔ رائگاں نہیں تھا۔ میں نے آپ کے خط کو بہت غور سے پڑھا ہے اور اُس کے اکثر حصے کو نہایت ہی معقول اور اطمینان بخش پایا ہے۔ اگر آپ مسلمانوں کی فرقہ پرستی سے چھٹکارا پا جائیں تو بہت بڑا کام ہو جائے۔ آپ کا خط پڑھ کر میں نے محسوس کیا کہ آپ فتحیاب ہو رہے ہیں، فرقہ پرستی کے خلاف بھی آپ فتحیاب ہو رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اگر آپ کی دھمکی بہت سخت و سنگین ہوگی تو یہ لوگ قوت و تشدد کے استعمال پر اُتر آئیں گے۔ آپ مسلمان نوابوں کے خلاف بھی گرم پیکار ہیں اور مولویوں کے خلاف بھی۔ بہ ہر صورت میں آپ کی فتحیابی کا آرزومند ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ نے یہ رائے کیوں کر قائم کرلی کہ میں کانگریس کو ہندوستان کی اہم ترین تحریک نہیں سمجھتا۔ اگر میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں تو ضرور کروں گا۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ کیوں کروں گا مگر موقعے نکل ہی آئیں گے۔ اور جب کوئی موقع ایسا نکل آئے تو آپ مجھ پر

بھروسا کر سکتے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایڈورڈ تھامپسن

"تاریخ عالم کی جھلکیوں" کی نسبت ـــــ میرا خیال ہے کہ آپ جو حیثیت اور مقام رکھتے ہیں اُس کے پیشِ نظر آپ کے لیئے اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ اپنے متعلق یہ اثر عام ہو جانے دیں کہ انگریزوں پر ہمیشہ نکتہ چینی یا حرف گیری کرتے رہنا آپ کی عادت سی ہو گئی ہے۔ اگر آپ کی جگہ میں ہوتا تو ایسی تمام عبارتوں پر بہت غور سے نظرِثانی کرتا جو انگریزوں سے متعلق ہیں۔ آپ کی اِس تالیف میں یہ بڑی عجیب سی بات نظر آئی کہ اس کے اُن ٹکڑوں کو پڑھ کر جن میں آپ نے ہندوستان کی کسی گہری شکایت کا ذِکر کیا ہے، کتاب مجھے شریفانہ اور حیرت انگیز طور پر فیاضانہ نظر آئی مگر اس کے جن حصّوں میں ہندوستان کا کوئی سوال زیرِ بحث نہیں آیا اور جہاں اکثر مورخین کی رائے میں انگلستان کا موقف بالکل معقول تھا، اُن حصّوں میں کتاب کی یہ شان باقی نہیں رہی۔

مجھے یقین ہے کہ کتاب کا بدترین حصّہ وہ ہے جو نپولین کے ذکر پر مشتمل ہے۔

مجھے اعتراف ہے کہ آپ کی نپولین پرستی میں سرے سے سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ صفحے مجھے بالکل لیپ پوت نظر آئے۔ ان صفحوں میں ڈیوک آنغیان یا نورمبرگ کے کتب فروش پام کی دہشت انگیز پھانسیوں کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اور انگریزوں پر کمینے پن کا الزام رکھنے میں یقیناً شعورِ تناسب کی ایک کمی نظر آتی ہے۔ اس لیئے کہ نپولین کے بعد جس کے ساتھ ۱۸۱۴ء میں بے نظیر حسنِ سلوک سے کام لیا گیا تھا، یہ اُس کے اپنے بوربن ہی تھے جنھوں نے بغاوت برپا کر کے یورپ کو ایک بار پھر خون میں نہلا دیا، یہ حسنِ سلوک اس کے ساتھ روا نہ رکھا گیا ہوتا تو پروشیا کے لوگوں نے بس ایک ڈاکو کی طرح اُس کو گولی ماردی ہوتی۔ میں یقیناً اس بات کو جانتا ہوں کہ نپولین کے کچل دیئے جانے کے بعد ایک طویل مدّت، ردِّعمل کی بھی ہر جگہ ہی رہی، یہ بھی

جانتا ہوں کہ نپولین کے فاتح دہشت انگیز طور پر بُرے لوگ تھے۔ مگر دوسری طرف اس بات کو دیکھئے کہ نپولین ان لوگوں کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا نیز اس بات کو دیکھئے کہ یہ سب کے سب بادشاہوں کے حق فرماں فرمائی کو خدا کا عطا کیا ہوا ایک حق تسلیم کرنے پر زور دینے والے تھے، اِن لوگوں نے نپولین کو بہت ہی ہلکی سی سزا دے کر چھوڑ دیا۔ اور مجھے یہ بات حیرت انگیز نظر آتی ہے کہ آپ نے نپولین پرستی اور شہیدِ سینٹ ہلینا کے ان تمام واہی تباہی قصوں کو اتنی اہمیت دی ہے۔ میری کتابوں کی الماری میں ایک پُرانی سی کتاب "سینٹ ہلینا کا حقیقی شہید" نامی پڑی ہوئی ہے۔ کیا آپ کو ہڈسن لو کے حال پر افسوس نہ ہوگا ـــــ اُس جھگڑالو اور سازش پیشہ گروہ کے ساتھ جو وہاں تھا، واپس آنے کی کوئی امید ہو یا نہ ہو، نپولین پڑا ہوا واپس آنے کے لئے سخت محنت کئے جا رہا ہے؟ یہ صفحے تو سچ مچ یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ آپ کامیاب تشدد کے پرستار ہیں۔ ان صفحوں کو جوں کا توں چھوڑ دینے کی آپ کوئی گنجائش نہیں رکھتے۔ یہ صفحے کتاب کی قیمت کو بری طرح گھٹا رہے ہیں۔ آپ خود اپنے جی سے پوچھئے کہ واٹرلو کے بعد یا۔ اگر آپ پسند کریں تو ۱۸۱۴ء میں ـــــ اتحادیوں کو اور کیا کرنا چاہئے تھا یا وہ اور کیا کر سکتے تھے اور اس کے بعد پھر کیا ہوتا۔

بعد ازیں میں سمجھتا ہوں کہ جنگِ عظیم سے متعلق بھی آپ نے میری قوم کے ساتھ کوئی فیاضانہ سلوک نہیں کیا ہے۔ آپ کی کتاب میں ایسے فقرے اور جملے ملتے ہیں جن سے یہ ٹپکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ لے دے کر بس اتنا تھا کہ بحری ناکہ بندی جاری رکھی اور روپیہ دیتے رہے۔ یہاں آپ مجھے وہی غلطی کرتے نظر آ رہے ہیں جو بعض اوقات خود میں نے بھی کی ہے ـــــ یعنی یہ کہ اُن معاملات کی نسبت جو اُن لوگوں کے لئے، جن کا اُن سے گہرا تعلق ہے اپنے اندر عمیق واقعیت و حقیقت رکھتے ہیں اک بے غرضانہ انجمنِ مظاہرہ و مباحثہ کی اسپرٹ میں لکھتے نظر آنا، بحالیکہ یہ معاملات اپنی بنیاد و اساس میں بڑا گہرا جذبہ رکھتے تھے۔ از راہِ کرم ایسی نفسیاتی غلطی نہ کیا کیجے اس لئے کہ

لوگوں کو ایسی غلطیوں کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ آپ کا خیال تھا کہ میں نے جب جنرل ڈائر کی اُس کیفیتِ نفسی کی توجیہہ کی کوشش کی جو جلیان والا باغ کے حادثے کے وقت اُس کی تھی تب میں نے اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی اسی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں جب آپ اُس جنگ پر قلم اٹھاتے ہیں جس میں میری قوم نے دس لاکھ سے زیادہ اپنے شریف ترین نوجوان کھوئے اور ہم میں سے کوئی نہیں بچا جس نے اپنا کوئی بھائی، کوئی بیٹا یا اپنے کچھ دوست نہ کھوئے ہوں۔

اسی قسم کا ایک اور سوال لیجیے۔ میرا خیال ہے کہ آپ حملۂ بلجیم کا اثر اور نتیجہ بالکل غلط طور پر بیان کرتے ہیں۔ صرف یہ واقعہ کہ ہم کی فوجیں چوبیس گھنٹے پہلے حرکت میں آچکی تھیں اُن باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ثابت نہیں کرتا جو آپ اس واقعے سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس بات کو یقینی طور پر جانتا ہوں کہ ہمارے لیے، فرانس کا ساتھ دینا ضروری اور لازمی تھا ورنہ آگے چل کر ہم خود کچل دیے گئے ہوتے۔ مگر ایک ایسے انگریز کی حیثیت سے جس نے اس زمانے کو دیکھا ہے میں اس بات کو بھی جانتا ہوں کہ بلجیم کے حملے نے —— جو بہرحال ایک ایسے زمانے میں وقوع پذیر ہوا جب کہ قوموں کے اندر کچھ زمانے سے اپنے معاہدوں پر قائم رہنے اور ان کی پابندی کرنے کا فی الجملہ رجحان پایا جاتا تھا —— میری قوم کو (جو جنگ چھڑ جانے سے چند ہی دنوں پہلے تک کوئی بعید سا بعید گمان بھی اس بات کا نہیں رکھتی تھی کہ یہ جنگ اُن پر بھی اثر انداز ہوگی) یک بہ یک آن لیا۔ اور یہی ایک ایسی حقیقت تھی جو شاہِ بلجیم کی پبلک اپیل سے اُن پر روزِ روشن کی طرح واضح ہوگئی اور وہ لوگ ایک متحدہ قوم کی طرح اپنی حکومت کی پشت پر اُس کی تائید اور مدد کے لئے صف آراء اور کمربستہ ہوگئے۔ کیا آپ بھی دوسری قوموں کا تذکرہ کرتے وقت اُسی غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے جس کا بہ قول آپ کے کانگریس کا تذکرہ کرتے وقت میں مرتکب ہوا کرتا ہوں؟ —— یعنی اُن لوگوں کے بھول جانے کی غلطی جو حکومتوں، حکام یا رہنماؤں کے پیچھے ہوتے ہیں؟

بہ ہر صورت، وہ شخص جو آپ جیسی ہیبت ناک مصیبتیں جھیلنے کے بعد آپ کی سوانح خودنوشت جیسی بے نظیر طور پر عالی شان کتاب لکھ سکتا ہے اُس کے لئے اس بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ وہ کسی اجنبی کے سامنے اپنے قلم سے کوئی ایسی چیز آنے دے جو مذکورۂ بالا کتاب کی اسپرٹ کے برعکس ہو، خواہ وہ اجنبی کوئی برطانوی ہو یا کوئی امریکی۔

میرا خیال ہے کہ اسی قسم کی تنگ دلی اور تنگ نظری کی مثالیں اور بھی بہت سے متفرق حوالوں میں ملتی ہیں۔ مگر میں آپ کو تفصیلی تنقید سے زحمت نہ دوں گا۔ (جو حقیقت میں میں نے خود بھی نہیں کی ہے)، آپ کی کتاب چونکہ ایک نہایت ہی حیرت انگیز کارنامہ ہے میں اتنا ہی عرض کرنے پر اکتفا کروں گا (یہ بات مجھے کچھ اور پہلے کہنی چاہیئے تھی) اور ایک فہرست چند ایسے غیر اہم نکات کی قلم بند کر دوں گا جن پر میری نظر اُس وقت پڑی جب میں کل شام کو پھر اس کتاب کا ایک سرسری مطالعہ کر رہا تھا۔

صفحہ ۶۵۹۔ مٹکاف ۱۸۳۰ء میں سُپریم کونسل کا ایک رُکن تھا۔ وہ ۱۸۳۴ء تک گورنر جنرل نہیں ہوا تھا اور ۱۸۳۵ء تک آگرے کا گورنر بھی نہیں ہوا تھا۔

صفحہ ۶۷۳۔ نیچے سے چوتھی سطر۔ لفظ "پروگرس" غلط طور پر لفظ "پروفس" کی جگہ چھپ گیا ہے۔

صفحہ ۶۷۴۔ واقعہ یہ ہے کہ رام موہن رائے نے اگر چہ بعد کو اس کی تائید کی مگر پہلے رسم ستی کے انسداد کو وہ بھی عاجلانہ اور غیر دانش مندانہ سمجھتے تھے۔ بجز دوسری ریاستوں سے گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے ـــــ مثلاً ڈنمارک والوں نے سیرام پور میں، (میرا خیال ہے)، پرتگال والوں نے گوآ میں اور مرہٹوں نے تنجور میں ـــــ میرے علم میں کسی حکمراں نے ستی کا انسداد اس سے پیشتر نہیں کیا تھا۔ جہاں تک اخیر کے انسداد ستی کا تعلق ہے، وہ غیر مؤثر رہا؛ انیسویں صدی میں بھی ایک زمانے تک

تنجور میں بیوائیں زندہ جلائی جاتی رہیں۔ مگر یہ بات آپ کو یاد رکھنی پڑے گی کہ مقامی عوامل اکثر اس رسم کے انسداد کو آسان بنا دیا کرتے ہیں۔ مالا بار میں عملاً چونکہ مائیں خاندان کی سردار سمجھی جاتی ہیں، اس دستور نے ستی کی رسم اس ساحل پر موقوف کرا دی اور پھر یہ احساس آہستہ آہستہ جنوبی ہند میں پھیل گیا۔ مغل شہنشاہوں کی طرح مٹکاف نے دہلی میں اس رسم کی ممانعت کر دی۔ یقیناً بعض دفعہ اکبر اور شاہجہاں کے زمانوں میں بھی ایسا ہوا کہ لوگ اس حکمِ ممانعت کو ٹال گئے۔ مجھ کو ایک واقعہ ایسا بھی ملا جس میں ۱۶۶۵ء کے لگ بھگ مدراس کے ایک برطانوی گورنر نے اس شہر میں ایک ستی روک دی تھی۔

میرے حوالے میرے پاس اس وقت موجود نہیں ہیں ——— میری یادداشتیں کہیں ادھر اُدھر پڑی ہوئی ہیں ——— مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مرہٹوں نے ستی کی ممانعت کر دی تھی۔ پونا میں رہنے والے برطانوی ایجنٹ مالٹ نے اپنے مکان سے جو سنگم پر واقع تھا اور بعد کو الفنسٹون کے قبضہ و تصرف میں آگیا تھا اتنی بار ستی دیکھی تھی کہ وہ تنگ آگیا تھا۔ جو بات سچی ہے وہ یہ ہے کہ مرہٹے بہت سے معنوں میں ہندوستان کی نرم دلی اور کریم النفسی کی بہترین روایتی خوبیوں کے ترجمان ہیں۔ اُن کے ملک میں ستی کے واقعے نسبتاً کم ہوئے۔ مگر ستی کے بہت سے واقعات اُس ہون کنڈ کی صورت میں پیش آئے جس میں غلاموں، کنیزوں اور جانوروں کی بہت بڑی تعداد شیواجی کے ساتھ جلائی گئی۔ مجھے مرہٹوں سے بڑی عقیدت اور محبت ہے جن کی انسانیت اور شرافت اُس عہد کے میری قوم کے لوگوں کی انسانیت اور شرافت کو شرمندہ کرتی تھی، مگر تنجور کے سوا انھوں نے کہیں اور ستی کا انسداد نہیں کیا اور تنجور میں بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ نہیں، ستی کا کلی انسداد ایک بہادر شخص کا، یعنی لارڈ ولیم بنٹنک کا کارنامہ تھا۔ تو اس امر کا اعتراف کیوں نہ کیجیے اور جب اُس کا ذکر آئے تو ایک بہادر شخص کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا لطف کیوں نہ اُٹھائیے؟ مثال کے طور پر اجین میں ستی کے بہت سے قصّے ہیں اور خود

اہلیا بائی کی بہو نے ماہیسور میں اپنے آپ کو جلایا۔

صفحہ ۶۸۴۔ ہاں جیسا کہ اب آپ محسوس کرتے ہیں، مہارشی، رابندرناتھ کے والد تھے۔

صفحہ ۶۹۹ اور آگے۔ میں نے پیکن کی لوٹ کے بے شمار بلاواسطہ قصے سُنے ہیں اور چین کے ساتھ جو برتاؤ کیا گیا اُس کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا ہے اُس کے اکثر حصے سے مجھے اتفاق ہے۔ مگر بہ صفائی کے ساتھ آپ کا یہ نظریہ تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ بدمعاشی اور پاجی پن ہمیشہ عیسائی مبلغوں کا ہی رہا ہے۔ جو مبلغین مارے گئے اُن میں سے اکثر کا تعلق چین کے اندرونی مشن سے تھا جو ایک غیر فرقہ دارانہ مشن تھا جس کے ارکان نہایت ہی غریب اور منکسر المزاج لوگ تھے جن کا کہیں کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ اتنے غریب تھے کہ اپنی تنخواہوں کے لئے بھی خدا ہی پر توکل کرتے تھے۔ نیز، جب کہ اتفاق سے یہ بات درست ہے کہ مبلغین کے قتل کئے جانے کو جرمنی نے کیاؤ چاؤ پر قبضہ کر لینے کے لئے بہانہ بنایا، اُس خاص موقعے پر برطانوی مبلغین کی انجمنوں نے (ایامِ گزشتہ کو یاد کر کے، مجھے اس کا اقرار ہے ——— تاہم، اُن کے اغراض و محرکات پاک و صاف نہ بھی رہے ہوں، تب بھی اُن کے یہ اغراض و محرکات ان کے معقول اقدام کو قابلِ تحسین ٹھہراتے ہیں) اس بات کا پورا پورا لحاظ رکھا کہ اُن کی اپنی حکومتیں مبلغین کے قتل سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اپنے مبلغین کو اپنی حدِ نظر یا فوکس سے یکسر باہر رکھتے ہیں مگر جیسے ہی چین کا ذکر ختم ہوتا ہے یہ مبلغین یک بہ یک اس طرح سامنے آ جاتے ہیں جیسے سارے معاملے کی جان یہی لوگ تھے۔ بحالیکہ بدیہی طور پر واقعہ یہ نہیں تھا۔ اس واقعے کی آپ کے پاس کیا شہادت ہے کہ پیکن میں غارت گری کی رہنمائی انہی مبلغین نے کی تھی؟ (صفحہ ۷۲۲)، میں اس شہادت کو جاننا چاہوں گا۔ مجھے اس پر شبہہ ہے۔

صفحہ ۷۸۰ اور مابعد۔ ایران۔ اگر برطانیہ کو واقعی اس سے کوئی

دل چسپی ہوتی تو وہ جنگ کے خاتمے پر آسانی کے ساتھ ایران کا الحاق کر لیتا یا اُس کو اپنی حمایت میں لے لیتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ کمال کے یونانیوں کو شکست دے دینے کا (جس کو آپ سادہ تر لفظوں میں "برطانوی" منصوبوں کی شکست سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ آپ غالباً اس بات کو جانتے ہیں کہ اس معاملے میں جو کچھ ہوا وہ صرف لائڈ جارج کا کیا دھرا تھا جو تنہا اپنی رائے پر عمل پیرا تھے) اس سے کیا تعلق تھا۔ واقعات یہ تھے کہ ہماری گورنمنٹ بھی اس بات کو محسوس کرتی تھی کہ جب سے شہنشاہیت کے داؤ پیچ اصل میں شروع ہوئے ہیں وہ کافی ٹکڑے دوسروں کے ہضم کر چکی ہے، اس لئے ایرانی معاملات کو اُن کے حال پر چھوڑ دیا گیا، وہ جس کروٹ چاہیں بیٹھیں۔ یہاں تک کہ ہمارا پرانا حلیف شیخ محمرہ بھی چھوڑ دیا گیا کہ اپنی آزادی گنوا دے، طہران کھینچ بلایا جائے اور اس کی قلمرو ریاست کو ایران میں ضم کر لیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ، آپ کو، اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ جنگ کے خاتمے پر ہر چیز کس قدر پراگندہ اور گڈمڈ تھی۔ یقیناً ہمیں بالشویکوں کی اہمیت کا کوئی تصور یا اندازہ نہیں تھا۔ جب دنیا نے پہلے پہل بالشویکوں کی اہمیت محسوس کی اس وقت میں دجلہ کے مشرقی ساحل پر تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے جنرلوں کا تنہا احساس (نومبر ۱۹۱۷ء) کہیں حیرت و استعجاب تھا اور کہیں محض تفریح اور دل لگی۔ کیا آپ کا یہ خیال نہیں ہے کہ یہاں آپ نے اُس اہمیت کا ذکر دہرا دیا ہے جو بعد کو وجود میں آئی؟

صفحہ ۸۸۲۔ ہاں برطانویوں نے واشنگٹن کو جلا دیا، اور یہ اُن لوگوں نے بہت غلط کیا۔ مگر یہ ایک دانستہ انتقام تھا کناڈا کی عمارتوں اور قدیم سرکاری دستاویزوں کے بے پروائی کے ساتھ جلا دینے کا جس کا ارتکاب پہلے امریکیوں نے کیا تھا۔

صفحہ ۹۶۹۔ میں اس کی طرف اشارہ کر چکا ہوں۔ میں اس کو باور نہیں کرتا کہ "انگلستان بہت پہلے فیصلہ کر چکا تھا اور بلجیم کا سوال بہ طور ایک آسان بہانے کے ہاتھ آ گیا"! میں خوب سمجھتا ہوں کہ آپ کا منشا کیا ہے۔

مگر جو شخص بھی اس معاملے کا ذکر اس غیر فیّاضانہ طریقے پر کرے گا وہ خود اپنے لئے ایک خطرے کو دعوت دے گا اور اس کی قیمت اس کو یوں ادا کرنی پڑے گی کہ لوگ اس کی تالیف کی طرف سے بدظن ہو جائیں گے جب وہ ایک نہایت ہی معقول تالیف ہے۔ نہرو، آپ معاملات کو اس طریقے پر بیان کرنے کی گنجائش نہیں رکھتے۔ آپ راما نند چیٹرجی یا سیلندر ناتھ گھوش نہیں ہیں۔ آپ جواہر لعل نہرو ہیں، اور اگر کوئی انگریز آپ کو یہ واقعہ یاد دلائے تو آپ کو اُسے ضرور معاف کر دینا چاہیئے۔

صفحہ ۴۶۵۔ جادوگرنیاں پورے برِّ اعظم یورپ اور اسکاٹ لینڈ میں زندہ جلادی جایا کرتی تھیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ انگلستان میں کوئی ایک مثال کسی جادوگرنی کے زندہ جلائے جانے کی نہیں ملتی۔ یہ غرق کر دی جاتی تھیں یا اُن کو پھانسی دے دی جاتی تھی۔ یہ ایک بے قیمت معمولی سا نقطہ ہے۔ مگر مجھے اُس گدھے سیلندر ناتھ گھوش، صدر انڈین نیشنل کانگریس، امریکا کا بوسٹن میں اپنی تقریر کے دوران میں یہ کہنا یاد ہے: "آپ لوگ ۱۸۱۸ء تک جادوگرنیوں کو بوسٹن کے کھلے ہوئے میدانوں میں زندہ جلادیا کرتے تھے۔" اُس کا یہ کہنا تھا کہ تمام حاضرین جلسہ نے بہ یک آواز ایک مرد (اور عورت، خصوصاً عورت) کی طرح کھڑے ہو کر اور چیخ کر کہا "نہیں!!!" اس لئے کہ ــــــ تین نقطے ہیں جن پر بوسٹن حسّاس واقع ہوا ہے ــــــ یہ ۱۸۱۸ء نہیں، بلکہ ۱۶۹۰ء تھا، یہ بوسٹن کا نہیں بلکہ سالم کا ذکر ہے، اور جادوگرنیاں جلائی نہیں جاتی تھیں بلکہ اُن کو پھانسی دے دی جاتی تھی! اس کے بعد سامعین میں سے ہر شخص نے گھوش کے ہر ہر لفظ پر اُس کا منہہ چڑھایا اور اس پر فقرے کسے۔

ضمناً اتنا اور عرض کر دوں، داستانِ بنی نوعِ انسان بڑی دردناک ہے، پھر بھی تین خوبیاں انگریزوں میں ایسی رہی ہیں جو آپ کو کبھی نہ کبھی تسلیم کرنی ہی پڑیں گی۔ ہم انگریزوں نے جادوگرنیوں کو پھانسی دینا تمام دوسری قوموں سے بہت پہلے ترک کر دیا تھا، مجرموں سے اقرارِ جرم کرانے کی

غرض سے عدالتی طور پر اُن کو ایذائیں پہنچائی ہم انگریزوں نے اوروں سے پہلے ترک کی، اور ہم نے واقعی ایک اچھا کام کیا جب ہم نے غلاموں کو آزاد کرانے کی غرض سے اُن کے آقاؤں کو معاوضہ دینا شروع کیا۔ ازراہِ کرم جب کبھی کبھار ہم سے کوئی نیکی ہو جائے اور ہم مستحقِ تحسین ہوں تو ہماری قدر افزائی کیجے۔ یہ طرزِ عمل آپ کی تنقیدوں کو بے حد وزنی اور طاقت ور بنا دے گا۔

صفحہ ۴۸۱۔ اور دوسرے مقامات پر۔ اشوک ایک بھدّا سا بگاڑ ہے اسوک کا۔

صفحہ ۵۰۷۔ بلیک ہول یا کال کوٹھری پر صحیح تبصرہ یہ نہیں ہے کہ وہ ایجاد کی گئی تھی (میں باور نہیں کرتا کہ وہ ایجاد کی گئی تھی) بلکہ وہ ایک حماقت تھی، کوئی سوچی سمجھی ہوئی شیطنت نہیں تھی ـــــ بلکہ وہ ٹھیک ٹھیک اسی قسم کی ایک حماقت تھی جیسی کہ ۱۹۱۸ء میں موپلا قیدیوں کا دم گھوٹ کر مار ڈالنا تھا (جو کال کوٹھری والے حادثے کے مقابلے میں بہت کم قابلِ معافی تھا)

صفحہ ۵۱۰۔ جب آپ یہ لکھتے ہیں کہ مرہٹوں نے انگریزوں کو "ساؤتھ" یا جنوب میں شکست دی تب آپ غالباً لفظ "دکن" کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں ساؤتھ سے مراد وہ حصّہ لیا جاتا ہے جو میسور کے قریب کہیں ہے، اس سے وارگاؤں کا حصّہ مراد نہیں لیا جاتا۔

صفحہ ۵۵۹ اور مابعد۔ یہ باور کرنا مشکل ہے کہ آپ تیرہ نوآبادیوں کے ساتھ جھگڑے کو اتنا سہل اور سادہ سمجھتے ہیں جیسے اور جھگڑے، یا یہ کہ انگلستان اِن لوگوں کے کمینے پن کے خلاف یا اِن لوگوں کے اُن لڑائیوں کے مصارف ادا کرنے سے انکار کر جانے کے خلاف جن کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچا تھا کوئی معقول وجہِ شکایت نہیں رکھتا تھا۔ میں اِس پورے ٹکڑے کو کتاب کی عام سطح سے پست تر سمجھتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اچھا امریکی مورخ اس کو روا رکھے گا۔ اگر حملۂ بلجیم صرف ایک عذرِ لنگ تھا اُس لڑائی میں کود پڑنے

کے لئے جس میں شریک ہو جانے کا فیصلۂ قطعی انگلستان بہت پہلے کر چکا تھا
تو "نمایندگی کے بغیر ٹیکس لگا دینے" کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ مگر
آپ یقیناً سمجھتے ہیں کہ اسباب اس سے کس قدر عمیق تر تھے۔ اور یہ تیرہ نو آبادیاں
باہم مل جل کر کام کرنے سے اس درجہ قاصر رہیں کہ جب خانہ جنگی چھڑی تب
ساؤتھ کے لئے ایک نہایت عمدہ قانونی وجہ اُس کے مطالبۂ علیحدگی کے لئے
موجود تھی۔ اس حق کے بارے میں ۱۷۸۹ء میں (میرا خیال ہے) ورجینیا کے
خلاف بھی کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکا۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ امریکی مورخین
کی نئی نسل انقلابی جنگ پر اب کس طرح لکھا کرتی ہے۔

صفحہ ۶۰۹۔ اخیر میں، اور مکرر، اُس آخری فقرے کی نسبت ازراہِ کرم
خود اپنے جی سے پوچھئے گا اور کبھی مجھے بتائیے گا کہ آپ کی رائے میں وہ "حریت
پسندانہ اور شائستہ برتاؤ کیا ہوتا"۔

یہ چھوٹی چھوٹی تنقیدیں ہیں ایک عالی شان شاہکار پر، آپ نے یہ
تنقیدیں مجھ سے طلب فرمائی تھیں۔ مگر میں خوب جانتا ہوں کہ جو باتیں زبانی،
کوئی دکھ پہنچائے بغیر، کہی جا سکتی ہیں وہی باتیں جب قیدِ تحریر میں لائی
جاتی ہیں تب وہ ہمیشہ ناگوارِ خاطر معلوم ہونے لگتی ہیں مگر میں اِن شکایتوں
کے علاوہ ایک گراں تر شکایت آپ کے خلاف رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ
آپ نے اِن تینوں کتابوں پر میرا نام نہیں لکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تین چٹیں
آپ کو اس مضمون کی مجھے بھیج دینی چاہئیں"۔ ایڈورڈ تھامپسن از جواہر لعل نہرو"۔

ازراہِ کرم اندرا سے یہ کہنا نہ بھول جایئے گا کہ جیسے ہی وہ یہاں پہنچے
ہم لوگوں کو ڈھونڈھ لے۔ پاٹریشیا آگنیو میری بیوی کی ایک عزیز ترین دوست
کی (جو حال ہی میں انتقال کر گئیں) لڑکی ہے۔

بہترین آرزوؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایڈورڈ تھامپسن

۱۷۵۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا
۲۵ جون ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

سرحد کی پالیسی پر تمھارا بیان ابھی ابھی ملا۔ خان صاحب نے اور میں نے پڑھا۔ مجھے یہ بیان بہت پسند آیا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کیا اسپین کی بمباری اور یہ برطانوی بمباری ٹھیک ایک ہی جیسی چیزیں نہیں ہیں۔ برطانوی بمباری سے جو نقصان پہنچا ہے اُس کا اندازہ ہوا؟ برطانوی بمباری کی ظاہری وجہ کیا بتائی گئی؟ نہ اس بات پر مسکراؤ اور نہ خفا ہو کہ میں یہ باتیں تمھاری طرح پورے طور پر نہیں جانتا۔ اخبارات جو تھوڑے بہت میں دیکھ لیا کرتا ہوں اُن سے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ مگر میرے سوالات کا جواب دینے کی زحمت نہ اٹھانا۔ تمھارے بیان کے ردِ عمل کا میں مطالعہ کرتا رہوں گا۔ ممکن ہے کہ یہ ردِ عمل اس معاملے پر کچھ روشنی ڈالے۔ بہر صورت ملاقات کے وقت تم خلائیں بھر دینا۔ مجھے امید ہے کہ مولانا تشریف لائیں گے۔ لیکن اگر وہ تشریف نہ بھی لا سکیں تب بھی میں چاہوں گا کہ تم تاریخ مقررہ میں کوئی ردو بدل نہ کرو۔ ہمیں تین پُر سکون دنوں سے مستفید ہونے دو۔

امید ہے اندو بخیر ہوگی۔

محبت

باپو

۱۷۶۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں

(بلا تاریخ)

عزیزی جواہر لعل،

تمھارے خطوط میں پسند کرتا ہوں۔ اُن سے مجھے وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہیں جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہوا کرتیں۔ پان اسلامک تحریک سے متعلق میں

کچھ نہیں جانتا تھا۔ اس تحریک سے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ ملاقات کی نسبت جو بیان میں نے دیا ہے تمھاری نظر سے گزرا ہوگا۔ میرے طریقے سے تم واقف ہو۔ ان ملاقاتوں یا نشستوں سے مجھے قوت حاصل ہوا کرتی ہے۔ اب یہ تمھارا اور دوسرے رفقائے کار کا کام ہے کہ تم لوگ یہ دیکھتے رہو کہ میں جو کچھ کرتا ہوں کیا ملک کو اس کی مناسب اور صحیح تعبیر بہم پہنچ جاتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سی۔ آر کی نسبت تم پریشان نہ ہو۔ وہ بالکل صحیح راہ پر ہیں۔ پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ اپنے شکوک تم اُن سے بیان کردو۔ میں پندرہویں کی شام کو شانتی نکیتن جارہا ہوں۔ پھر اُنیسویں کو وہاں سے دلی کنٹڈ جاؤں گا۔

محبّت

باپو

۱۷۷۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا

۱۰ر جولائی ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

کل مولانا صاحب سے میں نے اک طویل گفتگو کی۔ اگر صوبوں کے لئے مُسلم وزراء کے انتخاب میں اُن سے مشورہ کرنا ہے تو میرے خیال میں اس امر کا ایک عام اعلان کر دینا بہتر ہوگا۔ مولانا کو اس سے اتفاق ہے۔ اگر تمھاری رائے میں مجلسِ عاملہ سے بھی مشورہ کر لینا چاہئے تو میری تجویز یہ ہے کہ مشورہ بذریعہ تار کر لیا جائے۔

مجھے توقع ہے کہ ہندی اردو موضوع پر جلد لکھو گے۔

تمھارا مخلص

باپو

۱۷۸۔ از مہاتما گاندھی،

(غیر نظر ثانی کردہ) سیگاؤں، واردھا

۱۵ر جولائی ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

آج انتخاب کا دن ہے۔ واقعات اور حالات پر میری نظر ہے۔ مگر یہ خط میں یہ بتا دینے کو لکھ رہا ہوں کہ میں نے کانگریسی وزارتوں کے فرائض منصبی اور دوسرے متعلقہ موضوعوں پر لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اوّلاً میں شش و پنج میں تھا مگر پھر میں نے سوچا کہ جب میرے احساسات اس درجہ شدید ہیں تو لکھنا میرا فرض ہے۔ جی چاہتا تھا کہ ہریجن کے لئے جو مقالہ میں نے لکھا ہے اُس کی ایک نقل میں پہلے ہی تمھیں بھیج دوں۔ مہادیو اس کا انتظام کریں گے۔ اگر اُن کے پاس کوئی نقل اُس کی ہوگی تو وہ تمھیں بھیج دیں گے۔ جب تم یہ مقالہ پڑھ چکو تو مجھے بتاؤ کہ کیا میں اسی طرز پر لکھتا رہوں۔ پوری صورتِ حال سے تم جس طریقے پر نپٹنا چاہ رہے ہو میں اُس میں دخل دینا نہیں چاہتا۔ اس لئے کہ میں تم سے ملک کی زیادہ سے زیادہ خدمت چاہتا ہوں۔ اگر میرے مقالات نے تم کو پریشان کیا تو میں صاف صاف نقصان پہنچانے کا مجرم ہوں گا۔

مجھے امید ہے کہ مولانا کے بارے میں میرا خط تمھیں مل گیا ہوگا۔

محبت

باپو

۱۷۹۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا

۲۲ر جولائی ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

مولانا صاحب ایک دن کے لئے واردھا میں ٹھہر گئے اور ہم نے ایک طویل گفتگو کی۔ انھوں نے مجھے اُس سمجھوتے کا مسودہ دکھایا جو اسمبلی کے

مسلم لیگی اور کانگریسی ممبروں کے درمیان ہوا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک عمدہ دستاویز تھی۔ مگر انھوں نے مجھے بتایا کہ تم تو اسے پسند کرتے ہو مگر ٹنڈن جی پسند نہیں کرتے۔ میں نے مولانا کی تجویز کے مطابق اس سلسلے میں، مؤخر الذکر کو ایک خط لکھا ہے۔ اِس میں حرج ہی کیا ہے؟

پانچ سو روپے ماہوار بطور تنخواہ، ایک بڑا مکان، اور موٹر کا بھتّہ اس پر سخت تنقیدیں ہو رہی ہیں۔ میں جس قدر سوچتا ہوں اُسی قدر اس مُسرفانہ ابتدا سے میری بیزاری بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے اس کا ذکر مولانا سے بھی کیا۔

اندو کیسی ہے؟

محبّت

باپو

۱۸۰۔ از ولبھ بھائی پٹیل

نجی

کانگریس ہاؤس بمبئی ۴

۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر لعل،

چونکہ گزشتہ چند ایام میں کچھ اہم سوالات پیدا ہو گئے تھے۔ میں ماہِ رواں کی ستائیسویں کو دوڑا ہوا واردھا چلا گیا تھا۔ آج صبح واپس آیا ہوں۔ میں نے کئی موضوع پر باپو سے طویل مشورے کئے۔ وہ بدیہی طور پر اُن اطلاعوں سے بہت پریشان ہیں جو وزراء کی تنخواہوں اور بھتّوں کے متعلق، جو مختلف صوبوں میں قرار پائے ہیں، اُن کو پہنچی ہیں۔ میں اس خط کے ساتھ ان نقطوں پر جن پر میں نے باپو کے ساتھ بیٹھ کر غور و فکر کیا تھا ہدایتوں کے مسودے کی ایک نقل آپ کی منظوری کے لئے بھیج رہا ہوں اس مسودے میں جو ترمیم و اضافہ آپ چاہیں کر دیں۔ مگر چوں کہ معاملہ اہم اور ضروری ہے میں اس مسوّدۂ ہدایت کی پیشگی نقلیں

چھ وزرائے اعظم کو اُن کی رہنمائی کے لئے بھیج رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ یہ اطلاع بھی اُن کو دے رہا ہوں کہ ہدایات کا یہ مسودہ ان کو پیشگی بھیجا جا رہا ہے، یہ قطعی اُس وقت تصوّر کیا جائے گا جب آپ کی منظوری آجائے گی۔ آخری اور قطعی ہدایتیں آپ کی منظوری آجانے پر اُن کو بھیج دی جائیں گی۔

پریس کی رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے صوبے میں مسلم لیگ سے جو گفت وشنید ہو رہی تھی وہ ناکامی پر ختم ہو گئی۔ اس وقت کسی ایسے سمجھوتے کی توقّع شاید بہت قبل از وقت ہے۔

مسٹر ناریمان نے واردھا سے واپس آنے کے بعد اپنی انتقامی جنگ زیادہ قوّت اور جوش کے ساتھ جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ پریس میں جو معرکہ جاری ہے وہ بڑا مبتذل اور دہشت انگیز ہے۔ پریس میں ناریمان کا جو آخری بیان آیا ہے وہ ضرور آپ کی نظر سے گزرا ہو گا۔ یہ ظاہر اور واضح ہے کہ وہ اب اُس تحقیقات سے پہلو بچا کر نکل جانا چاہتے ہیں جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے اور الزام اس کا مجلسِ عاملہ پر رکھ دینا چاہتے ہیں وہ باپو سے خط وکتابت کر رہے ہیں اور غالباً آخری بیان باپو جلد ہی جاری کریں گے۔ آپ نے جو خط ناریمان کو لکھا تھا انھوں نے اُس سے کچھ اقتباسات دیئے ہیں۔ میں آپ کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر میں ضرورت سمجھوں تو آپ کا پورا خط شائع کر دوں۔ اب تک تو میں نے اپنے آپ کو اس بحث ومباحثہ سے جو بالکل یک طرفہ ہے علیحدہ رکھا ہے۔ باپو کا بیان شائع ہو جانے کے بعد آپ کی طرف سے بھی ایک آخری اور قطعی بیان کی اشاعت ضروری ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے میں اُس تمام خط وکتابت کی نقلیں جو باپو اور ناریمان کے درمیان ہوئی ہیں آپ کی اطلاع کے لئے ملفوف کر رہا ہوں۔

میں چند دنوں کے لئے کل احمد آباد جا رہا ہوں۔

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

ولبھ بھائی

تکملہ : اس خط پر دستخط کرچکنے کے بعد اے۔پی۔ سے مجھے معلوم ہوا کہ
ناریمان نے ابھی ابھی ایک طویل بیان شایع کیا ہے جس میں انھوں نے
اپنا مطالبۂ تحقیقات واپس لے لیا ہے۔ انھوں نے بہ ہر حال الزامات
واپس نہیں لئے ہیں جو ایک شریف انسان کی طرح انھیں واپس لے لینے
چاہئیں۔ اب باپو ایک بیان شایع کریں گے، اُس کے بعد آپ اپنا
آخری بیان شایع کریں۔

پنڈت جواہر لعل نہرو
الہ آباد۔

۱۸۱۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

مجھے امید ہے کہ کل مہادیو نے ہندی پر تمھارے مقالے کی رسید بھیجنے
کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا ہوگا کہ وائسرائے نے مجھے چوتھی کو دہلی بلایا ہے بلانے
کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے، بجز اس کے کہ میں اُن کی ملاقات سے لطف اندوز
ہوں۔ اس دعوت کے جواب میں میں نے اُن کو لکھ دیا ہے کہ آپ نے میرے
ہی جی کی بات پہلے کہہ دی۔ میں خود ہی خان صاحب کے لئے حکمِ ممانعت
اور اپنے سرحد تک جانے کے ارادے کی نسبت آپ سے ملنے کی درخواست
کرنے والا تھا۔ اس بلاوے کے مطابق میں چوتھی کو دہلی پہنچ رہا ہوں۔ ملاقات
کا وقت ۳۰۔۱۱ مقرر ہے۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ میں وائسرائے سے مل کر
اُسی روز واپس ہوں گا اور پانچویں کو سیگاؤں نہ پہنچ جاؤں گا۔

مگر یہ خط اس غرض سے لکھ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ میں تم کو ذاکر کا
وہ خط بھیجوں جو انھوں نے میرے اُس خط کے جواب میں بھیجا ہے جس میں
میں نے بمبئی کے حال کے فسادات اور اس بدنصیب ہندی اردو قضیہ پر
اپنے تاثرات اُن کو لکھے تھے۔ میں نے سوچا کہ اس سوچے سمجھے اور معقول خط

میں تم کو بھی شریک کروں۔

میں جھانسی کے انتخاب کو کوئی شکست فاش نہیں سمجھتا۔ یہ ایک باعزت شکست تھی۔ جو یہ امید دلاتی ہے کہ اگر ہم جٹے رہے اور محنت و مشقت سے گھبرا نہ گئے تو ہم کانگریس کا پیغام مؤثر طور پر مسلمانوں تک پہنچا پائیں گے۔ مگر میں اپنی اس رائے پر اب تک قائم ہوں کہ صرف پیغام پہنچا دینا اور اس کے ساتھ دیہاتوں میں کوئی معقول قسم کا کام کرکے نہ دکھا دینا اخیر میں ہمارے مقصد کے حق میں مفید ثابت نہ ہوگا۔ مگر ان تمام باتوں کا انحصار اس پر ہے کہ ہم کس طریقے پر قوت پیدا کرنی چاہتے ہیں۔

مدراس میں مہر علی کی تقریر نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں اس سوچ میں پڑ گیا ہوں کہ وہ کس حد تک عام اشتراکی نظریے کی ترجمانی کرتے ہیں۔ راجہ جی نے ان کی تقریر پر مشتمل ایک تراشہ مجھے بھیجا ہے۔ انھوں نے اسی تراشے کا ایک نسخہ شاید تم کو بھی بھیجا ہے۔ میری رائے میں یہ کوئی اچھی تقریر نہیں ہے، اور ہمیں اس کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ جہاں تک میں اس تقریر کو سمجھ پایا ہوں یہ کانگریس کی پالیسی کے خلاف جاتی ہے۔

مدراس میں رائے نے بھی ایک تقریر کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم کو ایسی تمام تقریروں کے تراشے پہنچتے رہتے ہیں۔ تاہم فوری حوالے کے لئے میں وہ تراشے تم کو اس خط کے ساتھ بھیج رہا ہوں۔ جو پیارے لعل نے میرے لئے اکٹھا کئے ہیں۔ رائے مجھے خط بھی لکھتے رہے ہیں۔ اُن کا آخری خط تم کو بھی پڑھ لینا چاہیے اگر میں نے اُسے تلف نہیں کر دیا ہے تو اس کے ساتھ وہ خط بھی تمھیں ملے گا۔ اُن کی روش سے متعلق تمھارا تاثر کیا ہے؟ جیسا کہ میں تم سے کہہ چکا ہوں اُن کا سمجھنا میں اپنے لئے دشوار پا رہا ہوں۔

کھادی کو "آزادی کی وردی" کا جو لقب تم نے دیا ہے وہ اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک ہم ہندوستان میں انگریزی زبان بولتے

رہیں گے۔ اِس دل آویز فقرے سے جب تصوّر کی تصویر سامنے آتی ہے اُس پورے تصوّر کو ہندی کا لباس دینے کے لئے ایک اوّل درجے کا شاعر چاہیئے۔ میرے لئے یہ صرف شاعری نہیں ہے بلکہ یہ تعبیر ہے ایک صداقتِ عظمیٰ کی جس کی پوری اہمیت ہم ابھی سمجھ نہیں پائے ہیں۔

محبّت

باپو

تکملہ: اگرچہ وہ فقرہ جس میں رائے کی تقریر کا ذکر ہے اُس فقرے کے بعد ہی آگیا ہے جس میں مہر علی کی تقریر کا ذِکر ہے، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رائے کی تقریر مہر علی کی تقریر جیسی ہے۔

۱۸۲- از مہاتما گاندھی،

گاڑی پر،

۳ر اگست ۱۹۳۷ء

عزیز جواہر لعل،

یہ خط میں اُس گاڑی پر بیٹھا ہوا تم کو لکھ رہا ہوں جو ہمیں دہلی لئے جارہی ہے۔ یہ تو میرا پیش لفظ، یا اور جو کچھ اس کا نام رکھا جا سکے۔ میں تمھیں کوئی بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے لکھی ہوئی چیز نہیں دے سکا۔

تم نے 'پشتو' اور پنجابی سے پہلے لفظ "شاید" رکھ دیا ہے۔ میں مشورہ دوں گا کہ تم اس ظرف یا تمیز کے صیغے کو یہاں سے حذف کر دو مثال کے طور پر خان صاحب پشتو کبھی نہ چھوڑیں گے۔ میرا خیال ہے کہ اِس زبان کا بھی کوئی رسم خط ہے مگر یہ یاد نہیں کہ کون سا۔ اور پنجابی ؟ تو سکھ اُس پنجابی کے لئے جان دے دے گا جو گورمکھی رسمِ خط میں لکھی جائے۔ یہ رسمِ خط کوئی نفاست نہیں رکھتا، مگر مجھے معلوم ہوا ہے کہ سندھی رسمِ خط کی طرح یہ رسمِ خط بھی اس غرض سے ایجاد کیا گیا ہے کہ سکھوں کو دوسرے ہندوؤں سے الگ کر دیا جائے۔ واقعہ یہ ہو یا نہ ہو مگر اس وقت سکھوں کو گورمکھی چھوڑ دینے پر آمادہ کر لینا مجھے ممکن نظر نہیں آتا۔

تم نے یہ مشورہ دیا ہے کہ جنوب کی چار زبانوں کو سامنے رکھ کر کوئی مشترک رسمِ خط اختراع کیا جائے۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ ان چار رسوم خط سے ایک مخلوط اور نیا اختراع رسمِ خط کے بجائے دیوناگری رسمِ خط کا اختیار کر لینا اتنا ہی آسان ہوگا جتنا اس نو اختراع رسمِ خط کا اختیار کرنا۔ علمی نقطۂ نظر سے یہ چار رسمِ خط ایسے ہیں کہ ان سے کوئی ایک مخلوط رسمِ خط اختراع نہیں کیا جا سکتا اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو عام سفارش تک محدود رکھو یعنی یہ کہ جہاں کہیں بھی ممکن ہو جو صوبائی زبانیں سنسکرت سے گہرا اور ناگزیر سا تعلق رکھتی ہیں، اگر اُس کی شاخیں یا اُس سے مشتق نہ ہوں تو وہ نظر ثانی کئے ہوئے دیوناگری رسمِ خط کو اختیار کر لیں۔ تم کو اس بات کا علم ہوگا کہ یہ پروپیگنڈا جاری ہے۔

اور تب اگر میری ہی طرح تمھارا بھی یہی خیال ہو تو اس امید کے اظہار میں پس و پیش نہ کرو کہ چوں کہ ہندو اور مسلمان ایک دن دل سے ایک ہو جانے والے ہیں، تو جو لوگ ہندوستانی بولتے ہیں، وہ بھی ایک ہی رسمِ خط یعنی دیوناگری اختیار کر لیں گے اِس لئے کہ یہ زیادہ سائنٹیفک ہے اور اُن زبانوں کے عظیم الشّان صوبائی رسوم خط سے جو سنسکرت سے پیدا ہوئی ہیں زیادہ ملتا جلتا ہے۔

اگر تم میری تجویزوں کے بعض حصّے یا میری تمام تجویزیں قبول کر لیتے ہو تو تغیر طلب مقامات پر اُنگلی رکھ دینے اور ضروری تغیّرات کی تعین کر لینے میں تمھیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔ میرا ارادہ تھا کہ تمھارا وقت بچانے کی غرض سے یہ کام میں خود کر ڈالوں۔ مگر ابھی مجھے اپنے نظامِ جسمانی پر یہ بوجھ ہرگز نہ ڈالنا چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں کہ میرا تمھاری تجویزوں سے متّفق ہونا اور میرا اُن پر صاد کر دینا یہ معنی نہیں رکھتا کہ میں ہندی سمیلن والوں سے اب یہ ضرور کہہ دوں کہ وہ لفظِ ہندی کا استعمال ترک کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمھارا مقصد بھی نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک میں سوچ سکتا ہوں میں اِس کو اُس کی

بعید ترین ممکن حد تک لے گیا ہوں۔
اگر تم میری تجویزیں قبول نہیں کر سکتے تو صحت کے لحاظ سے میرے پیش لفظ پر اس جملے کا بڑھا دینا بہتر ہوگا: "کم از کم مجھے ان تجویزوں کی ایک عام طریقے پر تائید و توثیق کر دینے میں کوئی پس و پیش نہیں ہے۔"
مجھے امید ہے کہ اندو کا آپریشن بخیر و خوبی انجام پذیر ہوگا۔

محبت

باپو

۱۸۳۔ از مہاتما گاندھی،

۳ر اگست ۱۹۳۷ء

ہندی اردو سوال پر جواہر لعل نہرو کا مقالہ میں نے بہت غور سے پڑھا۔ اِدھر کچھ دنوں سے اِس سوال نے ایک افسوس ناک نزاع کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اِس سوال نے جو بدنما شکل اختیار کر لی ہے اُس کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہو، قومی اور خالص تعلیمی نقطۂ نگاہ سے غور و فکر کر کے اس پورے مسئلے کی درست اور موزوں شرح و توضیح پر جو کچھ اب تک لکھا جا چکا ہے اس پر جواہر لعل کا مقالہ ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ اُن کی تعمیری تجویزیں اگر وہ لوگ عام طور پر قبول کر لیں جو اس مسئلے سے تعلّق رکھتے ہیں تو اس بحث و مباحثے کا جس نے ایک فرقہ وارانہ شکل اختیار کر لی ہے، خاتمہ ہو جائے۔ تجویزیں بڑی جامع اور نہایت ہی معقول ہیں۔

ایم۔ کے۔ گاندھی

۱۸۴۔ از مہاتما گاندھی،

ٹرین پر،
۴ر اگست ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،
میں بے وقوف ہوں۔ جب تمہارا خط پہنچا تب میں نے اپنے کاغذات

الٹ پلٹ کر دیکھے اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہ تراشہ جو مہر علی کی تقریر پر مشتمل تھا میرے کاغذات میں موجود ہے۔ میں نے اپنے خط میں مسانی کی تقریر کا نہیں، مہر علی کی تقریر کا حوالہ دیا تھا۔

یہ خط اُس گاڑی میں لکھا جا رہا ہے جو نہایت بُری طرح دھچکے کھاتی ہوئی چل رہی اور مجھے واردھا واپس لے جا رہی ہے۔ اِس وقت رات کے ساڑھے دس بجے ہیں۔ میں جاگ پڑا، تقریر کا خیال آیا اور میں نے ڈھونڈھنا شروع کر دیا۔ کل والا ڈبہ نسبتاً بہتر تھا۔

میں وائسرائے سے ملا۔ سرکاری اعلان تمھاری نظر سے گزرا ہوگا۔ اس اعلان میں ملاقات کی صحیح تلخیص دی گئی ہے۔ کچھ اور ضمنی باتیں بھی تھیں جو کرپلانی تم سے عندالملاقات بیان کریں گے۔ میں یہاں ایک بات کا ذکر کر دوں۔ وائسرائے نے جیسے مجھے بلایا تھا شاید تمھیں بھی بلا بھیجیں۔ میں نے اُن سے کہدیا ہے کہ اگر جواہر لعل کو آپ نے بُلایا تو غالباً وہ آنے سے انکار نہ کریں گے۔ کیوں، میں نے ٹھیک کہا نا؟

مجھے افسوس ہے کہ میں نے راجے کی تقریریں تم پر زبردستی ٹھونس دیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان تقریروں کا پڑھ لینا تمھارے لئے ضروری تھا۔ بہ ہر حال، ان تقریروں کی نسبت تمھاری رائے جاننے کی مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ اگر تم ان تقریروں کو پہلے ہی پڑھ چکے ہو تو اور بات ہے ورنہ تم اپنے سُبیتے سے جواب لکھنا۔

میں نے سُنا ہے کہ تم اندو کا آپریشن بمبئی میں کرا رہے ہو۔

محبت

باپو

۱۸۵۔ از مہادیو ڈیسائی

کہیں جھانسی کے قریب — ۴ اگست ۱۹۳۷ء

میرے عزیز جواہر بھائی

دن میں میرے لئے موعودہ خط کا لکھنا ناممکن تھا اور اب چوں کہ

ڈیڑھ بجے شب میں مجھے باپو کا خط ڈاک میں ڈالنا ہے۔ میں اپنا خط بھی اِسی کے ساتھ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ جن نقطوں پر مجھے خاص طور پر آپ کو توجہ دلانی تھی وہ یہ ہیں:

۱) پنجابی اور پشتو سے پہلے لفظِ "شاید" کو حذف کر دینا چاہیئے۔ (صفحہ ۲ اور ۱۰) اس کا مشورہ باپو نے دیا ہے۔ میں صرف اتنا بڑھا دینا چاہتا تھا کہ سکھوں کے بہت سے اچھے سے اچھے گیت (گرو نانک اور دوسروں کے) جن پر اُن کو فخر و ناز ہے وہ سب کے سب پنجابی میں ہیں۔ اگر سکھ پنجابی زبان کے لیئے نہ بھی لڑیں تب بھی ہمیں اُس کو تسلیم کر لینا چاہیئے۔ پشتو کے متعلق مجھے خان صاحب کا ایک بار مجھ سے یہ فرمانا یاد ہے کہ پشتو بھی ایک رسمِ خط سندھی رسمِ خط جیسا رکھتی ہے ——— یعنی ایک قسم کی اردو رسمِ خط کی ایک ترمیم کردہ شکل ——— نیز یہ کہ یہی زبان تمام پٹھانوں کی زبان ہے خان صاحب اور چند دوسرے پٹھان اردو بول لیتے ہیں، اس لیئے کہ کوشش کر کے انھوں نے یہ زبان سیکھ لی ہے، مگر دوسرے پٹھان جن کی ایک بہت بڑی تعداد ہے اردو بالکل نہیں جانتے۔

صفحہ ۴ (فقرہ ۱ و ۲) اور صفحہ ۱۱ (فقرہ ۶ و ۷) سندھی ——— آپ کی رائے ہے کہ اردو سندھی کو اپنے اندر جذب کر سکتی ہے۔ کیا اس کے برعکس نہ ہو جانا چاہیئے؟ سندھی نے اردو رسمِ خط کو تمام و کمال اپنا لیا ہے اور اُس پر کچھ ایسے حرف بڑھا دیئے ہیں جو ایسی آوازوں کو ادا کرتے ہیں جو سنسکرت میں تو پائی جاتی ہیں مگر عربی اور فارسی میں نہیں پائی جاتیں۔ اگر کسی کے جذبات کو ٹھیس لگائے بغیر کہا جا سکتا ہے تو یہ کہ سندھی نے اردو کی تکمیل کر دی ہے۔ اس لیئے سندھی اردو کو اپنے اندر جذب کر سکتی ہے نہ کہ برعکس۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ کا منشا بھی یہی ہے، آپ نے اسی بات کو کسی قدر کم ناخوش گن طریقے پر کہا ہے کیوں، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟

جنوبی ہند ——— صفحہ ۴ کی ابتداء کا وہ محض اتفاقی فقرہ نادانستہ طور پر

افتراق پسندی کی شرارت کے اُس شعلے کو ہوا دے سکتا ہے جس کو آندھرا، تامل اور کناڑی کے کچھ متعصب لوگوں نے بھڑکا رکھا ہے ——— یعنی ہندی کے خلاف ایک ہوّا۔ بہ طور ایک امرِ واقع کے، علماء نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ تامل، ملیالم، تیلوگو اور کناڑی رسومِ خط میں جس قدر مشابہت پائی جاتی ہے اُس سے زیادہ مشابہت تامل، ملیالم رسومِ خط کو دیوناگری رسمِ خط سے ہے یا تیلوگو کناڑی رسومِ خط کو دیوناگری رسمِ خط سے ہے۔ زبانوں کی حیثیت سے تامل اور ملیالم کا تعلق ایک گروہ سے ہے اور تیلوگو اور کناڑی کا دوسرے گروہ سے۔ راج گوپال آچاریہ نے اپنے ایک سلسلۂ مقالات میں دیوناگری رسمِ خط میں کچھ ایسی تبدیلیاں تجویز کی ہیں جو اُس کو جنوبی ہند کے لئے بہ آسانی قابلِ قبول بنا سکتی ہیں۔ اور خود یہ واقعہ کہ لاکھوں باشندگانِ جنوبی ہند نے تھوڑی سی محنت میں دیوناگری رسمِ خط سیکھ لیا اِس امر کا ایک محکم ثبوت ہے کہ دیوناگری رسمِ خط پورے جنوبی ہند کے لئے قابلِ قبول ہے۔ کچھ دن ہوئے جنوبی ہند سوراشٹر سے ایک سوراشٹری نے (جن کی آبادی پچاس ہزار کے لگ بھگ ہے) مجھے لکھا کہ وہ لوگ ایک تیلوگو تامل مخلوط رسمِ خط رکھتے تھے۔ مگر اب یہ کہیں نہیں پایا جاتا۔ اب یہ سوراشٹری تامل یا تیلوگو رسمِ خط کے بجائے دیوناگری کو بہ خوشی قبول کر لیں گے۔

تامل، آندھرائی اور کناڑی ان سب کو ہماری مذہبی کتابیں پڑھنی پڑتی ہیں جو تمام تر سنسکرت میں ہیں۔ اس لئے اُن سے دیوناگری کے قبول کر لینے کی توقع اُن پر کوئی بوجھ ڈالنے کے مترادف نہیں ہے بلکہ اس سے مذہبی کتابوں کا درس و مطالعہ اُن کے لئے آسان تر ہو جائے گا۔

لکھے ہیں، اگر جنوبی ہند کی چاروں زبانیں اپنا ایک علیحدہ مخلوط رسمِ خط چاہتی ہیں (جو مجھے اندیشہ ہے کہ ناممکن ہے) تو پھر آپ کو ہمیشہ کے لئے یہ خیال ترک کر دینا پڑے گا کہ شمالی ہند کے باشندے جنوبی ہند کی زبانیں سیکھیں گے۔ ایک مشترک رسمِ خط مؤخر الذکر کے لئے تامل اور تیلوگو جیسی زبانوں کے سیکھ لینے پر ایک زبردست محرک ہو گا دیں سے نے ددہی زبانوں

کا ذکر کیا اِس لئے کہ ملیالم، تامل اور سنسکرت کا ایک مخلوط مجموعہ ہے اور کناڑی اپنے پاس کوئی ایسا ادب نہیں رکھتی جس کا کسی طریقے پر بھی تامل یا تیلوگو ادب سے موازنہ کیا جا سکے)

ایک بات اور قابلِ غور ہے جس کا ذکر کرنا میں بھول گیا ہوں۔ تیلوگو، کناڑی اور ملیالم زبانیں اپنے اندر ایک بہت بڑی تعداد سنسکرت لفظوں کی رکھتی ہیں۔ سنسکرت لفظوں کی یہ تعداد روز افزوں ہے۔ تامل بھی اب اپنے اندر سنسکرت الفاظ کی ایک بڑی تعداد کا اضافہ کرتی جا رہی ہے۔ دیوناگری قبول کر لی جائے تو اس اضافے میں اور ترقی ہو جائے گی۔

اِس لئے مجھے قوی اُمید ہے کہ آپ صرف دو ہی رسمِ خط پر غور و فکر کریں گے۔ دیوناگری اور فارسی۔

۲۔ صفحہ ۷۔ یہ ایک غیر اہم سا نقطہ ہے اور صرف ایک اطلاع۔ آپ فرماتے ہیں کہ بنگلہ زبان عوام سے رابطہ بڑھانے میں ہر زبان سے آگے جا چکی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کچھ دن ہوئے میں آمیا چکرورتی سے باتیں کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ رابندر ناتھ ٹیگور کی کتابیں بھی کچھ زیادہ نہیں بکیں۔ ان تمام برسوں میں گیتا نجلی کے صرف دو ہزار نسخے فروخت ہوئے۔ جی بن سمرتی کے زیادہ سے زیادہ ایک ہزار نسخے اور علیٰ ہذالقیاس۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ بھی اس سے وہی نتیجہ نکالیں گے جو میں نکالتا ہوں یا کچھ اور۔

مگر اب جھانسی قریب آ رہا ہے اور اب مجھے ختم کرنا چاہئے نظرِ ثانی کے لئے مجھے ایک لمحہ بھی نہیں مل سکا۔ اِس بدخطی کو آپ معاف فرمائیں گے جو ٹرین کا قصور ہے، میرا نہیں۔

آپ کا

مہادیو

۱۸۶۔ از مہاتما گاندھی،

سیگاؤں، واردھا
۸ر اگست ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

تمہارے اُس خط کے ایک مسئلے پر جس میں مہر علی کی تقریر کا ذکر تھا میں کچھ لکھنا بھول گیا۔ میری مراد راجہ جی کے اُس اعلان سے ہے جس کے ذریعے انھوں نے گرمیوں کے اسکول کے قیدیوں کو رہا کیا۔ میں نے یہ اعلان تمہارا خط ملنے سے پہلے پڑھا تھا۔ مگر وہ مجھے ناگوار نہیں معلوم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اعلان مجھے اس لئے ناگوار نہیں معلوم ہوا کہ تم نے گرمیوں کے اسکولوں کے طلباء کے اقدام کو پسند کیا اور میں کسی طرح بھی اُس کو حق بجانب ثابت نہیں کر سکا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس اعلان میں اس امر کی طرف توجہ دلا دینا ضروری تھا کہ اس رہائی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اِس اقدام کو جو قانونِ نقضِ امن تھا بہ نگاہِ پسندیدگی دیکھا گیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کانگریس اپنے عہدِ اقتدار میں اکثر وہ زبان استعمال کرے گی جو اُس کے پیش رو کرتے آئے ہیں تاہم اُس کا مقصد یا غرض و غایت کچھ اور ہو گی۔

مجھے امید ہے کہ آپریشن کے بعد تمہارا وقت بمبئی میں اچھا گزرے گا۔ جب آپریشن ہو جائے تب مجھے تم تار دے دینا۔

محبت

باپو

اگر ناریمان تمہارے پاس آئیں تو تم اُنھیں ازراہِ کرم تحقیقات کرا لینے کی اجازت دے دینا۔ مجھے اس کا افسوس ہے کہ تم اِس معاملے میں بمبئی میں پریشان کئے جاؤ گے۔ مہادیو کی زبانی تمھیں معلوم ہو گا کہ میں کیا کر تا رہا ہوں۔

۱۸۷۔ از ارنسٹ ٹالر

سانٹا مانیکا، کیلیفورنیا
۲۳؍ اگست ۱۹۳۷ء

عزیز جواہر لعل نہرو،

آپ کے خط مورخہ ۱۹؍ جولائی کا بہت بہت شکریہ۔ یہ آپ کی کتنی بڑی نوازش ہے کہ آپ نے اتنی زحمت گوارا فرمائی۔ آپ کی کوششوں کا میں انتہائی شکرگزار ہوں۔ آپ تصور فرما سکتے ہیں کہ اگر میری تالیف ہندی اور مرہٹی میں شایع ہو گئی تو مجھے کتنی بڑی مسرت ہو گی۔

میرا طربیہ ڈراما "اب کوئی صلح نہیں" آپ کو مل گیا؟ میں نے اپنے ناشر سے کہدیا تھا کہ آپ کو یہ ڈراما بھیج دے۔

میری بیوی آج کل ہالی ووڈ میں میرے ساتھ ہیں۔ وہ سخت علیل ہو گئی تھیں۔ مگر خوش قسمتی سے وہ شفا خانہ چھوڑ کر میرے پاس آجانے کے قابل ہو گئیں اور اب سُرعت کے ساتھ شفایاب ہو رہی ہیں۔

میں چین کے حوادث کا پُرجوش دلچسپی کے ساتھ تتبّع کر رہا ہوں۔ کچھ ایسا نظر آرہا ہے کہ چینیوں کی سخت مدافعت کے باوجود جاپان وہ رقبہ لے ہی لے گا جو وہ چاہتا ہے۔ یہ انجمن اقوام بھی کیا المیہ و فرحیہ کا ملا جلا سا نظارہ پیش کرتی ہے۔ ابتدا میں تو اس کی تاسیس اس غرض سے ہوئی تھی کہ یہ قوموں کے حقوق کی حفاظت کرے گی اور قوموں پر جارحانہ حملے نہ ہونے دے گی، مگر اب اس کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ یہ وقت کے اہم اور ضروری مسائل پر غور و فکر کرنے تک کی جرأت نہیں کر سکتی، کوئی فیصلہ کرنا تو دُور کی بات ہے۔

ہمارے عہد کی مصیبت یہ ہے کہ فاشستی اور نیم فاشستی حکومتیں تو جانتی اور سمجھتی ہیں کہ انھیں کیا چاہیئے اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے ہر ذریعے کام میں لاتی ہیں، جب کہ جمہورتیں ایک مجرم ضمیر کے ساتھ مدافعت کی حدود سے آگے بڑھنا نہیں چاہتیں، اِن کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ

کہ واقعات کا سامنا کریں بلکہ اُن سے ایسے سمجھوتوں کی راہ سے کترا کر نکل جائیں جو کوئی مسئلہ حل نہیں کرتے۔ اسپین ایک دوسری مثال ہے۔ ہم اس وقت ایک ایسے انقلابِ عظیم کے درمیان میں ہیں جو پوری دنیا کے قومی اور معاشرتی مسائل کو اپنے لپیٹ میں لے لے گا۔ جو لڑائی ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی وہ حقیقت میں کبھی ختم نہیں ہوئی اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کب تک جاری رہے گی۔ ہم صرف اتنی امید رکھ سکتے ہیں کہ جو کچھ لابدی طور پر وقوع میں آئے گا وہ دنیا کے تمام ہی ضروری حصوں کو تباہ و برباد نہ پائے گا۔

جرمنی سے جو خبریں آرہی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ نازی دشمن مقاومت اب بھی اپنی اُولو العزمانہ جنگ جاری رکھتی ہے مگر وہ اتنی زور آور نہیں ہے کہ موجودہ دورِ حکومت پر اثر انداز ہو سکے۔ اگر کوئی واقعی بحران رونما ہو جائے تو اور بات ہے، ورنہ دنیا کو نازیوں کی قوت کو ذہن میں رکھنا پڑے گا۔ جو بڑی بے دردی کے ساتھ جرمنی کو جنگ کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ وہ مستقبل قریب میں کوئی جنگ چاہتے ہیں۔ وہ دہشت انگیزی اور دھونس سے کام لے کر فتوحات حاصل کرنے اور اِک ایسی جنگ سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اُن کے حق میں بربادی اور تباہی پر منتہی ہو سکتی ہے۔ اِس درمیان میں وہ کوشاں ہیں کہ فاشسٹ قوتوں کو منظم کر دیں۔ چند روز ہوئے میں نے نیویارک ٹائمز میں ایک مقالہ دیکھا جس میں جنوبی امریکا کے بعض حصوں میں ان نازیوں کے اثر و نفوذ کے حیرت انگیز واقعات مذکور تھے۔

میری بیوی اور میں آپ کے لئے اور آپ کی صاحبزادی کے لئے دعاہائے خیر اور احترامات پُر از محبت بھیجتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ مجھے پھر خط لکھیں گے۔

ہمیشہ آپ کا

ارنسٹ ٹالر

۱۸۸۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

شانتی نکیتن، بنگال
۲۰ر ستمبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،
میرا یقین کے ساتھ یہ محسوس کر لینا کہ مصیبت کی گھڑیوں میں اور اُن لمحات میں جب زندگی کی گرفت یک بہ یک ڈھیلی پڑ جاتی ہے میں تمھاری محبت پر پورا اعتماد کر سکتا ہوں میرے لئے ایک بڑا گراں قدر موقع تھا۔ میں بہت متاثر ہوا ہوں۔

تمھارا محبت آگیں
رابندر ناتھ ٹیگور

۱۸۹۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۱ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،
جہاں تک میرا تعلق ہے پٹابھی کا انتخاب اچھا انتخاب ہے۔ مگر میرا خیال ہے کہ تم کمیٹی کے ممبروں کا عندیہ بھی معلوم کر لو۔
میں نہیں کہہ سکتا کہ تم اُس تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لئے وقت نکال سکو گے یا نہ نکال سکو گے جو واردھا میں منعقد ہو رہی ہے اور جس میں تم بھی مدعو ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر تم آسکو تو ضرور آؤ، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ اگر کوئی اور ضروری کام تمھاری موجودگی کہیں اور چاہتا ہو تو تم اس کانفرنس میں شرکت کے لئے وقت نکالو۔ بے شبہہ یہ دو دن تھکا دینے والے ہوں گے۔ لیکن اگر تم آسکے تو تمھاری موجودگی میرے لئے وجہ تسلّی ہوگی۔

محبت
باپو

تکملہ: اس خط کے ساتھ تمھیں سیّد حبیب کے ساتھ میری خط و کتابت کا

نتیجہ بھی ایک چیک اور خط کی صورت میں ملے گا۔ میں نے ان کو میری تمھاری گفتگو کا ذِکر کیے بغیر اِدھر اُدھر سے روپیہ اکٹھا کرنے پر بہت ڈانٹا ہے۔

۱۹۰۔ از رابندر ناتھ ٹیگور

شانتی نکیتن، بنگال
۱۰ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارے رقعے کا شکریہ۔ میں خوشی کے ساتھ تم سے ملنے کی مسرت کا انتظار کر رہا ہوں۔ میں تم کو شانتی نکیتن آنے کی زحمت نہ دوں گا۔ مجھے توقع ہے کہ میں کل یعنی ۱۱ر اکتوبر سے اس ماہ کے اخیر تک کلکتے میں رہوں گا اور تمھارا استقبال کلکتے ہی میں ۲۵ر کو یا کسی اور تاریخ کو جو تمھارے لئے موزوں ہو، کرنے کی امید رکھتا ہوں۔ تمھیں معلوم ہے کہ میں اب تک ڈاکٹروں کے رحم وکرم پر ہوں جو فطرت کی طرف سے مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں کہ اگر میں نے کلکتے میں رہ کر بجلی کے کسی سحر آفریں علاج کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر دیا تو مجھے کوئی سنگین سزا ملے گی۔ اگر وقت اجازت دے تو مجھ سے ایک بار نہیں، دو بار ملنے کی کوشش کرنا۔ میں غالباً مضافاتِ کلکتہ میں کسی باغ میں مقیم ہوں گا اور کرشنا جو کلکتے ہی میں ہوگی تمھیں میرے پاس لے آئے گی۔

محبت کے ساتھ
تمھارا محبت آگیں
رابندر ناتھ ٹیگور

۱۹۱۔ از مہاتما گاندھی

سیگاؤں، واردھا
۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۷ء

عزیزی جواہر لعل،

تمھارا خط مجھے ملا۔ میں یہاں سے کلکتے کے لئے ۲۵ر کو چلنے کی

کوشش کر رہا ہوں۔ اس وقت تم مجھے کانگریسی صوبوں میں وزارتی کارناموں کے بارے میں سب کچھ بتانا۔ مجھے امید واثق ہے کہ تمھاری حلق کی تکلیف اور زکام صرف عارضی شکایتیں تھیں اور تم دورۂ پنجاب کا بوجھ برداشت کر سکے۔ صوبۂ سرحد کی آب و ہوا بڑی پُر لطف رہی ہوگی۔ میرا کس قدر جی چاہتا ہے کہ تم کم از کم کچھ دنوں کے لیے معاملات سے گھبرا جانا اور پریشان رہنا چھوڑ دو!

محبّت

باپو

۱۹۲۔ از امرت شیر گل

(امرت شیر گل ایک بڑی ذہین اور طباع فن کار تھی جس نے پیرس میں تربیت پائی تھی۔ اس کی تصویریں پیرس کی اکادمی کی نمائش میں رکھی گئی تھیں۔ وہ نو عمری ہی میں یکایک وفات پا گئی)

۶ر نومبر ۱۹۳۷ء

کچھ دن ہوئے کسی نے مجھ سے کہا: "جانتی ہو جواہر لعل نہرو بیمار ہیں"

میں نہیں جانتی تھی۔ میں اخبارات کبھی نہیں پڑھا کرتی۔

میں آپ کی نسبت بہت سوچا کرتی رہی ہوں، مگر کسی نامعلوم سبب سے، شاید اسی بہت زیادہ سوچتے رہنے کے سبب، میں نے کبھی خط لکھنے کی طرف اپنی طبیعت کو مائل نہیں پایا۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کے خط نے مجھے ایک نہایت ہی خوش گوار حیرت میں ڈال دیا۔

کتاب کا شکریہ۔

یوں تو عموماً میں سوانح عمریاں اور خود نوشت سوانح عمریاں پسند نہیں کرتی۔ وہ مجھے جھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ طمطراق یا شوقِ نمود۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ آپ کی خود نوشت سوانح حیات میں پسند کروں گی۔ آپ کبھی کبھی اپنے حلقۂ نور کو دور پھینک دیا کرتے ہیں۔ آپ یہ کہنے کی ہمّت

رکھتے ہیں کہ "جب پہلے پہل میں نے سمندر کو دیکھا" جب کہ دوسرے حضرات یہ فرمائیں گے کہ "جب پہلے پہل سمندر نے مجھ کو دیکھا"

کاش میں آپ کو زیادہ بہتر طور پر جانتی ہوتی۔ ایسے لوگ اپنے اندر ہمیشہ میرے لئے ایک جاذبیت اور کشش رکھتے ہیں جو اتنے کامل اور صحیح المزاج ہوتے ہیں، جو اپنی سیرت میں تناقص و تضاد کے ساتھ بے سُرا پن یا بے تالا پن نہیں رکھتے، اور اپنے پیچھے رنج و افسوس کے پیچیدہ دھاگے گھسیٹتے نہیں چلا کرتے۔

میں نہیں سمجھتی کہ انسان زندگی کی دہلیز ہی میں اختلال و ابتری محسوس کرنے لگتا ہے، جب وہ اس دہلیز سے گزر کر منجدھار میں پہنچ جاتا ہے تب ہی اُس پر یہ راز کھلتا ہے کہ جو چیزیں اور جو احساسات اسے سادہ سادہ سے نظر آتے تھے وہ اتنے لامتناہی طور پر پیچیدہ اور پُر خم ہیں، اور تب ہی وہ محسوس کرتا ہے کہ ہم آہنگی و یک رنگی صرف تناقص و تضاد میں ہے۔

مگر آپ تو یقیناً ایک منظم و مرتب دماغ رکھتے ہیں۔

میں نہیں سمجھتی کہ میری تصویروں سے آپ کو واقعی کوئی دلچسپی تھی۔ آپ میری تصویروں کی طرف دیکھ تو رہے تھے مگر اُن کو دیکھے بغیر۔

آپ سخت و درشت نہیں معلوم ہوتے۔ آپ کے چہرے سے رسیلا پن اور نرمی ٹپکتی ہے۔ میں آپ کا چہرہ پسند کرتی ہوں۔ وہ بہ یک وقت ذکی الحس بھی ہے، نفسانی بھی ہے اور دوسروں سے الگ بھی۔ میں آپ کو ایک تراشہ بھیج رہی ہوں جو میرے والد نے آپ کی خدمت میں بھیجنے کو فرمایا ہے۔ یہ اُنہی کا لکھا ہوا ہے۔

آپ کی

امرت شیر گل